بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صدیوں کا سفر

(بدایوں سے کراچی تک)

از

پروفیسر محمد فائق صدیقی

غضنفر اکیڈمی پاکستان
۳۰- اردو بازار، کراچی

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

بار اول	۲۰۰۰ء مطابق ۱۴۲۰ھ
تعداد	پانچ سو
اہتمام	ثاقب علی خان
مطبع	گیلانی پرنٹرز رابسن روڈ کراچی
قیمت	۱۲۵ روپیہ

پیش کش

- محمد اویس صدیقی
- محمد بلال صدیقی
- محمد زید صدیقی

تعاون خاص

- محمد شائق صدیقی
- محمد اشفاق صدیقی
- مولوی محمد سلمان رضا
- قاضی صبیح الاسلام محمد طیب ہاشمی
- مولوی عثمان مرتضی
- جناب محمد یونس بخش

انتساب

میں اپنی اس کوشش کو

بدایوں میں مدفون اولیائے کرام سے منتسب کر کے

اس کا خصوصی انتساب

شیخ مطیع اللہ شروانی سہروردیؒ

کے نام کرتا ہوں

جو بدایوں میں شیخ مطاخر سوار مشہور ہوئے

فائق

اے بدایوں

اے بدایوں اے نظام الدینؒ کے پیارے وطن
سرمہء چشم وفا تیری زمیں کی خاک ہے
حبّ سرکار دو عالمؐ کے دفینے تجھ میں ہیں
تو امین عاشقان صاحب لولاک ہے

فائقؔ بدایونی

دن جو گزرا وہ پھر نہیں آیا رات جو آئی پھر نہیں گزری

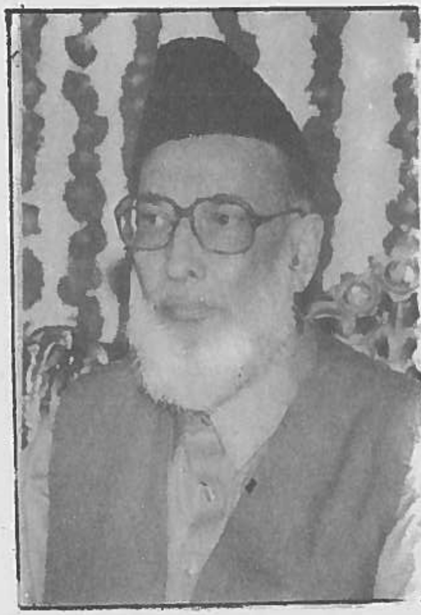

پروفیسر محمد فائق صدیقی قادری بدایونی

فائق مرا وطن تھا وہ آغاز عمر میں
شہر بدایوں مسکن شاہان اولیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تشکر

اللہ رب العزت کی حمد و ثنا کہ اس نے مجھے ایسی بے حساب نعمتیں بخشیں جو اس کتاب کی تکمیل میں میری مدد و معاون ثابت ہوئیں اور صلوٰۃ و سلام اس ذات اقدس ؐ پر جو رحمت للعالمین اور مدینۃ العلم ہے کہ اس کے در اقدس ؐ سے آج بھی فیضان علم جاری ہے۔ سلام اس رحمت عالم کے صدیق اکبرؓ پر جس کی نظر خاص اس کتاب کی تکمیل کا موجب ہوئی اور جس کے روضہ اطہر پر میں نے اپنی صدیقیت کی تصدیق ظاہرہ کے لئے دعا کی تھی۔ عنایت و نوازش و کرم سردار الاولیا سیدنا غوث الاعظم دستگیرؒ کا جو ظاہر و باطن میں میرے راہنما ہیں اور محبوب غوث الاعظم دستگیر سیدی حضرت غلام ؒ محمد المعروف بہ اباجیؒ کی عنایت خاص کہ جو نسبت باطنی میں میرے مرشد و رہبر ہیں اور میرے مرحوم دوست سید باسط علی جعفریؒ کی دعاؤں کا فیض جو میرے لئے دنیا و آخرت میں باعث راحت ہے۔ صد شکر کہ یہ کتاب تکمیل کو پہنچی جس کا آغاز ۸۳ء میں اس وقت ہوا تھا جب حضرت منور بدایونی نے ازراہ عنایت مجھے کلمتہ باقیہ کے بعض حصوں کی فوٹو اسٹیٹ کروا کے کتاب ہذا کے لئے پہلا حوالہ فراہم کیا تھا اللہ ان کو غریق رحمت کرے۔

میں اس کتاب کی تکمیل کے لئے اپنے کرم فرما جناب محمد یونس بخش کا بھی ممنون ہوں جن کی وساطت سے مجھے شیخ مطیع اللہ شروانیؒ سے متعلق تاریخی معلومات فراہم ہوئیں ساتھ ہی شکرگزار ہوں جناب عثمان مرتضیٰ المعروف بہ عتیق احمد کا کہ انہوں نے مجھے شیوخ صدیقی عبدالرحمانی کے وہ شجرے فراہم فرمائے جو ان کے نانا مولوی غلام قنبو کے بڑے بھائی مولوی غلام شبر صاحب نے مرتب فرمائے تھے میں اپنے عمہ زاد برادر گرامی محمد طیب ہاشمی کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تکمیل میں ذاتی دلچسپی کا مظاہرہ کرکے جابجا مجھے مفید مشوروں سے نوازا۔ نیز کتاب کا نام "صدیوں کا سفر" تجویز فرمایا ہردو معنی میں کتاب کی تصحیح میں کافی وقت صرف کیا اور بدایوں میں مقیم بہت سے اعزاء کے متعلق معلومات فراہم کیں میں اپنے ایک اور برادر گرامی مولوی سلمان رضا کا بھی شکرگزار ہوں جن کی معرفت شجروں تک میری رسائی ہوئی۔ اپنے چھوٹے بھائی محمد شائق کا بھی شکرگزار ہوں کہ انہوں نے وطن سے باہر رہتے ہوئے بھی کتاب کی تکمیل میں معاونت کی اور بہت سی معلومات بدایوں سے حاصل کرکے ای میل کی معرفت مجھے فراہم کیں ان کے ہی بے حد اصرار بلکہ ضد پر میں کتاب میں اپنی تصویر چھپوانے پر رضامند ہوا۔ میں جناب عبدالماجد صدیقی کا بھی بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے پیرانہ سالی کے باوجود کتاب کی پروف ریڈنگ میں بڑی باریک بینی سے محنت شاقہ کا مظاہرہ کرکے گزشتہ ۴۰ سال کے برادرانہ تعلقات کی لاج رکھی ساتھ ہی میں جناب ابرارالحسن (محمد ابرار) جناب فرخ رضا زیدی' جناب سید علیم الحق اور میاں مسعود عالم سہروردی کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے اپنے اپنے خاندان سے متعلق معلومات فراہم فرمائیں۔ نیز جناب فصیح اللہ صدیقی' جناب مقصود حسین اور جناب سرور حسین کا بھی ان کی فراہم کردہ معلومات کے لئے شکرگزار ہوں۔

خواتین میں سب سے پہلے میرے شکریہ کی مستحق میری بیگم صاحبہ ثمینہ فائق

ہیں کہ انہوں نے کتاب کی تکمیل کے لئے موافق گھریلو فضاء فراہم کی۔ نیز اپنی بڑی بہن قمر سلطانہ بیگم ابراہیم الرشید کی معاونت سے اپنے خاندان کی بعض تفصیلات سے مطلع کیا۔ میں بیگم ابراہیم رشید کا بھی ان کی معاونت کے لئے شکر گزار ہوں۔ ساتھ ہی میری بہن سلیمہ داور، مسلمہ سلمان رضا، حسنیٰ سرور اور فہمہ آصف نے بھی جو معلومات بہم پہنچائی ہیں ان کے لئے چاروں کا شکر گزار ہوں۔ میری عمہ زاد بہن نجمہ بیگم عبدالوہاب قادری اور ماموں زاد بہن آفتاب زہرہ بیگم حضور الحسنین اور تایا زاد بہن ہاجرہ خاتون بھی خصوصی شکریہ کی مستحق ہیں کہ انہوں نے بڑی دلچسپی کے ساتھ بہت سی خاندانی معلومات فراہم کیں علاوہ ازیں رقیہ بیگم مصور حسین فرزانہ بیگم احمد رضا تہمینہ بیگم امجد محمود کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے بہت سے ناموں کی تصدیق اور رشتوں کی توثیق میں میری مدد کی۔ تکنیکی مدد کے لئے میں جناب ثاقب علی خان اور جناب غلام محمد غوری کا بھی ممنون و شکر گزار ہوں۔

مشتملات

○ حرف آغاز ۱۱

○ پہلا باب

بدایوں میں میرے اسلاف اور قرابتیں ۱۷

○ دوسرا باب

بدایوں میں میرے دادا کی اولاد اور قرابتیں ۸۷

○ تیسرا باب

کراچی میں میرے والد کی اولاد اور قرابتیں ۱۳۹

○ چوتھا باب

کراچی میں میری اولاد اور قرابتیں ۱۶۹

○ پانچواں باب

میں کچھ بھی نہیں ۲۰۳

میرے اساتذہ

میرے احباب

میری تصانیف

میری شاعری

میری نشریات

اور

ہومیوپیتھی

○ نسب نامہ خرسوارں ----- (کچھ وضاحتیں) ۳۰۵

○ نسب نامہ متولیاں ----- (ایک سوال) ۳۰۹

○ اشاریہ اسماء ۳۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

زیرِ نظر کتاب نہ تو نسب ناموں پر تحقیق ہے نہ شجروں کی تکمیل و تفصیل بلکہ جیسا کہ میں نے آگے کہیں لکھا ہے کہ میں نے ماضی میں جا کر قبریں کھودنے کے بجائے حال میں رہ کر گھروں میں جھانکنے کی کوشش کی ہے۔ جس کا مقصد تقسیم ہند سے ٹوٹ جانے والے رشتوں کو اگر جوڑنا نہیں تو کم از کم بھولے ہوئے رشتوں کو یاد دلانا ضرور ہے۔ حقیقت ہے کہ کسی شئے کو اس کے حوالوں کے بغیر مجرد دیکھنا ممکن نہیں کسی بیان کو سیاق و سباق کے بغیر سمجھا نہیں جاسکتا۔ بغیر پس منظر کسی تصویر کا ادراک نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح افراد کا تعارف بغیر خاندان کے نہیں ہو سکتا جیسے اولاد والدین سے مشروط ہے اسی طرح افراد خاندان سے۔

کراچی کی فضا میں تقریباً نصف صدی گزارنے کے باوجود اب تک اس کی فضاؤں میں اجنبیت باقی ہے میں تو انہیں اپنائیت کے ساتھ پکارتا ہوں مگر جواب میں اپنی ہی بازگشت سنائی دیتی ہے بقول ضمیر بدایونی۔

آواز بازگشت کو سمجھے جو اب شوق
اس کشمکش میں ان کو پکارے چلے گئے

یہاں زندگی عجیب سی محسوس ہوتی ہے نہ کوئی اپنا محلہ نہ خاندانی مکان نہ کوئی

آباؤ اجداد کو جاننے والا اور نہ کوئی مستقل نائی نہ دھوبی نہ ویسے مہمان نہ میزبان نہ کوئی ہمیں چھوٹا بنا کے پکارنے والا نہ کوئی بڑا بن کے ملنے والا جو ملتا ہے "سر کہتا ہے یا ڈاکٹر صاحب یا جناب فائق صاحب" اس عزت واحترام کے اجنبی سے تخاطب کی فضا میں سانس گھٹنے لگی ہے۔ پوری فضا کو چھوڑیئے خود اپنے محلہ میں اجنبی، محلہ کیا پڑوس میں اجنبی بلکہ درودیوار بھی نامانوس

اک عمر بھر کے ربط و تعلق کے باوجود
اب تک نہ ہوسکے یہ درودیوار آشنا

یہ سب کچھ کسی کا قصور نہیں تاریخ کا المیہ ہے جب انقلاب آتا ہے تو اس کے بعد ایسا ہی ہوتا ہے۔ بقول عزم اکبر آبادی

اللہ انقلاب نے کیا چیز چھین لی
ایسے اُداس تو مرے شام و سحر نہ تھے

میرے والد صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ "فائق بدایوں اور کراچی میں یہ فرق ہے کہ اگر تم بدایوں میں ہوتے تو لوگ تمہیں میرا بیٹا سمجھ کر پہچانتے یہاں مجھے تمہارا باپ سمجھ کر جانتے ہیں" کوئی اندازہ کرسکتا ہے ان کے اس کرب کا۔ مجھے کسی حد تک اندازہ تھا اور اسی کی وجہ سے ہمیشہ یہ بات میرے ذہن میں رہی کہ کبھی فرصت ہوئی تو اپنے خاندان کے بکھرے ہوئے موتی ایک لڑی میں پرونے کی کوشش کروں گا۔

کراچی کی چند معروف شخصیات کو لیجیے۔ مولانا عبدالحامد بدایونی، ڈاکٹر افضال قادری، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر امیر حسن، چوہدری ابوالفضل صدیقی، کموڈور خالد جمیل، ڈاکٹر ایم ایچ جلیسی، بیرسٹر منظور حسین، دلاور فگار، ریاض فرشوری، محشر بدایونی، منور بدایونی، انور مقصود، ڈاکٹر سلیم حیدر، مسعود نقوی، الحاج شمیم الدین،

ڈاکٹر ایوب قادری، منظر ایوبی اور اخلاق اختر حمیدی۔ یہ سب وہ لوگ ہیں جو بدایوں سے ہجرت کر کے کراچی آئے اور کراچی میں موجود یا مدفون ہیں۔ ان میں کون ہے جسے اہل کراچی اب وجد اور خاندان کے حوالوں سے جانتے ہیں اور پھر اہل کراچی کو اس کی فرصت کہاں کہ وہ ان باتوں پر دھیان دیں وہ تو شب و روز کسب معاش میں مبتلا اپنی شناخت اور اولاد کی بقاء کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ سب زیب گلستان ہیں مگر گملے کے پودے جن کی جڑیں زمین میں پیوست نہیں ہیں یہ وہ نسل ہے جو انقلاب کی نذر ہو گئی اب وجد کا ورثہ سنبھال سکی نہ اولاد کے حوالے کر سکی۔ اس سماجی انقلاب نے تمام قدریں بدل دیں۔ میں اپنی پیشہ ورانہ نسبت سے کہوں گا کہ ابتداء میں ہم "فرمانبردار شاگرد رہے اور آخر میں فرمانبردار استاد" ہو گئے۔ اولاد کی حیثیت میں انتشار سے گزرے والد کی حیثیت میں حیرت سے! اور سوچ یہ کہ آگے کیا ہوگا میرا ایک بیٹا امریکہ چلا گیا دوسرا پر تول رہا ہے۔ بیٹیوں کی شادی خاندان سے باہر ہوئی ان میں کون ہے جسے کل مولوی محمد اصلح اور مولوی علی عباس کا نام یاد ہوگا۔ اسی تاثر میں چھوٹی سی کتاب مرتب کی ہے جس میں تیرہویں صدی ہجری کے وسط سے پندرہویں صدی ہجری کے اوائل تک اپنا اور ان خاندانوں کا حوالہ ہے جو باہم قرابتوں میں ایک دوسرے سے منسلک تھے ان باہم رشتوں کا یہ حال ہے کہ اوپر بیان کردہ کراچی کی معروف شخصیات میں اکثر ہم نسل صدیقی ہیں اور باقی کا بھی یہ حال ہے کہ وہ اعزاء میں نہیں تو اقارب میں ضرور ہیں۔ میں نے ان میں سے اکثر روابط کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے مگر اس کا حق ادا کرنا مجھ جیسے بے بضاعت آدمی کے بس کی بات نہیں یہ تو ڈاکٹر ایوب قادری مرحوم، ابرار علی صدیقی اور ضمیر بدایونی جیسی شخصیتوں کا کام تھا۔ یہاں اہل خرد کے لئے تنقید کا موضوع بنا کر ایک اور جملہ عرض کردوں وہ یہ کہ بدایوں کے انسانوں کی طرح بدایوں کے جنات بھی

اپنی قوم میں معروف، معزز اور مضبوط ہیں یہ اولیائے بدایوں کے "ثقلین" پر فیضان کا نتیجہ ہے۔

آخر میں ایک بات اور کہنی ہے وہ یہ کہ اس کتاب میں بعض واقعات ٹکڑے، فقرے اور افراد کے نام تکرار سے ملیں گے جو بے مقصد نہیں ہیں اس لئے کہ مجھے معلوم ہے اگر اس کتاب کو کچھ قارئین میسر بھی آگئے تو ان میں اکثر ایسے ہوں گے جو پوری کتاب نہیں پڑھیں گے بلکہ اپنی پسند یا ضرورت کے حصہ پڑھنے پر اکتفا کریں گے چنانچہ ان کے لئے بعض باتیں بعض جگہ دوہرائی گئی ہیں۔ یہاں بدایوں سے متعلق ایک اور وضاحت ضروری ہے۔

وہ یہ کہ اہل بدایوں میں دینی، تمدنی یا زبان کا اور صوبہ کا کوئی تعصب نہیں ملتا مگر ضلع کا تعصب ملتا ہے اور تعصب بھی پاکستان والا نہیں ابن خلدون والا یعنی دوسروں کو برا سمجھنے کے بجائے خود کو بھلا سمجھنا۔ اسی کی ایک مثال "حب بدایوں" ہے۔ بدایوں کے لئے عہد قدیم سے مدینتہ الاولیا کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ علی گڑھ یونیورسٹی نے اسے "خطہ یونان در ملک ہندوستان" بنادیا مگر بعض تحریروں میں اسی نسبت سے ایک بڑی غلطی ہوئی ہے جیسے تذکرہ شعرائے بدایوں کے مقدمہ میں تحریر کردہ ایک حوالہ جاتی اقتباس میں جلد اول صفحہ نمبر۷ اپر جناب ظفر حسن بدایونی نے اس مدینتہ الاولیاء کو "مدینتہ العلم" لکھا ہے۔ میں اسے لاعلمی تو نہیں کہوں گا سہو میں "خلط تراکیب" ہوگیا ہے ورنہ کس کی مجال ہے کہ سرکار دو عالمؐ کے اس ارشاد کے بعد کہ "میں مدینتہ العلم ہوں" کسی دوسری شخصیت ادارے یا مقام کو "مدینتہ العلم" کہہ سکے میں نے یہ غلطی مجلہ بدایوں کی ایک تحریر میں بھی دیکھی تھی۔ یہ حب وطن میں حد سے تجاوز کرنا اچھی بات نہیں ہے میں بھی بدایوں کی نسبت پر فخر کرتا ہوں مگر حد سے نہیں گزرتا ویسے یہ حقیقت ہے کہ بدایوں وہ چھوٹا سا شہر ہے

جس نے بڑے بڑے لوگ پیدا کئے ہیں۔

اس خاک سے اٹھے ہیں وہ غواص معانی
جن کے لئے ہر بحر پر آشوب ہے پایاب

بالکل آخر میں قارئین سے ایک گزارش کرنی ہے وہ یہ کہ اس کتاب میں بہت سی باتیں میں نے حافظے کی دھندلائی ہوئی جھلکیوں کے سہارے لکھی ہیں۔ بعض باتوں کے لئے میرے پاس کوئی سند نہیں، ہو سکتا ہے کہیں غلط تصورات یا قصر حافظہ کے سبب یا میری کم مائیگی کی وجہ سے غلط بیانی ہوئی ہو تو صاحبان علم سے گزارش ہے کہ تصحیح کے لئے نشاندہی ضرور فرمادیں۔ (شکریہ)

پروفیسر محمد فائق بدایونی

سواد رفتہ میں اپنا گزر جدھر سے ہوا
ہمیں تو راہ میں جلتے ہوئے چراغ ملے

(فائق بدایونی)

پہلا باب

بدایوں میں میرے اسلاف اور قرابتیں

خاندان کے بزرگوں سے سنی ہوئی روایتوں کے مطابق ہم صدیقی ہیں اور ہمارا سلسلہ حضرت ابوبکرؓ صدیق کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن کی معرفت ان سے ملتا ہے روایت یہ بھی سنی ہے کہ ان کی اولاد میں ایک بزرگ شیخ متن تھے جو بدایوں میں آباد ہوئے وہ جب بدایوں آئے تو ایک خچر پر سوار تھے اس لئے لوگوں نے انہیں "خرسوار" کہنا شروع کردیا اور بعد میں ان کی پوری نسل خرسوار کہلائی ان تمام روایات کی تائید میں کوئی تحریر ہمارے پاس نہیں تھی اور نہ ہی پچھلی نصف صدی میں کسی نے کوئی نسب نامہ یا خاندانی روایات کی تائید میں کوئی تحریر حاصل کرنے کی کوشش کی انجام یہ ہوا کہ میرے دادا کی اولاد از روئے روایت صدیقی رہ گئی۔ مجھے اس بات پر اکثر تشویش رہتی تھی کہ ہم کہیں صدیق اکبرؓ پر اتہام تو نہیں بن رہے ہیں۔ ہجرت کے بعد اجنبیت کے ماحول میں یہ احساس اور شدید ہوگیا۔ بالاخر حضرت منور بدایونی کی معرفت میں ایک ایسی تحریر حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا جس میں ان کے جد امجد عبداللہ مکی کی تدفین کے ضمن میں شیخ متن کا تذکرہ موجود ہے اور بدایوں میں ان کے توطن اختیار کرنے کی تفصیل ہے ذیل میں اس تحریر کا ایک اقتباس درج ہے۔

"حضرت عبداللہ مکی مکہ سے ہندوستان تشریف لائے اول لاہور میں قیام کیا۔

نجیب اللہ پسر کو وہاں چھوڑ کر ۱۱۴۰ھ میں بدایوں تشریف لائے قبر احمد خیاط پر ہے قبل انتقال حضرت نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے جنازہ کی نماز وہ شخص پڑھاوے جس کی سنتیں عصر نہ قضاء ہوئی ہوں۔ تھوڑی دیر انتظار کرنا شاید کوئی بھائی میرا اس صفت کا آجاوے جس وقت انتقال ہوا اور جنازہ تیار ہو کر گورستان پہنچا بالیں حضرت احمد خیاط رکھا گیا اور بموجب وصیت انتظار کیا۔ ایک شخص خر سوار نہایت نورانی شکل جانب شمال سے نمودار ہوئے اور سلام علیکم کہہ کر شریک ہوئے اور اول ہی مرتبہ حافظ محمد یعقوب کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا "برخوردار در نماز و دفن شیخ چہ انتظار است؟" حافظ صاحب نے سب حال عرض کیا۔ نعرہ مار کر فرمایا "برائے ایں کار بندہ شرمسار آمدہ است" پھر نماز پڑھائی اور ہمراہ لوگوں کے شہر میں آئے اور توطن اختیار کیا۔ نام شیخ متن تھا بالفصل ان کی اولاد میں تین خاندان ہیں۔

۱۔ ایک حافظ محمد مکمل شہید جس میں

مولوی محمد رضا ان کے مولوی ریحان رضا ان کے مولوی عثمان رضا ہیں اور

حافظ آل حسن جن کے مولوی ضیاء الحسن ہوئے اولاد دختری زوجہ قاضی عین الاسلام

مولوی فرزند حسن جن کے اظہار حسن اور اسرار حسن ہیں اور

مولوی محمد صالح جن کے مولوی محمد اصلح جن کے حبیب اصغر۔ ریاض باقر۔ علی عباس۔ محمد یونس اور سید احمد ہیں اور

مولوی محمد اکمل کے حافظ عبدالستار اور محمد سعید ہوئے

۲۔ دوسرا خاندان اولاد نعیم اللہ اور سلیم اللہ ہے جس میں

شیخ غلام جیلانی جن کے حاجی عبدالقیوم ہیں اور

منشی سخاوت حسین جن کے حافظ انشاء اللہ اور التفات حسین ہیں اور

منشی فصاحت حسین جن کے منشی نوازش حسین منشی رضا حسین مقدس حسین و

تصدق حسین ہیں۔

۳۔ تیسرا خاندان قاضی عبدالرشید کی اولاد ہے۔"

مندرجہ بالا اقتباس "کلمتہ باقیہ" یعنی نسب نامہ شیوخ عبدالرحمانی متولیان بدایوں مرتبہ شیخ کبیرالدین ولد شیخ وزیرالدین بدایونی سے منقول ہے۔ اس نسب نامہ پر نظرثانی جناب مجتہد الدین عیش بدایونی اور حاجی عبدالجامع جامی بدایونی نے کی ہے جو ۱۳۵۵ھ میں امیرالاقبال پریس بدایوں میں طبع ہوا۔ اس تحریر سے شیخ متن کا بدایوں میں متوطن ہونا اور خاندان خرسواران کا تقریباً" ساڑھے سات سو سال سے بدایوں میں موجود ہونا تو ثابت ہے مگر اس میں شیخ متن کی اولاد اور ان کے اجداد کا کوئی واضح اور مسلسل حوالہ نہیں ملتا۔ ان حوالہ جات کی تلاش میں مدتوں سرگرداں رہا بالاخر اپنے رشتہ کے ایک چچا محترم عثمان مرتضیٰ (عتیق) کے پاس ایک خزانہ دریافت ہوا یہ خزانہ دراصل ایک قلمی نسخہ کا عکس ہے یہ قلمی نسخہ المسمی بہ "جامع انساب شرفائے نجیب الطرفین بدایوں" ہے جو بخط جامعہ عبداللہ مرتبہ غلام شبیرؒ ابن مولوی غلام حیدر صدیقی حمیدی مورخہ ۱۳۳۷ھ ہے۔ اس میں نسب نامہ' شیوخ صدیقی عبدالرحمانی کے ابتدائیہ میں مولف رقم طراز ہے کہ "بدایوں میں جو شیوخ عبدالرحمانی ہیں ان کے چند خاندان ہیں ایک متولی دوسرا خرسوار تیسرا نجیبی چوتھا قاضی یہ سب حضرات ایک ہی سلسلہ میں منتسب ہیں"۔ ان سب خاندانوں میں دوسرا خاندان میری "ددھیال" اور چوتھا میری "ننہیال" ہے۔ ان دونوں خاندانوں کے مکمل شجرے اس قلمی نسخہ میں موجود ہیں جن کی عکسی نقل میں نے حاصل کرلی ہے۔

اس قلمی نسخہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے لے کر میرے دادا مولوی محمد اصلح تک کے نام سلسلہ وار بیان کئے گئے ہیں اور اس امر کی بھی نشاندہی کی گئی ہے کہ میرے دادا مرحوم کی دو شادیاں ہوئی تھیں۔ پہلی بیوی دختر حافظ آل حسن تھیں جن

سے ایک بیٹی تھی جس کی شادی متقوی الاسلام عباسی سے ہوئی تھی دوسری بیوی یعنی میری حقیقی دادی دختر نذر حسین تھیں جن کے بطن سے پانچ بیٹے اور چھ بیٹیاں پیدا ہوئیں ان کے نام شجرے میں درج نہیں ہیں مگر خطوط کے ذریعے تعداد ظاہر کردی گئی ہے۔ چھ خطوط کے ساتھ "بنت" اور پانچ کے ساتھ "ابن" لکھا ہے نیز یہ کہ بڑی بیٹی کی زوجیت مولوی محمد عثمان رضا ظاہر کردی گئی ہے اور بڑے بیٹے کی شادی کی نشاندہی کی گئی ہے کہ ان کی زوجہ دختر حافظ مظہر حسین صدیقی تھیں یعنی میرے دادا کی اولاد میں میرے تایا اور تائی ------ اور بڑی پھپھی اور بڑے پھپا تک کے اندراجات ہیں۔ والد محترم اور ان کے دوسرے بہن بھائیوں کی تعداد خطوط سے ظاہر کردہ ہے ننھیال والے شجرے میں اخلاف قاضی محمد جلیس کا بیان ہے۔ اس میں میرے نانا قاضی غلام سبطین کے دو بڑے بیٹوں قاضی محمد حسین اور قاضی سید حسنین تک کے نام ہیں والدہ' دو ماموں اور ایک خالہ کے ناموں کا اندراج نہیں ہے۔

نسب نامہ خرسواران کے بارے میں مصنف نے تحریر کیا ہے کہ "خرسواروں میں میرے شفیق حافظ عبدالستار صاحب نے ایک نسب نامہ اپنا مرتب کیا ہوا کچھ پرچہ کہنہ لکھے ہوئے دکھائے جن کی نقل کی جاتی ہے۔" یہ نقل حسب ذیل ہے۔

امیرالمومنین ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱) ان کے بیٹے عبدالرحمٰن (۲) ان کے بیٹے عبداللہ (۳) ان کے بیٹے عبیداللہ (۴) ان کے بیٹے صفی اللہ (۵) ان کے بیٹے عبدالرحمٰن (۶) ثانی (یہ حضرت عبداللہ مکی کے والد بزرگوار تھے) ان کے بیٹے عبداللہ قریشی مکی (۷) ان کے بیٹے شیخ احمد عرف شیخ یعقوب (۸) ان کے بیٹے شیخ محمد (۹) ان کے بیٹے شیخ برہان (۱۰) ان کے بیٹے شیخ شمس الدین عرف بہاء الدین (۱۱) ان کے بیٹے شیخ شہاب الدین (۱۲) ان کے بیٹے محمد یوسف (۱۳) ان کے بیٹے شیخ رفیع الدین (۱۴) ان کے بیٹے مولانا حسام الدین (۱۵) ان کے بیٹے شیخ

متاخرسوار (۱۶) ان کے بیٹے شیخ محمد (۱۷) ان کے بیٹے شیخ حبیب اللہ (۱۸) ان کے بیٹے شیخ عبدالحمید (۱۹) ان کے بیٹے محمد شریف (۲۰) ان کے بیٹے عبداللطیف (۲۱) ان کے بیٹے محمد حنیف (۲۲) ان کے بیٹے محمد واصل (۲۳) ان کے بیٹے محمد مکمل (۲۴) ان کے بیٹے مولوی محسن علی (۲۵) ان کے بیٹے محمد صالح (۲۶) ان کے بیٹے محمد اصلح (۲۷) (ان کے بیٹے مولوی محمد علی عباس (۲۸) ان کے بیٹے محمد فائق (۲۹) ان کے تین بیٹے محمد اویس، (۳۰) محمد بلال، (۳۰) محمد زید (۳۰))

مندرجہ بالا شجرے میں مولانا حسام الدین نمبر ۱۵ کے لئے جو شیخ متن "متاخرسوار" کے والد تھے مولف نے حاشیہ میں تحریر کیا ہے کہ "از جانب خلیفہ مستنصرباللہ مدرس مدرسہ ہرات بوند" اور ان کے بیٹے شیخ متاخرسوار کے لئے حاشیہ میں تحریر ہے کہ "از ہرات دربدایوں تشریف آوردند در ۶۲۰ھ مع برادر خورد۔

مندرجہ بالا تحریر سے درج ذیل کی تصدیق ہوتی ہے۔

۱۔ خرسواران بدایوں حضرت ابوبکرؓ صدیق کی اولاد ہیں۔

۲۔ خاندان خرسواران بدایوں میں ۶۲۰ء سے آباد ہے۔

۳۔ بدایوں میں متوطن ہونے والے اس خاندان کے بزرگ شیخ متن متاخرسوار تھے۔

۴۔ یہ خاندان بدایوں میں ہرات سے آکر آباد ہوا۔

۵۔ شیخ متن متاخرسوار کے والد مولانا حسام الدین مدرسہ ہرات میں مدرس تھے۔ جنہیں خلیفہ مستنصرباللہ نے مقرر کیا تھا۔

۶۔ اس خاندان میں اس وقت ابوبکر صدیقؓ کی تیسویں پشت چل رہی ہے۔ یعنی شیخ متن متاخرسوار حضرت ابوبکرؓ کے سولہویں پوتے تھے۔ حافظ متن کی ساتویں پشت میں ایک بزرگ محمد واصل تھے ان کے دو بیٹے محمد مکمل شہید اور دوسرے محمد کامل تھے محمد مکمل شہید کے چار بیٹے ایک غلام محی الدین دوسرے محمد اکمل تیسرے مولوی

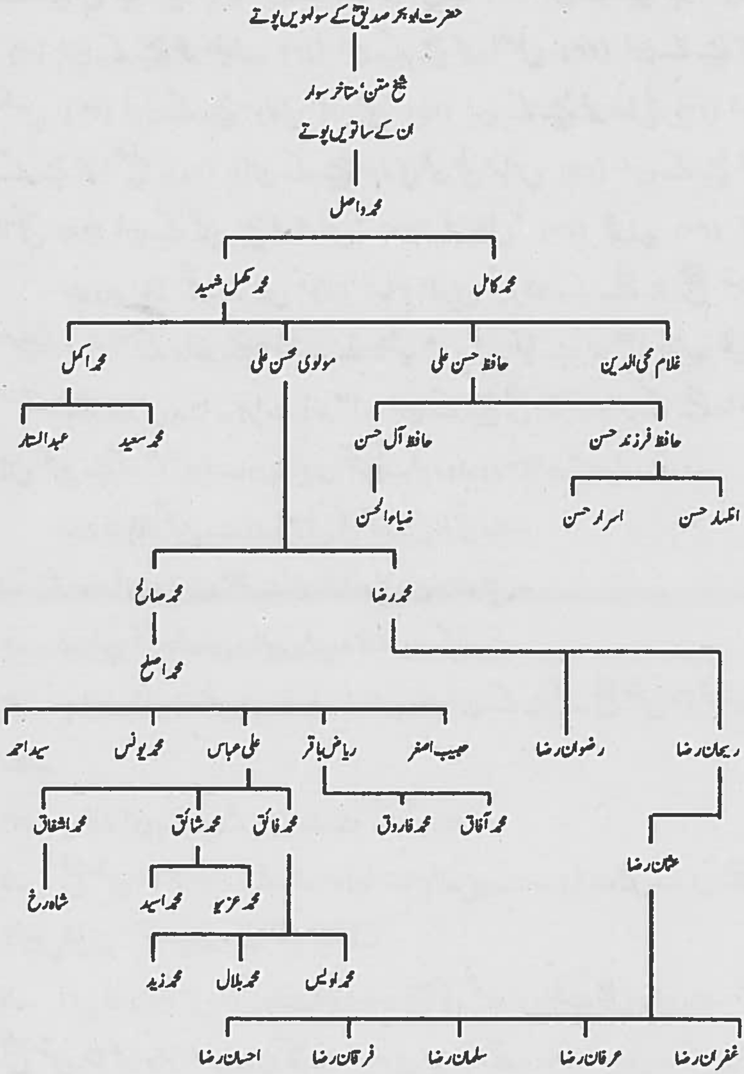
حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سولھویں پوتے
شیخ متین، متاخر سولر
ان کے ساتویں پوتے
محمد واصل
محمد کامل
محمد کمل شہید
غلام محی الدین
حافظ حسن علی
مولوی محسن علی
محمد اکمل
حافظ فرزند حسن
حافظ آل حسن
محمد سعید
عبدالستار
اظہار حسن
اسرار حسن
ضیاءالحسن
محمد رضا
محمد صالح
محمد اصلح
ریحان رضا
رضوان رضا
حبیب اصغر
ریاض باقر
علی عباس
محمد یونس
سید احمد
محمد آفاق
محمد فاروق
محمد فائق
محمد شائق
محمد اشفاق
عثمان رضا
محمد عزیو
محمد اسید
شاہ رخ
محمد اویس
محمد بلال
محمد زید
غفران رضا
عرفان رضا
سلمان رضا
فرقان رضا
احسان رضا

محسن علی اور چوتھے حافظ حسن علی تھے۔ محمد اکمل کے دو بیٹے ہوئے ایک محمد سعید دوسرے عبدالستار اور محسن علی کے دو بیٹے ہوئے محمد رضا اور محمد صالح اور حافظ حسن علی کے دو بیٹے حافظ فرزند حسن اور حافظ آل حسن اور ان کے ضیاء الحسن مولوی محمد رضا کے رضوان رضا اور ریحان رضا اور ریحان رضا کے مولوی عثمان رضا۔ مولوی محمد صالح کے ایک بیٹے مولوی محمد اصلح ان کے پانچ بیٹے اور چھ بیٹیاں ہوئیں۔ حبیب اصغر' ریاض باقر علی عباس محمد یونس اور سید احمد بیٹیاں تھیں بلقیس فاطمہ برجیس فاطمہ محبوب فاطمہ رؤفہ غفورہ اور حلیمہ پھر علی عباس کے تین بیٹے محمد فائق محمد شائق محمد اشفاق آگے محمد فائق کے محمد اویس محمد بلال محمد زید دوسرے بیٹے محمد شائق کے محمد عزیر اور محمد اسید چھوٹے بیٹے محمد اشفاق کے شاہ رخ۔ آخر کے چھ نام یعنی محمد اویس' محمد بلال' محمد زید' محمد عزیر' محمد اسید اور شاہ رخ ابوبکر صدیقؓ کی تیسویں پشت میں سے ہیں یعنی شیخ متن خرسوار ابوبکرؓ کے سولہویں پوتے محمد واصل شیخ متن کے ساتویں پوتے اور محمد اویس محمد واصل کے ساتویں پوتے اس طرح ۷+۷+۱۶=۳۰۔

ہمارے جد امجد شیخ متن یا شیخ متا خرسوار کا بدایوں میں متوطن ہونا ایک تاریخی واقعہ ہے جس کا حوالہ کلمتہ باقیہ کے ایک اقتباس کے طور پر اوپر دیا جا چکا ہے۔ اس اقتباس میں نام "شیخ متن" لکھا ہے لیکن بعض تحریروں میں یہ نام شیخ متا ہے اور بعض بزرگوں سے بھی نام "شیخ متا" خرسوار سنا ہے۔ "جامع انساب شرفائے نجیب الطرفین بدایوں" میں شیخ متن کی عرفیت "متا خرسوار" تحریر ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ نام "متن" تھا جس سے "متا" ہوا یا اصل نام "متا" تھا جس سے "متن" ہوا۔ بہرحال جو بھی صورت حال ہو یہ دونوں نام یا ایک نام اور ایک عرفیت پوری تیس نسلوں کے ناموں سے بالکل منفرد اور بے معنی ہیں۔ البتہ خرسواری تمام روایات اور تحریروں میں مشترک ہے اسی لئے شجرے کو "شجرہ خرسواران" اور

خاندان کو "خاندان خرسواران" تحریر کیا گیا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ حسب روایت عرفیت "متا" تھی نام کچھ اور تھا اور ملا عبدالقادر نے اہل بدایوں اور شرفائے بدایوں کو جو سلام لکھا ہے اس میں ضرورت قافیہ کے طور پر اسے "متا" سے متن کردیا گیا ہے اور "آل متن راسلام" نظم کیا ہے جس کی وجہ سے نام شیخ متن مشہور ہوگیا ورنہ اصل "متا خرسوار" ہی ہے۔

تادم تحریر ہذا میں ان بزرگ کا نام "متن" ہونے سے مطمئن نہ تھا کہ میرے تجسس نے ایک نئی راہ اختیار کی اور مجھے محترم محمد یونس بخش کی معرفت ایک کتاب بنام تذکرۃ العارفین مرتبہ ضیا علی خان اشرفی پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ کتاب جیسا کہ اس کے سرورق پر تحریر ہے "مدینتہ الاولیا بدایوں شریف کی چند بزرگ ہستیوں کے حالات" پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۳۱۵ پر تحریر ہے کہ "ملا عبداللہ مکی قریشی مکہ سے آئے تھے اور امیرالمومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ساتویں پشت میں تھے والد ماجد کا اسم گرامی شیخ عبدالرحمٰن اور دادا کا نام شیخ صفی اللہ تھا۔ ۶۰۴ھ میں مکہ معظمہ سے ہندوستان تشریف لائے اور لاہور میں اقامت گزیں ہوئے۔ لاہور سے چل کر دہلی آئے اور ۶۱۰ھ میں بدایوں آکر قلعہ سے جانب جنوب بہ گوشہ غرب سکونت اختیار کی۔ صفحہ نمبر ۳۱۶ پر لکھتے ہیں کہ مرتے وقت وصیت کی تھی میرے جنازہ کی نماز وہ شخص پڑھائے جس کی عصر کی سنتیں کبھی قضا نہ ہوئی ہوں اور اس وصیت کو شیخ "مطا" نے لاہور سے آکر پورا کیا تھا۔" آگے شیخ "مطا" کے سلسلے میں رقم طراز ہیں کہ "مطیع اللہ نام ہے اور "مطا" عرفیت۔ شہر شرواں میں پیدا ہوئے تھے تجارت پیشہ تھے اور خچر پر سواری کرتے تھے اسی لئے شیخ مطا خرسوار مشہور ہوئے۔ سید اعزالدین مکی لاہوری کے مرید ہوکر خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔ مسلک سہروردیہ تھا۔ عرب و عجم میں کافی سیاحی کی تھی۔ ۵۷۴ھ میں حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے تھے وہاں سے پیرو مرشد کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے اور ملا عبداللہ مکی کی نماز

جنازہ پڑھا کر ان کی وصیت پوری کی۔ عارف حق تھے۔ عصر کی سنتیں کبھی قضا نہ ہوئی تھیں۔ ۱۷ شعبان ۹۴۴ھ کو وصال ہوا۔" اس اقتباس کے اعتبار سے لفظ "متن" کے ہندی یا مقامی ہونے کی تشویش اس لئے ختم ہو جاتی ہے کہ اسکا ع کلمہ ت نہیں ط ہے اور ملا عبدالقادر نے ضرورت قافیہ کے تحت اسے بروزن گلشن نظم کیا ہے اور مجھے یہ بھی تحقیق کے ساتھ نہیں معلوم کہ ملا نے متن "ت" سے لکھا ہے یا "ط" سے ورنہ عرفیت مطا ہے جو مطیع سے ماخوذ ہے اور میں نے اہل بدایوں کے اس مزاج کی آگے وضاحت کی ہے کہ وہ اصل نام سے مشتق ایک چھوٹا نام کس طرح بنا کر اسے عرفیت کا درجہ دیتے ہیں۔ اس طریق تسمیہ پر "مطا" عرفیت صادق آتی ہے جس پر مقامی اثر یہ ہوا ہے کہ سننے والوں نے "ط" کے بجائے ت سے متا لکھنا شروع کر دیا جس کی بنیاد پر "متا خر" سوار کا گمان ہوتا ہے مگر اصل بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ تجارت پیشہ ہونے کے سبب خچر ہی ان کی سواری تھی اور اسی کی بدولت ان کی اولاد "خرسوار" کہلائی ویسے ہمارے اہل خاندان خود کو "خرسوار" کہنے میں بالکل شرماتے نہیں تھے۔ بلکہ فخریہ انداز میں خود کو اس طرح "خرسوار" کہتے تھے جیسے فی زمانہ لوگ خود کو "کار سوار" کہہ کر خوش ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ شیخ مطیع اللہ عرف مطا خر سوار کے زمانہ تک خر عیسیٰ کی عظمت کا کچھ سلسلہ چلتا رہا ہو بہرحال نام اور کوائف کی تصدیق ضیا علی خان اشرفی کی ایک اور تصنیف سے بھی ہوتی ہے حالانکہ تاریخ کی کسی کتاب کو تصنیف نہیں کہا جا سکتا اسے تالیف کہنا درست ہے۔ مگر اشرفی صاحب نے جس محنت شاقہ کے ساتھ یہ کتاب تالیف کی ہے اور اس میں تاریخ وار تبویب سے مردان خدا کے جو حالات قلمبند کئے ہیں اس تشکیل جدید کا یہ تقاضہ ہے کہ اسے تصنیف ہی کہا جائے اور اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ اس تصنیف میں مردان خدا کے تذکرے ہیں اسی لئے کتاب کا نام بھی مردان خدا ہے۔ مجھے اس کتاب کی ۱۹۹۰ء کی اشاعت دیکھنے کا اتفاق ہوا اس

میں بدایوں کے اولیائے کرام کے تذکرے ہیں اور بے حد مفید معلومات فراہم کی گئی ہیں اس کی پہلی مجلس میں ۴۰۹ھ سے ۵۹۹ھ کے بزرگان دین کے تذکرے ہیں ان کی تعداد ازروئے فہرست ۶۷ ہے چار ناموں کے ساتھ شہید نہیں لکھا ہے باقی تمام شہدا ہیں بعض جگہ ایک ہی سلسلہ نمبر کے ساتھ دو شہدا کا بھی ذکر ہے ایک جگہ چالیس شہدا کے مشترکہ مزار کا تذکرہ ہے کسی نے صحیح کہا ہے۔

ظالم تری گلی بھی بدایوں سے کم نہیں
جس کے قدم قدم پہ مزار شہید ہے

دوسری مجلس میں ان مردان خدا کا ذکر ہے جن کا وصال حضرت محبوب الٰہی کی ولادت سے قبل ہوا ہے یعنی ۵۹۹ھ سے ۶۳۱ھ تک اس مجلس میں ۲۴ اولیائے کرام کا تذکرہ ہے۔ تیسری مجلس بدایوں کے ان مشاہیر مردان خدا کے ذکر پر مشتمل ہے جنہوں نے حضرت محبوب الٰہی کے دور حیات میں وصال فرمایا یعنی ۶۳۲ھ سے ۷۲۵ھ تک اس مجلس میں ۴۲ اولیائے کرام کا ذکر ہے چوتھی مجلس میں ۷۲۶ھ سے ۱۴۰۷ھ تک کے بدایوں کے اولیائے کرام کے تذکرے ہیں ان کی تعداد (۱۸۰) ایک سو اسی ہے یعنی کل ۳۱۳ اولیا اور شہدا کا ذکر ہے جس میں تقریباً" پونے دو سو اولیاء کے کوائف مولد مسکن اور مدفن کا تذکرہ ہے۔ اس کتاب کی تیسری مجلس میں فہرست مشتملات کے حوالے سے نمبر ۵ اور صفحہ کے حوالے سے نمبر ۱۸۷ پر میرے جد امجد کا ذکر ہے جن کے اسم گرامی کے ضمن میں پہلے تذکرہ آچکا ہے ان کے لئے مصنف نے جو عنوان مثل دیگراں قائم کیا ہے وہ ہے۔

"ذکر شریف حضرت شیخ مطیع اللہ شروانی رحمت اللہ علیہ" اس عنوان کے تحت مصنف رقم طراز ہے کہ

"مطیع اللہ نام تھا اور "مطا" عرفیت شہر شرواں میں پیدا ہوئے تھے۔ تجارت پیشہ تھے اور خچر پر سواری کرتے تھے اس لئے شیخ مطا خرسوار" مشہور تھے۔ سید اعز

الدین مکی لاہوری کے مرید تھے۔ سہروردی سلسلہ تھا۔ عرب و عجم میں کافی سیاحی کی تھی۔ ۵۷۴ھ میں حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے وہیں سے پیر و مرشد کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے اور لاہور میں اقامت گزیں ہوئے۔ پیر و مرشد کے وصال کے بعد بسلسلہ تجارت بدایوں تشریف لائے اور ملا عبداللہ مکی کے جنازے کی نماز پڑھا کر ان کی وصیت پوری کی۔

صاحب زہد و اتقا عارف حق تھے نماز عصر کی سنتیں کبھی قضا نہیں ہوئیں۔ ۱۰ شعبان ۶۳۴ھ کو وصال ہوا۔

آپ کا نسلی سلسلہ بدایوں میں اب تک قائم ہے حاجی عاشق حسین صاحب اور قاضی الیاس رشید صاحب اس خاندان کے ممتاز افراد ہیں۔

مزار شریف بیرون شہر حضرت شیخ احمد خیاط صاحب کی درگاہ کے اندر جانب جنوب بگوشہ غرب من جملہ دو پختہ قبور ایک آپ کا مرقد مطہر ہے اور دوسرا عبداللہ مکی صاحب کا۔"

جائے وقوع مزار کی تصدیق ایک اور حوالے سے بھی ہوتی ہے۔ صفحہ نمبر ۲۳۵ پر شیخ احمد خیاطؒ کے مزار سے متعلق لکھتے ہیں کہ "مزار شریف بیرون شہر جانب غرب ایک بلند اور پختہ چبوترے پر حریم کے اندر واقع ہے اسی حریم کے اندر جانب جنوب بگوشہ غرب حضرت ملا عبداللہ مکی اور حضرت شیخ مطیع اللہ شروانی رحمتہ اللہ علیہما کے مزارات ہیں اس کے علاوہ صفحہ نمبر ۲۷۴ پر حضرت عبداللہ مکی کے ذکر شریف میں مصنف نے تحریر کیا ہے کہ "مرتے وقت (حضرت عبداللہ مکی نے) وصیت کی تھی "میرے جنازہ کی نماز وہ شخص پڑھائے جس کی عصر کی سنتیں کبھی قضاء نہ ہوئی ہوں۔" اس وصیت کو شیخ مطیع اللہ شروانی نے لاہور سے آکر پورا کیا تھا۔

میں نے یہ حوالے تکرار کے ساتھ اس لئے نقل کئے ہیں کہ از روئے تاریخ

امیر المؤمنین ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ

عبدالرحمٰن ــ عبداللہ ــ عبیداللہ ــ صفی اللہ ــ عبدالرحمٰن ــ عبداللہ قریشی مکی ــ شیخ احمد عرف شیخ یعقوب ــ شیخ محمد ــ شیخ بربان ــ شیخ شمس الدین (عرف بہاؤ الدین)

شیخ شہاب الدین ــ شیخ محمد یوسف ــ شیخ رفیع الدین ــ مولانا حسام الدین ــ شیخ مطیع اللہ (عرف مطاع سوار) ــ شیخ محمد ــ شیخ حبیب اللہ ــ شیخ عبدالحمید

شیخ عبدالحمید کی اولاد:

- محمد کبیر ــ محمد منیر ــ محمد امیر ــ عبدالقدیر ــ قاضی عبدالرشید
- حسام الدین
- نظام الدین
- محمد شریف
  - عبداللطیف ــ محمد حنیف ــ محمد واصل
    - محمد مکمل شہید
      - زوجہ اول عباسی خاندان (لاولد)
      - زوجہ ثانی عثمانی خاندان (چار بیٹے)
    - محمد کامل
  - عبدالرحیم ــ عبدالکریم ــ سلیم اللہ ــ محی الدین
- معین الدین
- جان محمد

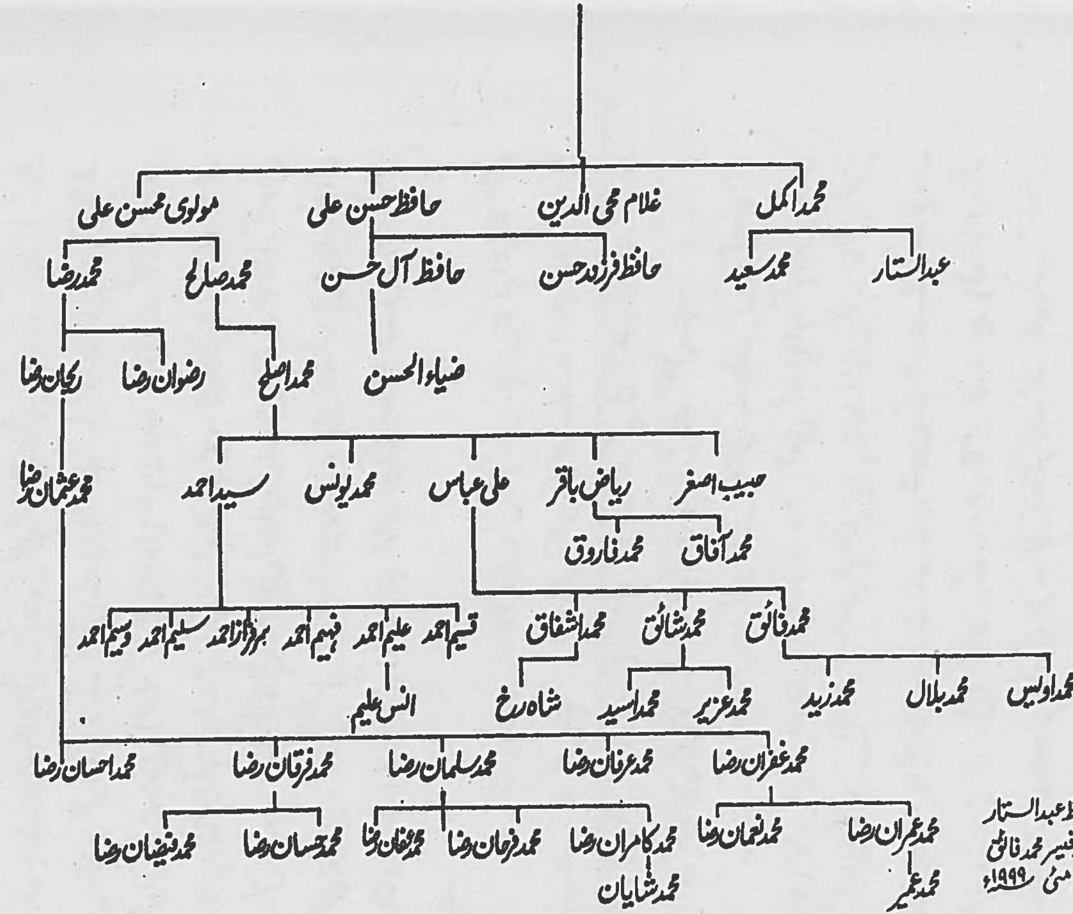

ترتیب : حافظ عبدالستار
تکمیل : پروفیسر محمد فائق
تاریخ : ۵، مئی ۱۹۹۹ء

کسی واقعہ کا بالتکرار ملنا اس کی صحت کی دلیل ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ ان حوالہ جات کے بعد "متن اور ملنا" کا گنجلک ختم ہو کر بات صاف ہو جاتی ہے۔ اور ان حوالہ جات سے ان خاندانی روایات کی بھی تصدیق ہوتی ہے جو سینہ بہ سینہ چلی آرہی ہیں۔ نیز یہ بھی دور آخر کے تسلسل سے پتہ چلتا ہے کہ فی الوقت کراچی میں مطیع اللہ شروانی کی چودہویں (۱۴) نسل میں مولوی سلمان رضا، مولوی محمد آفاق، مولوی فرقان رضا، راقم الحروف محمد فائق اور محمد فاروق ہیں۔ نیز دوبئی میں کراچی کے محمد شائق اور جدہ میں محمد اشفاق موجود ہیں اور ان کی اولادیں حضرت ابوبکرؓ کی تیسویں نسل میں ہیں۔ تیسویں نسل میں ہی غفران رضا کے عمران رضا کراچی میں اور نعمان رضا ہندوستان میں ہیں اور ماشاء اللہ عمران رضا کی اولاد اکتیسویں (۳۱) نسل ہے۔

یہاں ایک بات اور کچھ قابل بیان سی نظر آرہی ہے ہرچند کہ اس کا تعلق نسب نامہ سے نہیں ہے مگر بدایوں میں توطن کے حوالے سے اور بدایوں کی شہری فضاء میں ہمارے خاندان کے مقام اور حیثیت کے تعین کی نسبت سے ضرور اہم ہے اور وہ شہر بدایوں میں ہمارے مکانات کی جائے وقوع سے متعلق ہے۔

بدایوں ایک چھوٹا شہر ہے شاید تشکیل پاکستان کے وقت اس کی آبادی اسی (۸۰) ہزار تھی پھر مضافات کو چھوڑ کر خالص شہری آبادی اور کم پھر اس میں مسلمانوں کا تناسب! مگر شہر پر "مسلم کلچر" کی چھاپ بہت نمایاں تھی۔ خالص شہری علاقہ بلندی پر واقع تھا جیسے پرانے زمانہ کے بادشاہوں کے قلعہ ہوتے تھے۔ چاروں طرف سے چڑھتی ہوئی ڈھلوانوں کے درمیان قاضی ٹولہ۔ سید باڑہ عباسی محلہ مولوی ٹولہ۔ بجھیوں۔ چکر کی سڑک محلہ کمنگران۔ محلہ سوتھہ سب مسلمانوں کے محلے جن میں مسلمانوں کی آبادی کم وبیش سو فیصد۔

ایک طرف مشرق شہباز پور سے چڑھتی ہوئی ڈھلوان جسے ہم اپنی مقامی زبان

میں "ررک" کہتے تھے جس کی شہری سطح پر پہنچ کر مولوی نادعلی کا مکان اور آگے قاضی محلہ ------ ایک شمال مشرق سے چڑھتی ہوئی ڈھلوان جی ٹی روڈ پر ساہوکارے کی جانب جس کی شہری سطح پر مولوی نبی رضا کا مکان۔ اگلی چڑھائی شمال کی جانب کوٹ تلے سے جس کی شہری سطح پر ممتاز الشعرا حاجی عطا محمد کا مکان اور میرانجی صاحب کی زیارت اس کے آگے چکر کی سڑک پر ڈپٹی فصیح الدین کی کوٹھی کے قریب سرخ شہید کے مزار کے برابر مغرب کی سمت سے ایک چڑھائی اس سے آگے جہاں چکر کی سڑک ختم ہوتی ہے۔ سوتھہ ندی یعنی جنوب کی سمت سے بلکہ جنوب مغرب سے ایک اور چڑھائی اس سے ذرا آگے جالندھری سرائے جنوب کی جانب سے آنے والی چڑھائی جو علی جان کی کوٹھی سے ہوتی ہوئی نظامی پریس اور محلہ سوتھہ کی جانب آتی ہے۔ جس کی شہری سطح پر مولوی یونس علی صاحب کا مکان اس کے بعد جی ٹی روڈ پر جنوب کی سمت سے چڑھتی ہوئی ایک ڈھلوان قصائی خانہ سے ہوتی ہوئی سوتھہ کی جانب۔ پھر آخر میں مشرق گھنٹہ گھر سے آنے والی دو چڑھائیاں ایک محلہ سوتھہ کی جانب اور دوسری محلہ کمنگوان کی طرف چڑھتی ہوئی چاروں جانب سے چڑھتی ہوئی ان ڈھلوانوں کے بیچوں بیچ فن تعمیر کا بہترین نمونہ مسجد شمسی شہر کی ناک جس کا گنبد شہر کے ہر نشیب و فراز سے نمایاں دکھائی دے یہ مسجد شمس الدین التمش نے اس وقت بنوانی شروع کی تھی جب وہ بدایوں کا گورنر تھا اسی لئے اس کے نام سے موسوم مسجد شمسی اس کا نام ہے۔ اس مسجد کے تین دروازے اور چاروں سمت مسلمان محلے اور آبادیاں۔ سب سے بڑا دروازہ مشرق کی سمت' ایک شمال کی جانب اور ایک جنوب کی جانب۔ جنوبی دروازے کے سامنے پکے چبوترے والا ایک حویلی نما مکان جس کے دروازے کی لکڑی کی چوکھٹ پر کندہ نقش و نگار اور صاف پڑھی جانے والی عربی زبان میں یہ شعر

لی خمستہ اطفی بھا حر الوبا الحاطمہ

المصطفےٰ و المرتضیٰ وابنا ہما والفاطمہ

یہ تھا ہمارے دادے مولوی محمد اصلح کا آبائی مکان۔ اس کے ساتھ ہی ان کے تایا زاد بھائی مولوی ریحان رضا کے تین مکانات۔ ان میں ایک محلہ گمنگوان کے چوراہے پر جنوبی مغربی کونا' یہ چوک خیراتی چوک اور جمی چوک کے بعد مسلمان علاقہ کا کئی لحاظ سے معروف چوراہا تھا۔ پھر ان مکانوں کے پیچھے ایک بہت بڑا کنواں اور ہمارے ایک رشتہ کے دادا حافظ آل حسن کا مکان مولوی ریحان رضا کے تینوں مکانات گمنگوں محلہ کے چوراہے سے لے کر سلطانجی صاحب کے حجرے تک پھیلے ہوئے۔ یہ وہی مولوی ریحان رضا ہیں جن کے پوتے مولوی سلمان رضا اور مولوی فرقان رضا کراچی کے چھوٹے چھوٹے مکانوں میں رہتے ہیں۔

بیٹھے ہیں یوں اداس کہ سایہ نہیں نصیب
چپ ہیں کہ بام و در کو خفا کر کے آئے ہیں

(محشر بدایونی)

مولوی ریحان رضا مرحوم کے سلسلے میں کچھ تفصیل عرض کرنی ضروری ہے شاید مجھے یہ ضروری یوں بھی محسوس ہو رہی ہو کہ میں نے اپنے خاندانی بزرگوں میں جس معمر ترین شخصیت کو دیکھا تھا وہ مولوی ریحان رضا ہی تھے یہ میرے پردادا مولوی محمد صالح کے بڑے بھائی مولوی محمد رضا کے بیٹے تھے۔ جن کے ایک اور بیٹے مولوی محمد رضوان رضا لاولد تھے۔ مولوی ریحان رضا کو ہم سب "دادا" اور ابا کے لقب سے ہی پکارتے تھے۔ مکانی قربت کا یہ حال کہ درمیان میں صرف ایک دیوار اور عملاً "وہ بھی بے معنی چونکہ دیوار میں ایک چھوٹا سا دروازہ آنے جانے کے لئے جسے ہم کھڑکی کہتے تھے۔ جب خاندانی تعلقات میں جاگیردارانہ نوعیت کی کشیدگی ہوتی کھڑکی بند ہو جاتی جب تعلقات خوشگوار ہوتے کھڑکی کھل جاتی۔ مولوی ریحان رضا کے مزاج کا یہ حال کہ انتہائی رعب دار شخصیت قدرے تیز مزاج بھی اور تیز مزاجی

بھی وہی جو جاگیرداروں کا حصہ ہے۔ مگر چھوٹوں اور بچوں کے ساتھ نہایت مشفق میری طرف بھی خاصے ملتفت صورت شکل اور لباس خالص شرعی وضع قطع اور معمولات انتہائی مذہبی۔ صلواہ وصوم کے بے حد پابند۔ نوافل اور تلاوت میں شب و روز مشغول شب بیدار انتہائی ریاضت کرنے والے کبھی کبھی جامع مسجد میں باجماعت نماز بھی ادا کرتے تو تمام نمازی انہیں انتہائی احترام کی نظر سے دیکھتے بلکہ شاید ان کے بزرگانہ طرز عمل اور کم گوئی سے قدرے ہیبت زدہ بھی رہتے۔ مذہبی شدت پسندی کے باوجود نیاز نذر اور میلاد شریف وغیرہ سے بے تعلق مگر صدقات و خیرات کی حد درجہ کثرت تھی اور دینی طلبہ اور حفاظ کو باقاعدگی سے کھانا جاتا تھا۔ مہمانداری بالکل بے تکلفانہ ہوتی تھی مگر اپنے اور گھر والوں کے لئے انتہائی کفایت شعار تھے۔ مجھے یاد ہے کہ عالم نزع میں قبلہ رو بیٹھے ہوئے سامنے کھلا ہوا قرآن حکیم جب نقاہت بڑھتی قرآن کریم کے برابر رکھے ہوئے تکیہ پر سر ٹکا لیتے۔ کچھ توانائی محسوس ہوتی تو پھر سر اٹھاتے اور تلاوت میں مشغول ہو جاتے۔ انتقال سے چند گھنٹہ قبل تک اسی عالم میں رہے۔ میں بچہ تھا مگر ان کی تدفین میں شریک تھا جب میت قبرستان کے جائی جا رہی تھی شدید گرمی تھی اور وہ بھی بدایوں کی گرمی مگر جب ان کی میت قبر میں اتاری جا رہی تھی تو ایک بادل کا ٹکڑا آیا دھوپ غائب ہوئی اور میں نے بغیر کسی کی نشاندہی از خود ان کی قبر سے آتے ہوئے ہوا کے سرد جھونکے محسوس کئے تھے۔ یہ ایک معصومانہ مشاہدہ تھا اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ حالانکہ ہمارے تمام خاندان والے انہیں عقائد کے لحاظ سے وہابی کہتے تھے ان کے وہابی پوتے ابھی حیات ہیں جو کھڑے ہو کر سلام پڑھتے ہیں۔ درود تاج شریف کا ورد رکھتے ہیں اور خود کو وہابی کہتے ہیں۔ یہ میرے حقیقی بہنوئی بھی ہیں۔ مولوی سلمان رضا ان کے والد مولوی عثمان رضا اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے تھے مگر خود کثیر الاولاد تھے۔ انہوں نے دو شادیاں کی تھیں دونوں بیویوں سے اولادیں ہیں۔ پہلی بیوی

میری حقیقی بڑی بھابی بلقیس فاطمہ تھیں۔ ان کے انتقال کے بعد دوسری شادی مولوی امجد علی (پٹواری) کی بڑی بیٹی سے باوجود تفاوت عمر ہوئی اور ان سے ماشاء اللہ اولادیں موجود ہیں اور بدایوں میں ہی ہیں۔

مولوی امجد علی کے بیٹے یعقوب' اکبر' اصغر اور ایوب کراچی میں ہی مقیم ہیں۔

مولوی ریحان رضا کے والد محمد رضا کے نام کے ساتھ شجرہ خرسواران میں ان کے ایک اور بیٹے رضوان رضا کا نام درج ہے مگر اس کے آگے کوئی تفصیل نہیں ہے۔ ہم نے خاندان میں بھی کسی سے ان کا کوئی تذکرہ نہیں سنا اور نہ ہی ان کی کسی اولاد کا علم ہے۔ شجرہ کے مطابق مولوی ریحان رضا کے پہلی بیوی سے ایک بیٹی اور دوسری سے ایک بیٹا تھا۔ بیٹے کا تذکرہ سطور بالا میں آچکا ہے۔ بیٹی رقیہ خاتون زوجہ مولوی عبدالستار تھیں جن کے ایک بیٹے مولوی عبدالواسع اپنی اولاد کے ساتھ کراچی میں مقیم رہے ان کے بڑے بیٹے عبدالباری کے عبدالحسیب' واجد اور طارق تین بیٹے ہیں۔ دوسرے بیٹے عبدالخالق کے نعیم فہیم اور وسیم تین بیٹے ہیں۔ تیسرے بیٹے عبدالہادی کے دو بیٹے لطیف اور عارف ہیں۔ چوتھے بیٹے عبدالواحد کے عزیز' عاصم' شکیل اور اصغر ہیں۔ پانچویں بیٹے عبدالماجد کے مجید اور شاہد ہیں اور سب سے چھوٹے بیٹے عبدالحامد کے نذیر اور جنید ہیں دو بیٹیاں سعیدہ اور طیبہ ہیں اور سب کراچی میں مقیم ہیں۔

مولوی ریحان رضا کی والدہ کے اعزاء میں ان کی رشتہ داری دو خاندانوں سے ہے۔ ایک رشتہ واحد بخش قادری کی والدہ سے ہے اور دوسرا پروفیسر وحید الدین قادری کے والد سے ہے جنہیں ہم "خطیب دادا" کہتے تھے۔ یہ حقیقت میں ہمارے دادا نہ تھے بلکہ ہم اپنے بھابی زاد بہن بھائیوں کے ساتھ انہیں دادا کہنے لگے تھے۔ یہ بھابی زاد بہن بھائی مولوی عثمان رضا کی اولاد تھے جن کے والد کی ننھیال سے ان خاندانوں کا تعلق تھا ورنہ ہماری نسل سے ان کا کوئی قریبی تعلق نہیں۔ نسل کی

بات آئی ہے تو یہاں ایک روایت اور بھی بیان کردوں اس کے راوی مولوی سلمان رضا ہیں جن کے والد سے مولوی سلیمان کے دوستانہ روابط تھے۔ انہوں نے اپنے والد یا خاندان کے کسی اور بزرگ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ ایک مرتبہ مولوی سلیمان صاحب نے فرمایا کہ "ہم تم ایک ہی نسل ہیں مگر بعض بزرگوں کی شادیاں چونکہ شہر سے باہر ہوئیں اس لئے ہمارے تمہارے درمیان فاصلے آگئے۔" بہرحال میں اس روایت کی صحت کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا چونکہ میں نے اس کی تائید میں کسی بزرگ خاندان سے اشارۃً بھی کوئی روایت نہیں سنی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ذاتی طور سے میرے روابط اس خاندان کی ایک مشہور شخصیت کموڈور خالد جمیل سے بہت بے باکانہ تھے۔ یہ مولوی سلیمان کے بھائی ڈپٹی جمیل الدین کے بیٹے تھے پاکستان کی تشکیل کے بعد پاکستان نیوی کے چیف آف اسٹاف بھی رہے تھے۔ پاکستان کی قومی اسمبلی کے رکن بھی تھے۔ ان سے میرے تعلقات ان کے بہنوئی شمیم صدیقی کی معرفت ہوئے جو بدایوں سے ہی میرے طالب علم ساتھیوں میں تھے اور کراچی آکر جامعہ کراچی کی طلبہ یونین کے صدر منتخب ہوئے۔ اس یونین کے جنرل سیکریٹری صبغت اللہ قادری بھی بدایوں کے ہی تھے جو مشن اسکول بدایوں سے میرے ہم جماعت اور دوست تھے۔ اس وقت وہ لندن میں سکونت پذیر ہیں اور وہاں کی مشہور و معروف شخصیت ہیں وہیں ان کے بڑے بھائی شفقت اللہ قادری بھی ہیں۔ دونوں شاید وکالت کے پیشہ سے متعلق ہیں اور معروف بیرسٹر ہیں۔ یہ دونوں فراست اللہ قادری کے بیٹے ہیں جو اسکول کی تعلیم کے زمانے میں میرے ٹیوٹر بھی رہے تھے اور مجھ سے بڑی شفقت فرماتے تھے۔ مولوی ٹولے میں ان کا مکان تھا۔ نہایت سادہ مزاج شخصیت تھے ان کی بیگم سے میری والدہ کی کچھ رشتہ داری اور قرابت تھی جب صبغت اللہ قادری جامعہ کراچی کی طلبہ یونین کے جنرل سیکریٹری اور شمیم صدیقی صدر تھے تو اس یونین کے جوائنٹ سیکریٹری مسعود نقوی

تھے جو ہمارے رشتہ کے چچا جناب سبط نبی نقوی کے بیٹے تھے۔ یہ نقوی صاحب وہی ہیں جو ایک طویل عرصہ پاکستان کے محکمہ موسمیات کے سربراہ رہے ہیں۔ غرض یہ کہ جامعہ کراچی کی طلبہ یونین کے تینوں کلیدی عہدوں پر بدایوں کے طلبہ جمہوری طریقہ سے "مسلط" تھے صرف اتنا ہی نہیں بلکہ شعبہ تاریخ کی نمائندگی اخلاق اختر حمیدی کررہے تھے۔ شعبہ نفسیات سے میں خود نمائندہ تھا اور اساتذہ میں پروفیسر ڈاکٹر افضال قادری ڈاکٹر امیر حسن ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی پروفیسر وحید الدین قادری اور پروفیسر عادل جیسے معروف اساتذہ سب بدایوں کے ہی تھے۔ اس یونین کے صدر شمیم صدیقی بعد میں کموڈور خالد جمیل کے بہنوئی ہوئے اور کموڈور صاحب کی فرم "ممنشا لیٹڈ" کے نہایت فعال ڈائریکٹر رہے۔ اس کے ایک اور کرتا دھرتا میر محفوظ علی کے پوتے مسعود نقوی تھے جب کموڈور خالد جمیل نے فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کی حمایت پر پاکستان کی قومی اسمبلی کا الیکشن لڑنے کا فیصلہ کیا تو انہیں اپنا منشور لکھوانے کے لئے قلم کے مضبوط ایک ایسے فعال کارکن کی ضرورت محسوس ہوئی جو مقرر بھی اچھا ہو اور علم و ادب اور زبان سے شغف رکھتا ہو۔ سیاسی سوجھ بوجھ کا بھی حامل ہو اور ایک ایسا منشور لکھ سکے جو چند دن بعد منظر عام پر آنے والے صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے منشور سے ہلکا نہ ہونے پائے۔ یہ بدایوں کے لوگوں کا ایک مزاج ہے چنانچہ اس مقصد کی تعمیل و تکمیل کے لئے شمیم صدیقی، مسعود نقوی اور افضال شروانی کی مشاورت سے متفقہ طور پر میرا نام تجویز کیا گیا اور مجھے پابدست دگرے دست بدست دگرے اخلاقی طور پر گرفتار کرکے کموڈور صاحب کے دربار میں پیش کردیا گیا۔ کموڈور صاحب کے شاہانہ مزاج پر بدایونیت کی چھاپ تھی مجھ سے ایسے گلے ملے جیسے مدت کی شناسائی ہے چند گھنٹوں بعد تخاطب میں میرے نام سے صاحب غائب ہوگیا کبھی "میاں" اور کبھی "یار" اور پھر اس کے بعد زندگی بھر ایسے ہی احساس قربت سے ملتے رہے کہ دیکھنے والے کو

معلوم ہو کہ نہ جانے کتنی پرانی واقفیت ہے۔ کبھی دوست بن کر کبھی بڑے بھائی کی طرح کبھی بزرگ کے انداز میں اور اکثر کہا کرتے تھے کہ فائق اگر تم پہلے مل گئے ہوتے تو اس وقت وردی میں ہوتے۔ غرض یہ کہ منشور لکھنے کا کام ہمارے سپرد کردیا گیا۔ مطلوبہ تحریری مواد دستیاب ہوگیا۔ ہمیں ایک کمرہ میں بند کرکے چائے کافی سگریٹ پھل میوہ خدمتگار سب فراہم کرکے حکم نافذ ہوا کہ چوبیس گھنٹہ کے اندر مسودہ درکار ہے۔ بات ہماری سماجی شہرت اور علمی بھرم پر آرہی تھی۔ ہم نے بھی "تن من" کی بازی لگادی اس لئے کہ تھے تو ہم بھی بدایونی! ہرچند کراچی کی فضا میں بدایونیت مرجھاگئی تھی مگر صرف پانی ہی تو بدلا تھا مٹی تو وہی تھی۔ چنانچہ ہم نے چوبیس گھنٹے کے بجائے آٹھ گھنٹے میں منشور تیار کرکے دے دیا۔ منشور سننے کے دوران کموڈور صاحب جھومتے رہے۔ سننے کے بعد ایک خوشی کا نعرہ مار کر کھڑے ہوئے اور مجھے اس زور سے گلے لپٹایا کہ پاکستانی فوج کی طاقت کا اندازہ ہوگیا۔

کموڈور صاحب کا منشور شائع ہونے کے دوسرے دن فیلڈ مارشل صاحب کا منشور شائع ہوا اس کے بعد کموڈور صاحب کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا اس لئے کہ جناب الطاف گوہر اور جناب قدرت اللہ شہاب کی مشاورت سے لکھا جانے والا یہ منشور کسی طور پر کموڈور صاحب کے منشور کی وقعت کم نہ کرسکا بلکہ دونوں منشوروں میں اکثر ٹکڑے اور علامہ اقبال کے اشعار مشترک تھے۔ خیر یہ بات طویل ہوگئی شاید یہ تفصیلات غیر ارادی طور پر اس لئے شامل تحریر ہوگئیں کہ ان میں اکثر بدایوں کی ایسی شخصیات کا ذکر تھا جنھوں نے کسی نہ کسی صورت اپنے اپنے میدان میں ایک نمایاں مقام حاصل کرکے کراچی میں خود کو تسلیم کروالیا ہے ورنہ بات تو ہمارے اور مولوی سلیمان کے ہم نسل ہونے کی چلی تھی جسے میں معتبر نہیں سمجھتا۔ اور اگر ایسا ہے بھی تو ان کا مولوی محمد مکمل شہید کی اولاد سے کوئی قریبی تعلق معلوم نہیں ہوتا جن کی اولاد میں محمد رضا کے بعد دوسرا نام محمد رضا کے چھوٹے بھائی مولوی محمد صالح

کا ہے یہ میرے پردادا ہیں جن کا انتقال ان کی شادی کے بعد عالم جوانی میں ہی ہو گیا جبکہ ان کی پشت سے میرے دادا مولوی محمد اصلح اپنی والدہ کے بطن ہی میں تھے اصول وراثت کی رو سے میرے دادا اپنی جائیداد سے محروم ہو گئے تھے اور ایک نہایت بڑی جاگیر کے واحد وارث مولوی محمد رضا قرار پائے تھے جنہوں نے اپنے چھوٹے بھائی مولوی محمد صالح کی واحد یادگار یعنی میرے دادا محمد اصلح کو جائیداد سے محروم کرنے کی بجائے اپنی جائیداد کا نصف بلکہ بہتر نصف حصہ ان کے نام کر دیا اور باقی نصف خود مولوی محمد رضا کے پاس رہا۔ یہ حویلی نما مکان جس کا ابھی میں نے تذکرہ کیا ہے اس جائیداد میں ہی میرے دادا کو ملا تھا۔ اس مکان میں میرا بچپن گزرا ہے اور میں نے اس کے صحن میں ہاکی اور کرکٹ کھیلی ہے اور جب بھی اس صحن میں موجود کنویں میں میری گیند چلی گئی ہے تو اسے نکلوانے کے بعد کنواں پاک کرنے کے لئے کھینچے جانے والے ۴۰ ڈول کھینچنے میں شراکت بھی کی ہے۔ یہ سب کچھ لکھنے کا مقصد صرف اپنی اولاد کو ہی نہیں بلکہ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں اور ان کی اولادوں کو نیز قدرے فصل والے اعزاء کی اولاد کو اس کے پشتینی پس منظر کی ایک جھلک دکھانا ہے۔

اب کراچی میں فاصلوں اور مصروفیتوں کے سبب قریبی اعزاء بھی ایک دوسرے سے دور ہو گئے ہیں۔ کچھ امریکہ' کینیڈا اور مشرق وسطیٰ چلے گئے ہیں۔ کچھ پاکستان کے دیگر شہروں میں مقیم ہیں۔ قرابتیں فاصلوں میں بدل رہی ہیں حسب و نسب کے رشتہ ٹوٹ کر اپنی ذاتوں تک محدود ہو رہے ہیں نئے اور اجنبی بلکہ بعض مقامی خاندانوں میں شادیاں ہو رہی ہیں۔ نجابت کا تصور فرسودہ ہوتا جا رہا ہے ایسے حالات میں میں نے سوچا کہ ایسی مختصر کتاب لکھ دوں جس میں کم از کم ہندوستان میں رہ جانے والے اور ہجرت کر کے آنے والے خاندان کے بزرگوں اور ان کی اولاد کے نام آجائیں تاکہ اگر کوئی آنے والی نسلوں میں پیچھے مڑ کر دیکھنے اور اپنے آباؤ

اجداد کی نشاندہی کرنے کا خواہاں ہو تو اسے ۱۸۵۷ء اور اس سے قبل کے کچھ حوالے میسر آجائیں۔ جیسا کہ پہلے حوالہ دیا گیا ہے کہ کلمتہ باقیتہ کے اقتباس کے مطابق بدایوں میں شیخ حافظ مطیع اللہ شروانی یا شیخ مفاخر سوار کے تین بڑے خاندان ہیں ان میں پہلے خاندان میں ایک اہم نام مولوی محمد صالح کا ہے جو میرے پردادا ہیں میں آئندہ سطور میں ان کی اولاد کے تذکرے پر اکتفا کروں گا بالخصوص ان کی معلومات فراہم کرنے کی کوشش کروں گا جو تشکیل پاکستان کے وقت بدایوں میں موجود تھے اور خاص کر وہ جو بعد میں ہجرت کر کے پاکستان چلے آئے اور اب کراچی میں مقیم ہیں یا کراچی سے ترک سکونت کر کے باہر چلے گئے ہیں۔ ساتھ ہی چند ایسے خاندانوں کے افراد کا بھی ذکر آئے گا جو یا تو بدایوں سے ہی قرابت کے رشتہ رکھتے تھے یا ان سے کراچی آنے کے بعد قرابتیں ہوئی ہیں اور ان سے خاندانی روابط ہیں۔

میرے پردادا مولوی محمد صالح کے ایک ہی بیٹے محمد اصلح میرے دادا تھے جن کی ولادت سے چند دن قبل مولوی محمد صالح کا انتقال ہو گیا۔ ان کی پرورش والدہ نے کی اور ان کے سرپرست ان کے تایا مولوی محمد رضا رہے۔ میرے دادا مرحوم کا گھریلو نام "مولوی سدن" تھا اس چھوٹے نام کی وجہ تسمیہ معلوم نہیں۔ مگر نام بدایوں میں معروف تھا شاید اس وجہ سے کہ "اصلح" قدرے ثقیل نام ہے۔ "مولوی سدن" معروف رہا ان کی دو شادیاں ہوئیں پہلی بیوی سے ایک بیٹی تھیں جن کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ ان کی شادی مفتی لطف بدایونی سے ہوئی تھی۔ یہ بات ذاتی طور سے میرے علم میں نہیں تھی تذکرہ شعرائے بدایوں میں جہاں مفتی لطف کے حالات زندگی تحریر ہیں ان میں لکھا ہے کہ ان کی شادی محمد اصلح کی بیٹی سے ہوئی تھی جن کا انتقال ۱۹۲۹ء میں ہوا ان کے کوئی اولاد نہیں تھی اور ان کے انتقال کے بعد مفتی صاحب نے دوسری شادی نہیں کی۔ جہاں تک مفتی لطف کی شاعرانہ حیثیت کا تعلق ہے تو وہ ایک بلند پایا شاعر تھے ان کے متعلق بہت کم لکھا گیا ہے اور جیسا لکھا گیا ہے

وہ ان کے استحقاق سے کم ہے۔ زیر نظر سطور میں ان کے متعلق سب کچھ لکھنا ممکن نہیں "سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے" اور جو کچھ تذکرہ شعرائے بدایوں میں موجود ہے اسے دہرانا بے سود ہے۔ نظامی پریس کی مطبوعات میں یا ذوالقرنین میں اگر ان کا کچھ کلام شائع ہوا ہے تو وہ میرے علم میں نہیں۔ ورنہ ان کا سب کلام غیر مطبوعہ ہے۔ ان کے دیوان کا ایک دستی نسخہ دیکھنے کا مجھے اتفاق ہوا ہے۔ یہ نسخہ ان کے بڑے بھائی کی پوتی یعنی میخوار سے بڑے بھائی فضل احمد کے بیٹے حسین احمد کی بیٹی مولوی شفیع الدین کی بیگم عزیزہ خاتون کے بیٹے وصی الدین احمد کے پاس تھا جو کراچی میں ہی مقیم تھے۔ میں نے چند گھنٹے اس کا مطالعہ اور مشاہدہ کیا اور گاہے گاہے الٹ پلٹ کر دیکھنے کے دوران اس میں لکھے ہوئے چند اشعار جو مجھے زیادہ پسند آئے یاد بھی کر لئے تھے کچھ پہلے سے یاد تھے وہ اشعار میں اس غرض سے درج کر رہا ہوں کہ شاید بعض ذہنوں میں پڑے رہیں اور آئندہ نسل کو منتقل ہو جائیں ورنہ مفتی صاحب کے کلام کا اب شائع ہونا ممکن نظر نہیں آتا۔ میں ہمیشہ سے اس ضمن میں خود کو مفتی صاحب کا مقروض محسوس کرتا ہوں۔ مجھے مفتی صاحب پر کچھ لکھنا چاہئے تھا یہ مجھ پر ان کا حق تھا وہ اس لئے کہ میرے والد مرحوم مفتی صاحب سے بہت مانوس تھے صرف اس لئے نہیں کہ وہ ایک اچھے شاعر تھے بلکہ اس لئے بھی کہ وہ میرے والد کو بہت عزیز رکھتے تھے اور والد صاحب مرحوم سے خاص شفقت فرماتے تھے۔ میرے والد صاحب اکثر مجھے مفتی صاحب کے واقعات اور ان کے اشعار سناتے تھے اور جب موڈ میں ہوتے تو شعر پڑھنے کے طریقہ کی نقل کر کے بھی بتاتے تھے۔ اس لئے مجھے مفتی صاحب کے تصور سے کچھ ذہنی وابستگی سی ہو گئی تھی اسی لئے شاید میری دیوانگی نے ان کے دیوان تک پہنچایا اور ان کے چند اشعار اپنی پسند کے مطابق یاد کر لینے کا موقع ملا جو ذیل میں درج ہیں۔ ان اشعار میں تین اشعار ایسے ہیں جو تذکرہ شعرائے بدایوں میں بھی موجود ہیں۔ ان کا دہرانا بے مقصد نہیں

ہے۔ پہلا شعر نعت پاک کا ہے جو اردو کے نعتیہ ادب میں ندرت خیال اور حسن بیان کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔

رخ مصطفٰے ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزم خیال میں نہ دوکان آئینہ ساز میں

یہاں دوکان آئینہ ساز میں ایسا دوسرا آئینہ نہ ہونے کا پیرایہ بیان شاید نعتیہ ادب میں مفتی صاحب کا اضافہ ہے۔ اس شعر کو پاکستان کے شعری حلقوں میں متعارف کرانے کا اعزاز مجھے حاصل ہے یا یوں کہئے کہ پاکستان میں پہلی مرتبہ یہ شعر میں نے شائع کیا۔ یہ ۵۶ء کی بات ہے جو میری طالب علمی کا زمانہ تھا یعنی لیکچرار ہونے سے تین سال قبل میں نے اپنے ایک دوست صوفی عرفان حامد کی شراکت سے ایک رسالہ "سحر" نکالا تھا حالانکہ یہ ایک طالب علمی کے زمانے کی کوشش تھی مگر اتنی کامیاب کہ اس کے اوپر پروفیسر رشید احمد صدیقی جیسی شخصیت نے تبصرے لکھے تھے اسی رسالے میں میرے ایک طالب علمانہ نوٹ کے ساتھ یہ شعر پہلی مرتبہ چھپا تھا جس کے بعد یہ پاکستان کے شعری حلقوں سے ہوتا ہوا پی ٹی وی کی قوالی میں شامل ہوگیا۔ شاید عزیز میاں قوال یا مرحوم فرید صابری قوال کی زبان سے یہ شعر سن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی تھی۔ مفتی صاحب نے جو یہ نعت لکھی ہے اس کی بھی ایک تاریخ ہے جس کے راوی میرے والد مرحوم تھے۔ ہوا یوں کہ بدایوں میں کسی بڑے بزرگ کے عرس کے موقع پر ان کی درگاہ میں قوالی کی ایک عظیم الشان محفل منعقد ہوئی اس میں شرکت کے لئے ہندوستان بھر کے مشہور قوال آئے تھے۔ محفل سماع اپنے عروج پر تھی بدایوں کے ایک قوال نتھو جو پورے ہندوستان میں اپنی گلوکاری اور "راگ الاپنے" کے فن میں مشہور تھے اپنا طبلہ پیٹی لے کر درگاہ کی حدود سے باہر جاتے دیکھے گئے۔ مفتی صاحب وہاں موجود تھے۔ نتھو کو جاتے دیکھ کر آواز دی

"ارے. نتھو کہاں چلے!" نتھو نے آکر ادب سے عرض کی مفتی صاحب جب باہر کا آدمی میرے گھر آکر میری محفل لوٹ لے تو مجھے وہاں بیٹھنے سے کیا فائدہ۔ استفسار پر معلوم ہوا کہ شاید مراد آباد کا کوئی قوال تھا جس نے اس زمانے میں تازہ تازہ منظر عام پر آنے والی علامہ اقبال کی وہ غزل گائی تھی "تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں" اور اسی غزل پر محفل لوٹ لی تھی۔ نتھو نے کہا مفتی صاحب میرے پاس اس پائے کا کوئی کلام نہیں ہے۔ اس لئے میں واپس جارہا ہوں۔ مفتی صاحب نے نتھو کو تسلی دی اور وضو کر کے قلم پینسل لے کر ایک طرف بیٹھ گئے۔ علامہ اقبال کی غزل سامنے رکھ کر نعت لکھی اور نتھو کو دیدی کہا نتھو اللہ کا نام لے کر یہ پڑھو! بس کیا تھا نتھو کی بن آئی۔ اسی نعت کا ایک اور شعر مجھے یاد ہے۔

در مصطفیٰ پہ جو سر رکھا تو یہ ہاتف غیب نے دی صدا
ترے وہ بھی سجدے ادا ہوئے جو قضا ہوئے تھے نماز میں

یہاں دو شعر اور ایسے پیش کروں گا جو تذکرہ شعرائے بدایوں میں موجود ہیں۔ ایک یوں لکھا ہے کہ

حسرت آئی جو فلک پر کوئی تارا ٹوٹا
یوں کہیں آئینہ دل نہ ہمارا ٹوٹا

مصرعہ ثانی مجھے یوں یاد ہے کہ "یوں کبھی آبلہ دل نہ ہمارا ٹوٹا" دونوں میں کونسا مصرعہ صحیح ہے اس کا فیصلہ تو دیوان دیکھ کر ہی ہو سکتا ہے۔ میرے نزدیک ستارہ کی تشبیہ آئینہ دل کی ساتھ بعید کی تشبیہ ہے جبکہ "آبلہ" قریب کی تشبیہ ہے پھر یہ کہ شاعر کا آئینہ دل تو ٹوٹا ہوتا ہی ہے وہ اس کے ٹوٹنے کی حسرت کیوں رکھے گا ہاں یہ حسرت آبلہ دل کے ساتھ ممکن ہے مگر آبلہ ٹوٹنے کے ساتھ غریب لفظ ہے آئینہ محکم ہے اس لئے کہ آبلہ ٹوٹتا نہیں ہے پھوٹتا ہے۔ بہرحال اصل کیا ہے یہ تو دیوان سے ہی فیصلہ ہو سکتا ہے جو غیر مطبوعہ اور نایاب ہے۔ شاید کچھ دن بعد میرے قبضہ

میں آجائے۔ خیر۔ تیسرا شعر جو تذکرہ میں ہے وہ یوں شائع ہوا ہے کہ

جو دل میں آگئی وہ حقیقت کی بات تھی
جو لب پہ رہ گیا وہ شریعت کا راز تھا

یہ غالباً "یوں ہے کہ

جو لب پہ آگئی وہ شریعت کی بات تھی
جو دل میں رہ گیا وہ حقیقت کا راز تھا

میرا خیال ہے کہ "شریعت کے راز" سے زیادہ بلیغ "حقیقت کا راز" ہے اور "لب پہ رہ جانے" سے زیادہ فصیح "لب پہ آجانا" ہے۔ بہرحال درست کیا ہو سکتا ہے یہ اہل نظر پر چھوڑا ----- آیئے مفتی صاحب کے کچھ اور اشعار جو مجھے یاد ہیں۔

یہ کون پردہ پردہ میں جلوہ نما ہوا
کیا بات ہے جو شیخ و برہمن میں چل گئی

☆-----☆

ناخن ترش رہے ہیں کسی مہ جمال کے
دھوکے ہیں آسماں کو زمیں پر ہلال کے

☆-----☆

کس کو پڑی تھی سونے کی جی میں تھی جی کھونے کی
رات تو ہم یہ سمجھے تھے صبح نہیں اب ہونے کی

☆-----☆

دست جنوں سے زخم کہن سب ہرے ہوئے
اتری ہوئی بہار میں پھر رنگ آگیا

☆-----☆

اللہ رے شوق عرض تمنائے دل کہ قیس
ہمراہ نامہ بر کئی فرسنگ آگیا

☆-----☆

مندرجہ بالا کے علاوہ مفتی صاحب کا ایک اور رنگ بھی ہے اور وہ ہے خالص روایتی غزل اور اس کے وہ جذبے جنہیں بیان کرنے کا حوصلہ ہر شاعر کے پاس نہیں ہوتا یہ ہیں خالص کلاسیکی قسم کے اشعار مثلاً"

پھندے میں ہم پھنسے بھی تو کس خورد سال کے
اٹھلا کے پوچھتا ہے جو معنی وصال کے

☆-----☆

کس نے لوٹے مری جاں دست درازی کے مزے
ہار پھولوں کا پڑا ہے جو یہ سارا ٹوٹا

☆-----☆

صرف یہی دو باتیں ہیں ہوش ہمارے کھونے کی
ہاتھ میں چھلا چاندی کا کان میں دریہ سونے کی

☆-----☆

برہم تھے غیر سے مجھے آکر لپٹ گئے
اس کی بلا ٹلی مری حسرت نکل گئی

☆-----☆

پوشاک سے چھٹے تو اب آئینہ چاہئے
یہ اور راہ وصل میں اک سنگ آگیا

☆-----☆

جناب لطف کے دیوانہ پن کو ہم سمجھتے ہیں
یہ سب کمسن حسینوں کو لبھالینے کی باتیں ہیں

☆-----☆

کل شب وہ میرے ساتھ لب گنگ آگیا
چھینٹے چلے کچھ ایسے کہ بس رنگ آگیا

☆-----☆

مفتی صاحب کا نام اس ضمن میں آیا تھا کہ میں اپنے دادا کے اعزاء و اقارب کا تذکرہ کر رہا تھا جس میں بات ان کی پہلی بیوی سے اکلوتی بیٹی کی چل رہی تھی جس کے متعلق تذکرہ شعراء بدایوں میں سید شہید حسین شہید بدایونی نے لکھا ہے کہ ان کا انتقال ۱۹۲۶ء میں ہوا جن کی شادی مفتی لطف بدایونی سے ہوئی تھی۔ مفتی صاحب نے اس کے بعد دوسری شادی نہیں کی اور لاولد ہی فوت ہوئے۔ تذکرہ شعرائے بدایوں کے اس واضح حوالے کے باوجود ایک اختلافی مسئلہ پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ شجرہ غرسواران کے مطابق مولوی محمد اصلح یعنی میرے دادا کی پہلی شادی دختر حافظ آل حسن سے ہوئی تھی جن کے ایک بیٹی زوجہ مقوی الاسلام عباسی تھیں۔ بیانات کے اس تضاد میں دو ہی امکانات ہیں یا تو یہ کہ ان دو میں سے ایک کا حوالہ غیر معتبر یا غلط ہے اور دوسرے یہ کہ اگر دونوں حوالے درست ہیں تو اس کی واحد شکل یہ کہ مرحومہ کا عقد ثانی مفتی لطف کے ساتھ ہوا ہو۔ بہرحال یہ تحقیق فی الوقت موضوع بحث نہیں۔ ذکر میرے دادا کے اعزاء و اقارب کا ہے۔ ان میں ایک انتہائی بزرگ اور قابل احترام نام مذاق میاں ؒ کا ہے آپ کا نام دلدار علی صدیقی تھا۔ تخلص مذاق فرماتے تھے۔ ذوق کے شاگرد تھے۔ آپ کا دیوان شائع ہو چکا ہے جس کے بیشتر حصہ میں نعت پاک اور مناقب ہیں۔ آخر میں ایک حصہ غزلیات کا ہے جو اپنے لہجہ اور موضوع ہر لحاظ سے کلاسیکی اہمیت کی حامل ہیں۔ آپ صرف شاعر ہی نہیں ایک ولی اللہ اور پیر طریقت تھے۔ آپ کا مزار اور درگاہ شریف بدایوں میں موجود ہے۔ یہ

میرے دادا مرحوم کے عزیز بھی تھے قریب بھی۔ قربت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے میرے دادا کو بیٹا بنایا تھا۔ وہ تھے تو صاحب اولاد مگران کے بیٹے مولوی ایثار علی صدیقی بعد میں پیدا ہوئے تھے۔ جب وہ دادا مرحوم کو متبنی کرچکے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مذاق میاں کی اولاد نے اپنے والد مرحوم کے منہ بولے رشتہ کو نبھانے میں سعادت مندی کا حق ادا کردیا۔ منہ بولے رشتہ کی رو سے میری دادی چونکہ مولوی ایثار علی کی بڑی بھاوج ہوتی تھیں اس لئے وہ ان کا انتہائی احترام کرتے تھے۔ میں نے انہیں بالکل آخر زمانے میں دیکھا تھا صرف اتنا کہ ان کے قدو قامت کا ایک ہیولہ میرے ذہن میں ہے۔ سنا یہ ہے کہ وہ اپنی ضعیفی سے قبل باقاعدگی کے ساتھ میری دادی کو سلام کرنے آتے تھے جو عمر میں تو شاید ان کی بہت بزرگ نہ تھیں مگرہاں رشتہ میں بڑی تھیں۔ ان کی اولاد کراچی میں موجود ہے اور ان کی آل سے بھی سلسلہ فیضان جاری ہے۔ مولوی ابرار علی صدیقی ولد مولوی اسرار علی صدیقی ولد مولوی ایثار علی صدیقی ولد مولوی دلدار علی صدیقی کا نام پاکستان کے علمی اور دینی حلقوں میں معروف ہے۔ ان کے بھائی مسعود اور ظفر بھی کراچی میں ہی ہیں اور اب مولوی ابرار علی صدیقی کے بیٹے قمراحرار بھی حق سجادگی ادا کررہے ہیں مذاق میاں کے تین بیٹیاں تھیں ان میں جو سب سے چھوٹی تھیں ان کے خاندان سے بھی قریبی روابط تھے۔ ان کی شادی بدایوں کے ایک نقوی سید خاندان میں ہوئی تھی جن کے چار بیٹے سید آل علی نقوی' سید آل نبی نقوی' سید آل محمد نقوی اور سید سبط نبی نقوی تھے۔ جناب سبط نبی نقوی مسعود نقوی کے والد تھے جن کا ذکر میرے جامعہ کے ساتھیوں میں آچکا ہے۔ اس خاندان کے افراد کا بھی میری دادی کے پاس آنا جانا مجھے خوب یاد ہے بلکہ اپنے پھوپی زاد بھائی جناب طیب ہاشمی سے میں نے یہ بھی سنا ہے کہ اسی خاندان کی ایک شادی کے موقع پر رسم سہرا بندی اس وقت تک رکی رہی تھی جب تک میری دادی شریک محفل نہ ہوگئیں۔

ان کے پہنچنے کے بعد شادی کی رسوم کا آغاز ہوا شادی کے ضمن میں یاد آیا کہ شرفائے بدایوں کی یہ روایت تھی کہ شادی کے موقع پر حضرت مذاق میاں کا لکھا ہوا حضرت علیؓ کا سہرا ضرور پڑھا جاتا تھا۔ رسم سہرا بندی کے وقت عباس میراثی بڑی کڑکدار آواز سے شجرہ سنانے کے ساتھ یہ سہرا ضرور پڑھتے تھے میرے والد مرحوم کی یہ آرزو تھی کہ کراچی میں بھی اس رسم کو جاری رکھا جائے اور میری شادی کے وقت یہ سہرا قوالوں سے گوایا جائے۔ اس کے لئے انہوں نے مجھ سے فرمائش کی تھی کہ اس سہرے کی تضمین کروں۔ میرے لئے یہ فرمائش حکم کا درجہ رکھتی تھی چنانچہ میں نے حسب استطاعت اس کی تعمیل کی یہ تضمین والد صاحب مرحوم نے بہت پسند فرمائی اور مجھے شاباشی بھی دی۔ وہ تضمین ذیل میں پیش کر رہا ہوں۔ ہر خمسہ میں پہلے تین مصرعے میرے ہیں اور دو آخر کے مذاق میاں کے ہیں۔

کلام اللہ خود شاہد ہے جس کی پارسائی کا
گل رنگیں مہک اٹھا وہ باغ مصطفائی کا
جہاں میں ہر طرف شہرہ تھا اس نغمہ سرائی کا
علی نوشہ بنا سہرا بندھا مشکل کشائی کا
ملا خلعت نبی سے خلق کی حاجت روائی کا

حقیقت پا نہیں سکتے جو عاقل ہیں زمانے کے
سمجھ میں آ نہیں سکتے رموز اس آستانے کے
عجب اسرار تھے اس شاہ کو نوشہ بنانے کے
پہنایا شہ کو خرقہ فقر کا بدلے شہانے کے
دیا تاج اس کو ہر شاہ و گدا کی پیشوائی کا

علی تھے فرد زہد و علم میں مشکل کشائی میں
ادھر بنت نبیؐ بے مثل شان پارسائی میں
مقابل جب ہوئے دو آئینے جلوہ نمائی میں

بصد سازونوا دھومیں مچیں ساری خدائی میں
کیا ساماں خدا نے فاطمہ کی کتخدائی کا

زبان اہل ایماں پہ ہیں چرچے صبح و شام ان کے
ولایت ان کے گھر کی ہے ولی ان کے امام ان کے
امیران کے غریب ان کے خواص ان کے عوام ان کے
غلامان جہزی بن گئے سب خاص و عام ان کے
بنا مولا علی دولہا جو اس احمد کی جائی کا

متاع فاقہ و فقر و قناعت مہر میں ٹھہری
سنان و تیغ و پیکاں کی جراحت مہر میں ٹھہری
نہ دولت کی ضرورت تھی نہ دولت مہر میں ٹھہری
گنہگاران امت کی شفاعت مہر میں ٹھہری
ہوا پھر وعدہ دیدار بدلا رونمائی کا

وہ ٹھنڈک دل کو جو بخشے قرار اللہ نے بخشی
عروس خوش ادا و ذی وقار اللہ نے بخشی
بایں صورت متاع کارزار اللہ نے بخشی
لو الحمد و دلدل ذوالفقار اللہ نے بخشی
سلامی میں وہ لشکر کش بنا فوج خدائی کا

زبان شوق سے کہنے لگی طیبہ کی ہر وادی
مبارک اہل عالم کو علی کی خانہ آبادی
خدا کے گھر کا شہزادہ نبیؐ کے گھر کی شہزادی
ہوئی ایسی نہ ہووے گی عروسی اور دامادی
ازل سے تا ابد جلوہ ہے اس جلوہ نمائی کا

زمیں پر لالہ و گل نے فلک پر ماہ تاباں نے
یہاں ذروں کی تابش نے وہاں مہر درخشاں نے
نمود بزم ہستی نے وجود بزم امکاں نے
مبارکباد دی حور و ملائک جن و انساں نے
لیا انعام ہوکر شادماں شادی رچائی کا

ہمارا دل منور ہے ہمیشہ یاد سے ان کی
ہماری مشکلیں آساں ہوئیں امداد سے ان کی
نہیں ممکن نظیریں گلشن ایجاد سے ان کی
جہاں ہے شاد آباد اے مذاق اولاد سے ان کی
رہے گا دور دور ایسا ہی آل مصطفائی کا

حضرت علی کرم اللہ وجہ کے اس سہرے کے علاوہ مذاق میاں نے بی بی خاتون جنت کی مہندی بھی لکھی تھی

آ کے حوروں نے جو زہرہ کے لگائی مہندی
پھر نئی شان سے پریوں نے رچائی مہندی

اس مہندی نما منقبت میں بہت سے بدایوں کے ثقافتی رنگ ملتے ہیں مثلاً" مہندی لگانے کے علاوہ مہندی چھڑانے کا تصور کس خوبصورت پیرائے میں بیان کرتے ہیں کہ

پنجہ مہر پہ گردوں نے لیا ہاتھوں ہاتھ
اپنے پاؤں سے جو زہرہ نے چھڑائی مہندی

جو اہل ذوق زبان کی نزاکتوں پر نظر رکھتے ہیں اندازہ کرسکتے ہیں کہ پاؤں کے ساتھ ہاتھ اور اس کے ساتھ پنجہ اور وہ بھی پنجہ مہر کیا خوبصورت زبان ہے یہ ذوق کی

شاگردی کا ثبوت ہے۔ علاوہ ازیں ان کے دیوان میں حضرت علیؓ کی کئی طویل مناقب ہیں جو عقیدت کے ساتھ حسن زبان و بیان کا بہترین نمونہ ہیں خود اپنی اس عقیدت کو کس خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے کہ

جان و دل میں ہے مذاق مصطفےٰ و مرتضیٰ
جانثار احمدی ہوں اور دلدار علی

اور پھر یہی نہیں بلکہ دلدار علی ہونے کا پورا ثبوت دیا ہے فرماتے ہیں

جلوہ اول محمد جلوہ ثانی علی
باعث ایجاد عالم خلق انسانی علی
ہے سراپا روشنی حق سے دونوں کا ظہور
دونوں شمعیں نور کی ہیں ایک سانچے میں ڈھلی

ایک اور منقبت کے چند قطع بند اشعار ملاحظہ ہوں فرماتے ہیں۔

طالب مولا علی مرتضیٰ پیدا ہوئے
ابن بو طالب اخی مصطفےٰ پیدا ہوئے
مادر عیسیٰ تھیں گو بیت المقدس میں مقیم
لیک باہر ابن مریم پارسا پیدا ہوئے
فاطمہ بنت اسد کے دروزہ جسدم ہوا
سنگ اسود پر علی مرتضیٰ پیدا ہوئے
مولد مولا رہا آلودگی سے پاک و صاف
طیب و طاہر وہ زوج طاہرہ پیدا ہوئے
دودھ سے پہلے پیا آب دہان مصطفےٰ
شیر مادر سے غنی شیر خدا پیدا ہوئے

اہل بیت سے اس والہانہ عقیدت کے ساتھ ہی قادری نسبت سے بھی بے حد

لگاؤ تھا۔ عقیدے کی پختگی کا اندازہ کیجئے فرماتے ہیں

تمہاری ذات اقدس میں ہوئے ہیں جمع سب یکجا
چہار و پنج' "وہشت و چار" یا محبوب سبحانی

پھر اولیائے بدایوں سے بھی زبردست عقیدت رکھتے تھے ان کی مناقب بھی لکھی ہیں۔

ٹال دی سر سے بلا یا حضرت سلطانجی

اہل بیت رسول اور حضرت غوث الاعظم دستگیر سے محبت اور اولیائے بدایوں سے عقیدت رکھنے کے ساتھ وہ خود بھی ایسے ولی اللہ تھے کہ ان کے عقیدت مندوں کی تعداد بھی ہزاروں میں ہے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ بدایوں میں ان کی درگاہ سے بھی سلسلہ فیضان جاری ہے۔

مذاق میاں کی شاعرانہ جہت پر تذکرہ زیادہ طویل اور موضوع سے بعید ہو جائے گا ورنہ ان کی غزلیات بھی اس امر کی متقاضی ہیں کہ ان پر بحیثیت شاعر بہت کچھ لکھا جائے بلکہ میرے خیال سے تو اس پر کسی نوعمر بدایونی محقق کو پی ایچ ڈی کرنا چاہئے میں نے اپنے دادا کے اعزاء واقارب کے ضمن میں مذاق میاں کا خصوصی ذکر برادرم طیب ہاشمی کے زور دینے پر کیا ہے۔ انہوں نے عمر میں مجھ سے بڑا ہونے کی وجہ سے مذاق میاں کے گھرانے سے ہمارے خاندان کے قریبی تعلقات کا زیادہ بہتر مشاہدہ کیا ہے اور پھر یہ کہ محترم ابرار علی صدیقی ان کے پھوپی زاد بھائی اور مذاق میاں کے پرپوتے ہیں۔ اس لئے ان کی فراہم کردہ معلومات زیادہ معتبر ہیں۔

علاوہ ازیں میرے دادا کے اعزا و اقارب اور مشہور خاندان وہی آٹھ دس خاندان ہیں جن کا حوالہ کلمتہ باقیہ میں دیا گیا ہے اور اب تک یہ خاندان دہائیوں سے بڑھ کر سیکڑوں کی تعداد کو پہنچ چکے ہیں جن کی نہ میرے پاس تفصیلات موجود ہیں اور نہ ان کو بیان کرنے کا یہ محل ہے۔ ہاں ان میں بعض خاندان ایسے ہیں جن سے

تشکیل پاکستان تک رابطہ تھا مگر تقسیم ہند نے رشتوں کو بھی تقسیم کر دیا۔ کچھ ادھر اور کچھ ادھر رہ گئے۔ کچھ برصغیر سے باہر چلے گئے۔ یہ تحریر ان ہی ٹوٹے ہوئے رشتوں کو جوڑنے کی ایک ناکام سی کوشش ہے۔

ٹوٹا ہوا شیشہ کبھی جوڑا نہیں جاتا
جوڑو گے تو احساس زیاں اور بڑھے گا

ویسے بھی میں نے اپنی تحریر میں ماضی پر زیادہ زور نہیں دیا ہے اس لئے کہ پچھلے شجرے اول تو دستیاب نہیں اور جو ہیں بھی وہ میری نظر میں بہت زیادہ معتبر بھی نہیں۔ تاریخ کی اکھیڑ پچھاڑ نے قوموں کے نام مٹا دیئے ہیں تو پھر خاندان اور افراد کی کیا حیثیت اکثر شجرے بالفعل ہیں جنہیں روایتوں اور قیاس سے مکمل کیا گیا ہے اور وہ مکمل بھی نامکمل ہیں چونکہ ہر خاندان میں کچھ نہ کچھ شادیاں باہر ہوتی رہی ہیں طرح طرح کی ملاوٹیں ہوتی ہیں تو میں ذاتی طور سے ان شجروں پر زیادہ اعتبار بھی نہیں رکھتا۔ حقیقت یہ ہے کہ سب شجرے ختم ہو جائیں گے صرف سرکار دو عالمؐ کا نسب باقی رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے ماضی کی تلاش میں قبریں کھودنے کے بجائے حال کو سمجھنے کے لئے گھر جھانکنے کا رویہ اختیار کیا ہے جو گزر گئے وہ گزر گئے۔ اب جو گزرنے والے ہیں اور جن کے گزرنے میں ابھی وقت ہے وہ بھی اگر مربوط ہو جائیں تو موجودہ معاشرتی حالات میں یہ بڑی بات ہے۔ بظاہر ایسا ہونے کا امکان بہت بعید ہے اسی لئے میں نے ان معلومات کو جو میرے پاس ہیں ضبط تحریر میں لانے کی کوشش کی ہے کہ آئندہ نسل میں کسی کو پیچھے مڑ کر دیکھنے کی فرصت نہ سہی وہ کم از کم ادھر ادھر تو آنکھ کھول کر دیکھ لیں تو سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے عرض یہ کرنا ہے کہ میری دادی میرے دادا کی دوسری بیوی اور بدایوں کی ایک معزز شخصیت نذر حسین صدیقی کی بیٹی تھیں جو بدایوں کی چھوٹے نام رکھنے کی روایت کے مطابق "ککا" کہلاتی تھیں۔ بدایوں میں یہ عجیب بات تھی کہ یا تو نام بگاڑ کر لئے

جاتے تھے یا ان میں "ی" یا "الف" یا "واؤ" کا اضافہ کردیا جاتا تھا یا پھر کسی طور پر اصل نام سے مشتق کوئی چھوٹا نام رکھ لیا جاتا تھا مثلاً "نام مجتہد الدین ہے "جدی" کہلاتے تھے۔ کون بدایوں کی انتہائی معزز شخصیت ہم سب کے بزرگ امیر احمد مینائی کے قابل ذکر شاگرد عیش بدایونی جنہوں نے محولہ بالا کتاب کلمتہ باقیہ پر نظر ثانی کی ہے ایک اور بزرگ حسنین احمد جو منور بدایونی اور محشر بدایونی کے والد تھے "حسی" کہلاتے تھے ان کے ایک بھائی نیاز بدایونی کے دادا اکرام احمد شاد بدایونی "نبی" کہلاتے تھے۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے والد "دھمو" جن کی کوٹھی مشہور تھی۔ خود دلاور فگار بدایونی "دلو" کہلاتے تھے میرے تایا حبیب اصغر "حبی" چچا محمد یونس "انو" ایک اور معزز شخصیت کفیل احمد "کفی" طفیل احمد "طفی" زوار حسین "زوی" مشہور پیڑے والے "ممن" ایک دوکاندار جمی جن کے نام سے سوتھ کا چوک جمی چوک موسوم تھا مشہور مہندی والے "سلا" "وللہ" نام سلیم اللہ اور ولی محمد اسی طرح "حبو" "شکن" "گٹو" "تلن" اور سب ناموں میں ایک اصول موجود تھا کہ ہر نام سہ حرفی اور دوسرا حرف مشدد اور اگر نام الف پر ختم ہوتا ہے جیسے عطایا رضا تو چھوٹا نام "عطو" اور "رضو" یعنی الف کی جگہ حمزہ! بات صرف انہی تک نہیں بلکہ بڑے مشہور معزز اور نام آور خاندانوں کی خواتین کے بھی ایسے ہی چھوٹے نام ہوتے تھے واحد بخش قادری کی والدہ محترمہ "بندو" عیش بدایونی کی بیگم "پھندا" تصویر حسین کی والدہ "چھٹو" میری والدہ "ابن" بلکہ اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب قسم کے نام وامق بدایونی کی والدہ "اپا" علی حاتم کی زوجہ "ببا"۔ نبی رضا کی بیگم "چندی" "چنا" ننو' رضو' ذکو' ببی' بیا' بلو' بجو' رقو' زلو' اکی' یہ سب بڑی باوقار اور اونچے خاندان والی خواتین کے نام ہیں نہ جانے اہل بدایوں نام بگاڑنے کے اس قدر شوقین کیوں تھے۔ شاید یہ بھی خلوص و قربت کا ایک مظہر تھا۔ خیر میں عرض کررہا تھا کہ میری دادی کا ایسا ہی نام "ککا" تھا وہ

مولوی نذر حسین صدیقی کی بیٹی تھیں ان کے چار اور بہنیں تھیں بھائی کوئی نہیں تھا بڑی بہن سے متعلق مجھے زیادہ معلومات نہیں صرف اتنا علم ہے کہ ان کے ایک بیٹی تھیں جن کی شادی مفتی لطف کے بڑے بھائی فضل احمد کے بیٹے حسین احمد سے ہوئی تھی ان کے ایک بیٹی عزیزہ خاتون جو میرے والد کی رضاعی بہن تھیں اور دوسری بیٹی مومنہ خاتون اور ایک بیٹے عابد حسین تھے۔ ان کی تیسری بیٹی کا شادی کے بعد انتقال ہو گیا۔ عزیزہ خاتون کی شادی شہر کے مشہور و معروف وکیل جناب شفیع الدین احمد سے ہوئی تھی ان کے دو بیٹیاں اور دو بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے وصی الدین احمد تھے۔ مومنہ خاتون کی شادی ڈپٹی ابراہیم حسن کے دوسرے بیٹے جناب مزمل حسین سے ہوئی تھی۔ یہ میرے والد کے رضاعی بھائی تھے۔ یعنی دونوں میاں بیوی سے میرے والد کی شرعی قربت اتنی زیادہ تھی کہ شوہر دودھ شریک بھائی اور بیوی دودھ شریک بہن اسی قربت کے سبب میں نے ان کی اولاد کا شجرہ اپنے چچا تایا اور پھوپیوں کی طرح شامل کیا ہے۔ مومنہ خاتون کے ایک بھائی عابد حسین تھے جن کا انتقال جوانی میں ہو گیا۔ ان کی بیٹی فرحت عابد اب مقصود حسین کی بیگم ہیں۔

میری دادی کی دوسری بہن یعنی منجھلی نے تشیع قبول کر لیا تھا ان کی شادی شیعہ خاندان میں ہوئی تھی۔ وہ لاولد تھیں۔ والد مرحوم انہیں منجھلی خالہ کہتے تھے۔ مجھے ان کی آخر زمانے کی کچھ جھلکیاں یاد ہیں۔ اپنے بھانجی بھانجوں سے بے حد محبت کرتی تھیں اولاد کی طرح۔ کسی کے بیٹا پیدا ہو تو بہت خوش ہوتیں لڑکی کی پیدائش پر ملول ہوتی تھیں۔ ان سے چھوٹی یعنی دادی مرحومہ کی تیسری بہن بدایوں کے مشہور طنز و مزاح کے شاعر جناب علی حاتم کی زوجہ تھیں۔ یہ بہترین طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کرتے تھے۔ محلہ اور شہر کے واقعات سے لے کر بر صغیر میں رونما ہونے والی تہذیبی اور تمدنی تبدیلیوں تک تمام موضوعات ان کی شعری گرفت میں تھے۔ مثال کے طور پر چند اشعار ان کے پس منظر کے ساتھ تحریر کرتا ہوں۔ واقعہ کتنا معمولی ہے کہ

بدایوں کے معزز و معروف بزرگ جو ایک ٹانگ سے معذور تھے وہ بیساکھیوں پر چلنے کے باوجود رفتار میں پھرتی اور مزاج میں قدرے تیزی تھی۔ صحافی تھے ایک اخبار "العدل" کے ایڈیٹر اور پبلشر تھے علی حاتم بدایونی کے ہم عصر دوست بھی اور غالبا" عزیز بھی اور اگر عزیز نہیں تو قریب ضرور تھے۔ اسم گرامی جناب لطافت ہاشمی انہوں نے نظر ٹیسٹ کروا کے نمبری چشمہ لگانا شروع کیا اور غالبا" مراد آباد یا بریلی سے اس کا فریم خریدا۔ یہ بدایوں کا وہ زمانہ تھا کہ جب چشمہ کی ٹوٹی ہوئی کمانی بدلوانہ بھی ترقی پسندی تھی ورنہ کام چلانے والے تو ٹوٹی ہوئی کمانی کی جگہ ڈوری باندھ کر کام چلاتے تھے۔ ایسے پس منظر میں کسی بڑے شہر سے فریم خرید کر لانا تو تمول اور ترقی پسندی کی علامت تھی۔ چنانچہ اس فریم کے بہت چرچے رہے۔ علی حاتم کو موضوع ہاتھ آگیا۔ انہوں نے معذوری کی بنیاد پر بیساکھیوں کا سہارا لینے کے تصور کو کس طرح نظم کیا ہے ملاحظہ

اس درجہ ضعف چشم نے معذور کردیا
نظریں بھی تھک کے رہ گئیں جلووں کی راہ میں
پیش نظر جناب کے عینک کا شغل ہے
بیساکھیاں لگائی ہیں پائے نگاہ میں

بدایوں میں کوئی بزرگ ڈپٹی کلکٹر تھے ان کی ترقی ہوئی اور کلکٹر کے عہدے پر تقرر کر کے ضلع بستی میں تعینات کردیئے گئے۔ انگریزی دور کی ترقی وغیرہ کو قدامت پسند لوگ کوئی اعزاز نہیں سمجھتے تھے چنانچہ ارشاد ہوا کہ

ہوا میں مچھلیاں پانی میں مسکن ہے پرندوں کا
عجب کایا پلٹ ہے اس برس اقلیم ہستی میں
تمدن کے زمانے کا ترقی یافتہ الو!
بجائے دشت کے بولا کرے گا جا کے بستی میں

مولوی سلیمان بدایوں کی ایک مشہور و معروف اور معزز شخصیت نے کسی الیکشن میں حصہ لیا ان کے چیف ورکر اور حمایتی ایک ٹانگ سے معذور تھے۔ انہوں نے مولوی سلیمان کی کامیابی کے لئے بہت بھاگ دوڑ کی مگر نتیجہ الٹا نکلا۔ موصوف نے موضوع پایا اور ارشاد فرمایا۔

اٹھایا تھا جسے لنگڑے نے اپنی پائمردی سے
زمیں میں دھنس گیا پایا وہی تخت سلیمان کا

بدایوں میں ایک مشہور ڈاکٹر رائے زادے تھے۔ اکثر متوسط اور متمول خاندانوں کے وہی معالج تھے ان کے ہاں بہت رش رہتا تھا۔ یا پھر اہل بدایوں "مزارات کے فیضان" کا عقیدہ رکھتے تھے اور علاج و امراض اور مصائب میں اولیائے کرام کے مزاروں کا رخ کرتے تھے۔ یعنی مرض سے شفایابی کے دو ظاہری ذرائع تھے۔ ایک "رائے زادے" دوسرے "پیرزادے" ہوا یوں کہ بدایوں کے مضافات میں ایک گاؤں تھا جس کا نام تھا "برسوا" اس میں کوئی سفلی عامل آگیا۔ اس کے ہاں سے مریضوں کو شفا ملنے لگی جوق درجوق لوگ اس کے پاس جانے لگے۔ پورے شہر میں "برسوئے" کے تذکرے ہونے لگے۔ علی حاتم بدایونی کو عنوان مل گیا چنانچہ ارشاد ہوا کہ

برسوئے میں آب تسخیر اتنا برسا اس برس
حاجتی بیمار جتنے تھے وہاں. پر سب گئے
حیف ہے دو ہستیوں کی ہوگئی مٹی پلید
رائے زادے بچ گئے اور پیرزادے دب گئے

شرفائے بدایوں میں اگر کسی کو پولیس یا عدالت میں طلب کرلیا جائے تو یہ بڑی معیوب بات تصور کی جاتی تھی۔ مگر فضا چونکہ جاگیردارانہ تھی اس لئے مقدمہ بازیاں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ بدایوں کے دو گاؤں تھے۔ ایک کا نام "رحمہ" تھا

دوسرے کا "بھینسا مئی" اس پر جناب یوسف اور جناب لطافت ہاشمی کے درمیان کوئی تنازعہ ہوا اور مقدمہ درج کردیا گیا۔ علی حاتم بدایونی نے "لطافت کی کہانی انہیں کی زبانی" ایک نظم لکھی۔ سودا کی مشہور زمین میں "تری آواز مکہ اور مدینے" ذرا زبان کی نزاکت اور رعایت لفظی کی مناسبت سے ملاحظہ ہو۔ مجھے چند اشعار یاد رہ گئے ہیں جو میرے والد صاحب مرحوم نے مجھے سنائے تھے۔ ویسے یہ میرے ہوش سے پہلے کی بات ہے۔

لکھتے ہیں

عجب منحوس سنہ چالیس آیا
ہوئے سب کام میرے بے قرینے
رپٹ یوسف نے جب مجھ پر لکھائی
پولیس نے کاٹ کر بھیجے سفینے
زمینداروں میں جو تھے دوست میرے
ضمانت تک نہ کی میری کسی نے
سلیماں نے ہوا میری اڑائی
مجھے چوپٹ کیا فضل علی نے
نگاہ قہر سے "رحمہ" نے دیکھا
دولتی جھاڑ دی "بھینسا مئی" نے

ذرا ملاحظہ فرمائے سب کام "بے قرینہ" ہونے کا انداز کہ "رپٹ یوسف نے لکھائی ----- سلیماں نے ہوا اڑائی ----- فضل علی نے چوپٹ کیا ----- رحمہ نے قہر سے دیکھا ----- بھینسا مئی نے دولتی جھاڑ دی جو ذوق شعری رکھتے ہیں اندازہ کرسکتے ہیں کہ یہ مزاح لکھنا کوئی مذاق نہیں ہے۔ بات صرف مقامی مسائل واقعات کی ہی نہیں قومی ملکی اور تہذیبی مسائل پر بھی چند قطعات ملاحظہ

ہوں۔

جانے کس لیڈی پہ ہوتا ممبری کا جن سوار
جانے اب کے کونسی خدمت گزار آنے کو تھی
لو مبارک کردیا پٹ جھاڑ لوکل سیلف نے
وہ چمن ہی مٹ گیا جس میں بہار آنے کو تھی

مندرجہ بالا قطعہ میں ایک لوکل سیلف آرڈیننس کا حوالہ ہے۔ جس کی رو سے خواتین کی نشست کے متوقع انتخابات ملتوی ہوئے تھے۔ اسی طرح صیغئہ تعلیم کی جانب سے لڑکیوں کو تعلیم میں خصوصی رعایت دینے کے اعلان پر فرماتے ہیں۔

ہے رعایت صیغئہ تعلیم کے مدنظر
عورتیں مردوں سے بھی آگے رہیں اس راہ میں
لڑکیاں لڑکوں سے کچھ پہلے فراغت پائیں گی
ان کو محنت کا ثمر مل جائے گا نو ماہ میں

ایک دوسرا قطعہ اسی موضوع پر

لڑکیاں کالج میں جائیں پر رہے اتنا خیال
نیک نامی اور بدنامی ہے ان کے ہاتھ میں
صاف کہہ دیں ہم کو خطرہ ہے فقط اس بات کا
کوئی ڈپلومہ نہ لائیں یہ سند کے ساتھ میں

اسی طرح مشترکہ تعلیم پر یوں اظہار خیال کرتے ہیں

ہے مناسب مشترک تعلیم کی نشوونما
لڑکیوں کی ہر طرح ہمت بڑھانی چاہیئے
محمل لیلیٰ کا ٹکڑا ہاتھ آجائے اگر
اس کی چادر قبر مجنوں پر چڑھانی چاہیئے

یہ چند اشعار میں نے اس لئے نقل کردیئے کہ لوگوں کو اندازہ ہوسکے کہ بدایوں نے صرف فانی، شکیل، دلاور فگار، منور بدایونی، محشر بدایونی اور علامہ حیرت ہی پیدا نہیں کئے بلکہ علی حاتم بدایونی جیسے نہ جانے کتنے ہیں جو اپنا حق شہرت حاصل نہیں کرسکے۔ مختصر یہ کہ علی حاتم بدایونی کا نام اسی حوالے سے آگیا کہ مرحوم میرے والد کے حقیقی خالو یعنی میری دادی کی تیسری بہن کے شوہر تھے۔ نسلاً" صدیقی اور مسلک کے لحاظ سے شیعہ تھے۔ مگر نام کے ساتھ صدیقی ہمیشہ رہا۔ ان کے ایک بیٹی ساجدہ خاتون جن کی شادی مشہور ایڈوکیٹ جناب فضل علی کے بڑے بھائی مولوی ناد علی کے ساتھ ہوئی تھی جو کراچی آکر جٹلینڈ لائنز میں میرے برابر والی جھگی میں مقیم رہے۔ جبکہ بدایوں میں ان کا مکان جس کا تذکرہ آچکا ہے ایسا تھا کہ اس کے اندر ایک نہانے کا تالاب اور چھوٹا سا خوبصورت باغیچہ موجود تھا۔ علی حاتم کے ایک بیٹے علی ناظم صدیقی تھے جن کی ایک بیٹی مبشرہ خاتون اور بڑے بیٹے علی حاکم صدیقی تھے۔ ان دونوں کی والدہ برجیس فاطمہ میری حقیقی بھابی تھیں جن کا انتقال کراچی میں ہوا۔ اب مبشرہ خاتون اور علی حاکم دونوں کا انتقال ہوچکا ہے۔ مگر ان کی اولادیں کراچی میں موجود ہیں جن کا ذکر آئندہ آئے گا۔

میری دادی کی چوتھی بہن کاظمی خاتون تھیں جن کی شادی ڈپٹی ابراہیم حسن سے ہوئی تھی۔ ان کے بڑے بیٹے بیرسٹر منظور حسین تھے جو انگلستان سے "بار ایٹ لا" کرکے آئے تھے اور علی گڑھ میں سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ علی گڑھ یونیورسٹی میں قانون کے پروفیسر بھی تھے پھر تشکیل پاکستان کے بعد کراچی آگئے اور ناظم آباد "ہمایوں لاج" میں رہائش پذیر رہے۔ ہمایوں ان کے اکلوتے بیٹے کا نام تھا جن کا انتقال شادی کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ہوگیا۔ ان کی شادی ڈاکٹر افضال قادری کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ ان کے اب دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ بیٹوں کے نام شہاب ہمایوں اور ممتاز ہمایوں ہیں اور لڑکیوں کے نام درخشاں ہمایوں، کہکشاں ہمایوں اور

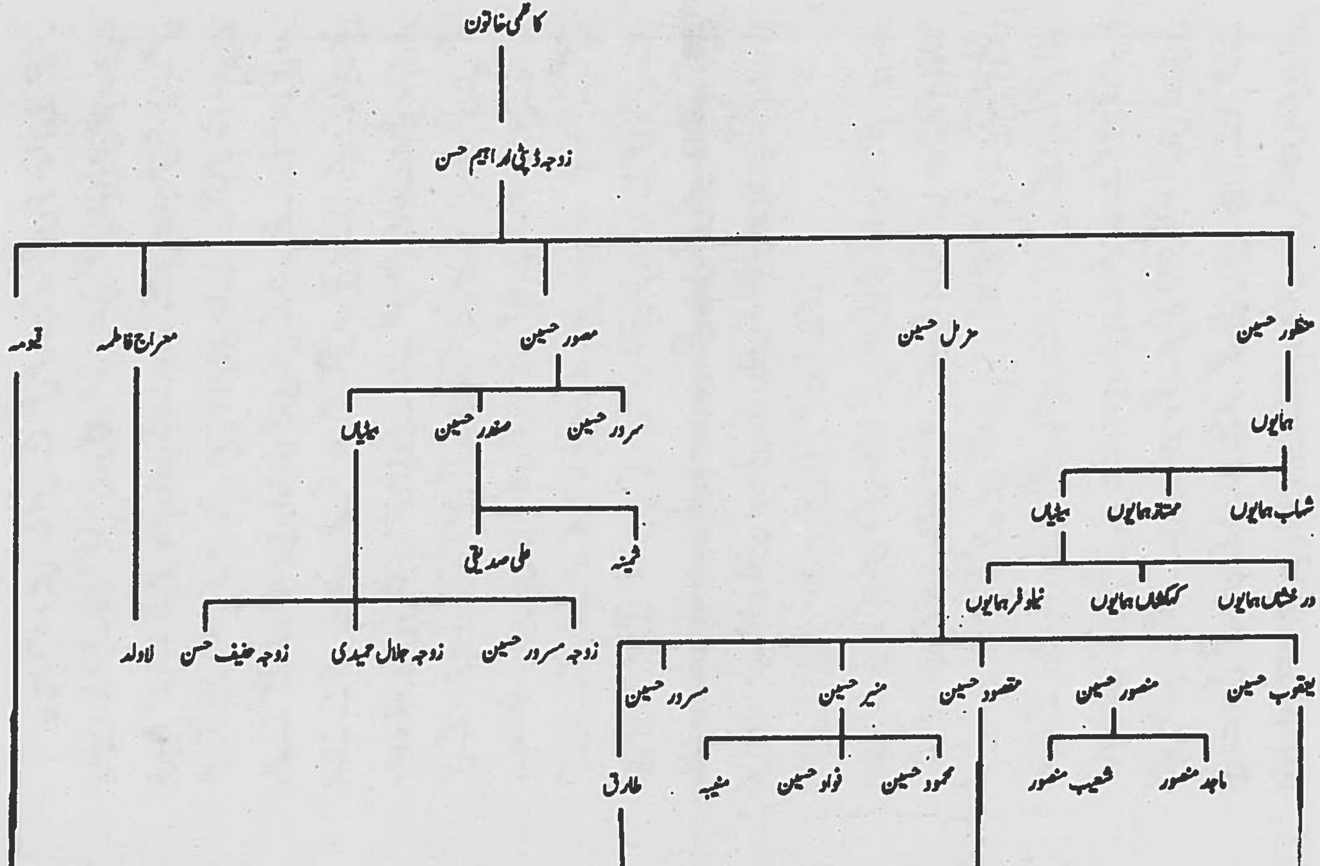

کاظمی خاتون
زوجہ ڈپٹی ابراہیم حسن
منظور حسین
مزمل حسین
معصور حسین
معراج فاطمہ
قیومہ
ہمایوں
شہاب ہمایوں
ممتاز ہمایوں
بیٹیاں
درخشاں ہمایوں
کہکشاں ہمایوں
نیلوفر ہمایوں
سرور حسین
صفدر حسین
بیٹیاں
ثمینہ
علی صدیقی
زوجہ مسرور حسین
زوجہ جلال حمیدی
زوجہ حنیف حسن
لاولد
یعقوب حسین
منصور حسین
مقصود حسین
منیر حسین
مسرور حسین
ماجد منصور
شعیب منصور
محمود حسین
فواد حسین
منیبہ
طارق

٦٠

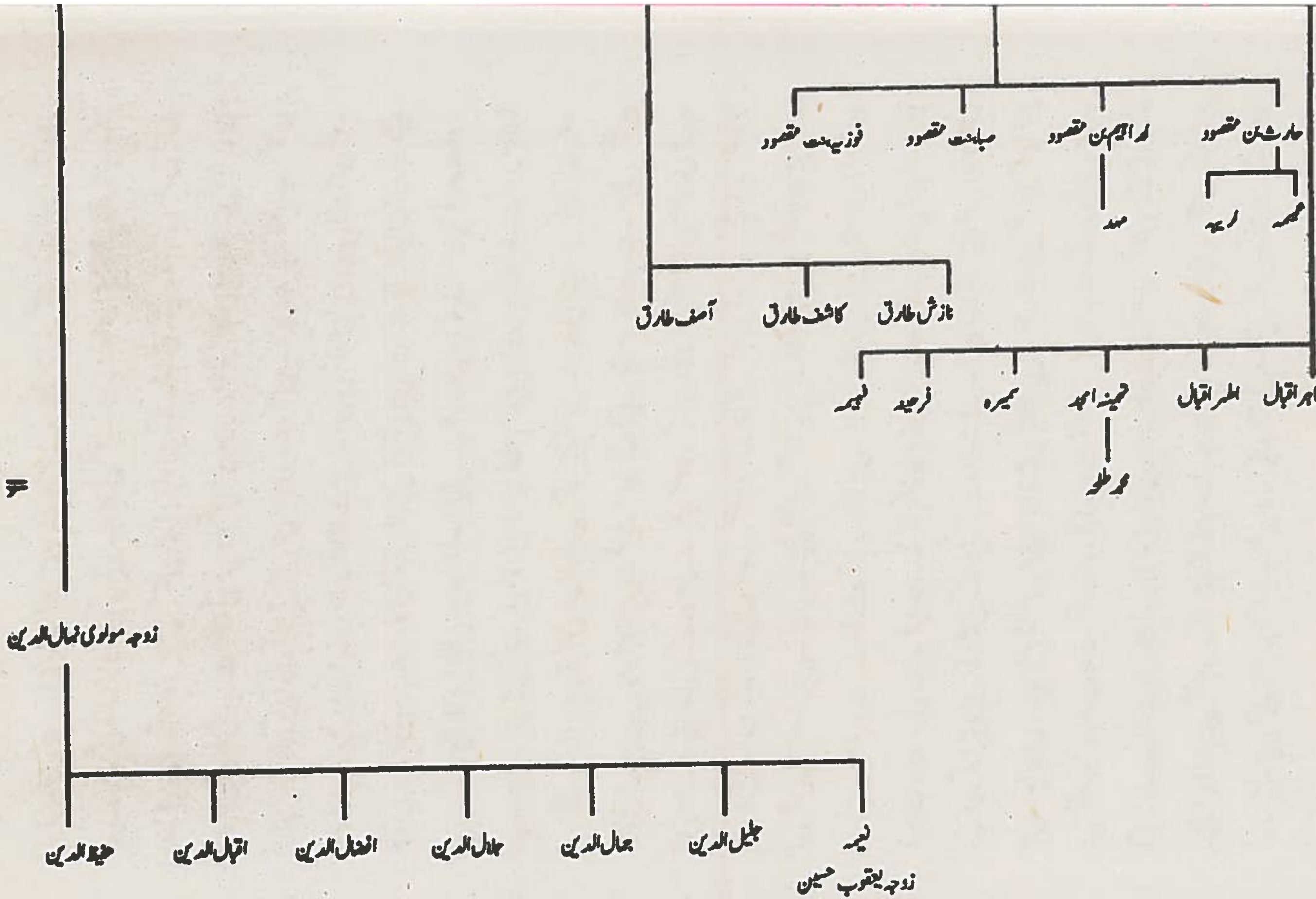
حارث بن مقصود
ابراہیم بن مقصود
صبا بنت مقصود
فوزیہ بنت مقصود
نازش طارق
کاشف طارق
آصف طارق
طاہر اقبال
اطہر اقبال
ثمینہ احمد
سمیرہ
محمد طٰہٰ
زوجہ مولوی کمال الدین
نعیمہ
زوجہ یعقوب حسین
جلیل الدین
جمال الدین
جلال الدین
افضال الدین
اقبال الدین
حفیظ الدین

نیلو فرہمایوں ہیں۔ ڈپٹی ابراہیم حسن کے دوسرے بیٹے مزمل حسین تھے ان کی شادی میرے والد کی خالہ زاد بہن کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ میرے والد اپنی خالہ زاد بہن کے رضاعی بیٹے تھے اور مزمل حسین میری دادی کے رضاعی بیٹے تھے اس طرح اس خاندان کی طرفین سے انتہائی قربت تھی ان دونوں کا تو انتقال ہو چکا ہے مگر ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد کراچی میں ہی موجود ہے۔ ان کے بڑے بیٹے یعقوب حسین سے میرے برادرانہ اور دوستانہ تعلقات ہیں۔ ان کی شادی اپنی پھپھی زاد بہن نعیمہ خاتون سے ہوئی ہے جو مولوی' نہال الدین کی بیٹی ہیں ان سے چار بیٹیاں اور دو بیٹے ہیں۔ ایک بیٹا طاہر اقبال دوسرا اطہر اقبال ہے اور بیٹیاں تہمینہ' سمیرہ' فرحینہ اور فہیمہ ہیں۔ ان میں تہمینہ کی شادی خواجہ نظام الدین قادری کے نواسے اور مولانا عبدالقدیر کے پرپوتے یعنی عبدالوہاب کے بیٹے امجد سے ہوئی ہے جس کی والدہ نجمہ خاتون میری پھپھی زاد بہن ہیں۔ تہمینہ امجد کے ایک بیٹا محمد طلحہ ہے۔ مزمل حسین یعنی ہمارے چچا میاں کے دوسرے بیٹے منصور حسین تھے جن کا انتقال سعودی عرب میں ہو گیا۔ ان کے دو بیٹیاں سعدیہ منصور اور صائمہ منصور اور دو بیٹے ماجد منصور اور شعیب منصور ہیں۔ تیسرے بیٹے مقصود حسین ہیں۔ خاصی مذہبی شخصیت ہیں اور ان میں بدایونیت کے خاصے آثار ملتے ہیں۔ ان کی شادی ان کی ماموں زاد بہن فرحت سے ہوئی ہے۔ فرحت نے علی گڑھ یونیورسٹی سے انگریزی میں ایم اے کیا ہے اور کراچی میں تدریس کے پیشہ سے وابستہ ہیں۔ ان کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ چاروں اپنے نام خالص عربی انداز میں لکھتے ہیں۔ حارث بن مقصود' ابراہیم بن مقصود' صباحت بنت مقصود اور فوزیہ بنت مقصود۔ پھر حارث کے دو بیٹیاں ہیں۔ ایک عصیمہ بنت حارث اور دوسری اریبہ بنت حارث۔ مقصود حسین کے چھوٹے بیٹے ابراہیم بن مقصود کے بیٹے کا نام مہد ہے۔ اس کے علاوہ مزمل حسین کے تین اور بیٹے ہیں ایک مسرور' ایک منیر اور ایک طارق۔ منیر حسین کے دو بیٹے محمود

حسین اور فواد حسین ہیں اور بیٹی منیبہ ہے۔ طارق حسین کے ناز ش طارق ایک بیٹی ہے اور دو بیٹے کاشف طارق اور آصف طارق ہیں۔ ڈپٹی ابراہیم حسن کے چھوٹے بیٹے مصور حسین تھے ان کی شادی ماسٹر باقر حسین کی بڑی بیٹی سے ہوئی تھی۔ مصور حسین کو ہم چھوٹے چچا کہتے تھے۔ انہوں نے علی گڑھ یونیورسٹی سے تعلیم مکمل کر کے سرکاری ملازمت اختیار کرلی تھی اور اسی نسبت سے پاکستان ہجرت کی۔ آخر زمانے میں اردو بورڈ سے وابستہ ہوگئے تھے۔ ان کے دو بیٹیاں ایک رفیعہ جس کی شادی مزمل حسین کے بیٹے مسرور حسین سے ہوئی ہے دوسری بیٹی روبینہ ہے جس کی شادی جلیل حمیدی سے ہوئی ہے ان کے ایک بیٹی مہ جبیں حمیدی ہے۔ دونوں بیٹوں میں بڑے سرور حسین اور چھوٹے صفدر حسین ہیں۔ سرور حسین کی شادی محشر بدایونی کی بیٹی (مرحومہ) سے ہوئی تھی اور صفدر حسین کی شادی ان کی خالہ زاد بہن ماسٹر ظہور کی بیٹی سے ہوئی ہے جن کے ایک بیٹی ثمینہ اور بیٹا علی صدیقی ہے۔ ڈپٹی ابراہیم حسن کے ان تین بیٹوں کے علاوہ دو بیٹیاں تھیں بڑی معراج فاطمہ (بوجی) کی شادی ان کے تایا زاد بھائی قاسم حسن کے بڑے بیٹے حنیف حسین سے ہوئی تھی۔ ان کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ دوسری بیٹی قیومہ تھیں جن کی شادی ڈپٹی فصیح الدین کے بھتیجے اور بدایوں کے ایک مشہور اور معزز وکیل مولوی نہال الدین سے ہوئی تھی۔ ان کی بیٹی نعیمہ خاتون مزمل حسین کے بیٹے یعقوب حسین کی بیگم ہیں۔ ان کے علاوہ مولوی نہال الدین کے چھ بیٹے تھے سب سے بڑے بیٹے حفیظ الدین تھے جن کا انتقال ہو چکا ہے ان کے علاوہ پانچ اور بیٹے ہیں جن کے نام اقبال الدین، افضال الدین، جلال الدین، جمال الدین اور جلیل الدین ہیں۔

ڈپٹی ابراہیم حسن کے بڑے بھائی قاسم حسن کا جو ذکر اوپر آیا ہے ان کی زوجہ میری دادی کی چچا زاد بہن تھیں۔ ان کے بیٹے حنیف حسین، جعفر حسین، باقر حسین، ریاض حسین اور ذاکر حسین تھے۔ جعفر حسین کے ایک بیٹا صدیق حسین ہے

جو ہندوستان میں ہے۔ میرا اسکول فیلو بھی رہا ہے۔ ریاض حسین کے دو بیٹے مصطفےٰ حسین اور مسعود حسین تھے۔ مصطفےٰ حسین سے میری بے تکلفانہ دوستی تھی جن کا انتقال ہوچکا ہے۔ اللہ جنت نصیب کرے انتہائی نیک نفس اور سادہ مزاج شخصیت تھی۔ ان پانچ بھائیوں میں باقر حسین گورنمنٹ اسکول میں استاد تھے بہت بھاری بھرکم شخصیت' سنجیدہ مزاج بدایوں میں خاصے معروف تھے۔ ان کی زوجہ اول سے ایک بیٹا اور دو بیٹیاں تھیں۔ بڑی بیٹی رقیہ زوجہ منصور حسین دوسری زلیخاء زوجہ اکبر الدین حسن اور بیٹے شاہد حسین تھے۔ زوجہ ثانی سے دو بیٹے واجد حسین اور اشہد حسین ہیں۔ اشہد کراچی میں ہیں اور واجد حسین جو ڈاکٹر ہیں میرے اسکول کے ساتھی ہیں اور فی الحال امریکا میں مقیم ہیں ان کے بچوں کے ناموں کا مجھے علم نہیں لیکن اتنا معلوم ہے کہ ان کے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے۔ ہوسکتا ہے خدا کے فضل سے کچھ اضافہ ہوچکا ہو۔ اشہد کے ایک لڑکا محمد عمر اور دو لڑکیاں ہیں۔ ماسٹر باقر حسین کے چار لڑکیاں اور ہیں۔ ایک کی شادی ظہور الحسن سے ہوئی ہے۔ دوسری کی جمشید سے تیسری کی تصویر حسین حمیدی سے اور چوتھی مزمل حسین فرشوری سے۔ ان میں ظہور الحسن صاحب گورنمنٹ اسکول میں استاد تھے۔ اس نسبت سے میں ان کا شاگرد ہوں۔ جمشید صاحب والی بال کے بہت مشہور کھلاڑی تھے۔ تصویر حسین ایک تاریخ داں ہیں۔ میرے اسکول کے ساتھی اور دوست ہیں اور مزمل حسین فرشوری بدایوں میں میرے اسکول کے ساتھی رہے ہیں اور کراچی کے اردو کالج میں بھی ابتدائی زمانے میں بحیثیت لیکچرار میرے ساتھی تھے۔

ان کے علاوہ ایک اور خاندان میری دادی کی خالہ زاد بہن بھائیوں کا ہے۔ جو مولوی غلام قنبر کی اولاد ہیں۔ یہ میری دادی کے خالو تھے جن کے نواسے عثمان مرتضیٰ جو عتیق کے نام سے معروف ہیں میرے رشتہ کے چچا ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے نانا کے بڑے بھائی غلام شبر کے دستی نسخہ کا عکس مجھے عنایت فرما کر بہت سے

شجروں کے متعلق میری معلومات میں اضافہ کیا ہے۔ ان کے بڑے بھائی مرتضیٰ احمد برکاتی بھی بڑے احساس قرب اور شفقت کے ساتھ ملنے والے بزرگوں میں تھے ان کے نانا مولوی غلام قنبو کے ایک بیٹے مولوی ظہور حسن تھے جو میری دادی کی خالہ کے بیٹے تھے۔ ان کے گھرانے سے بھی خاصی قربت تھی۔ ان کے بڑے بیٹے غلام اسحاق سے میری بڑی بے تکلفی اور دوستی تھی۔ ان کا جوانی میں انتقال ہوگیا۔ اللہ جنت نصیب کرے مرحوم بڑے سادہ مزاج اور رشتوں کا احترام کرنے والے انسان تھے۔ ان کی چھوٹی بہن اسماء ہیں وہ بھی رشتوں کا بڑا لحاظ رکھتی ہیں۔ میری رشتہ کی بھابھی بھی ہوتی ہیں اور چچی بھی مگر ہیں میری ہم عمر بلکہ مجھ سے کچھ کم تو یہ باتیں تو میرے والد صاحب مرحوم کی نسبت سے میرے شجرہ سے متعلق تھیں اب والدہ مرحومہ کی نسبت سے عرض کروں کہ وہ بھی صدیقی خاندان سے تھیں مگر ان کے خاندان والے اپنی نسبت بالکل اول سے بیان کرنے کے بجائے درمیان میں قاضی محمد جلیس سے بیان کرتے ہیں اور اسی نسبت سے خود کو قاضی اور جلیسی لکھتے ہیں۔ قاضی محمد جلیس کے اخلاف کے نسب نامہ میں میرے نانا قاضی غلام سبطین اور ان کے دو بڑے بیٹوں تک کے نام شامل ہیں۔

میرے نانا کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ پہلی بیوی سے قاضی محمد حسنین قاضی سید حسنین اور انور فاطمہ تھیں۔ قاضی محمد حسنین بدایوں سے ترک سکونت کر کے حیدر آباد دکن منتقل ہو گئے۔ انور فاطمہ بھی حیدر آباد چلی گئیں اور اپنے شوہر واثق بدایونی کے ساتھ وہیں مقیم رہیں ان کے ایک بیٹی فرزانہ تھی جناب محمد حسنین اور ان کی اولاد سے کوئی رابطہ نہیں تقریباً" پچاس سال بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوئے کہ وہ بدایوں تشریف لائے تھے۔ یہ میری کم عمری کا زمانہ تھا مجھے جہاں تک یاد ہے ان کے پانچ بیٹے تھے۔ بڑے کا نام ابوالحسنین تھا ان سے چھوٹے آل حسنین ان سے چھوٹے افضال حسنین تھے۔ ان سے چھوٹے وقار حسنین اور جواد

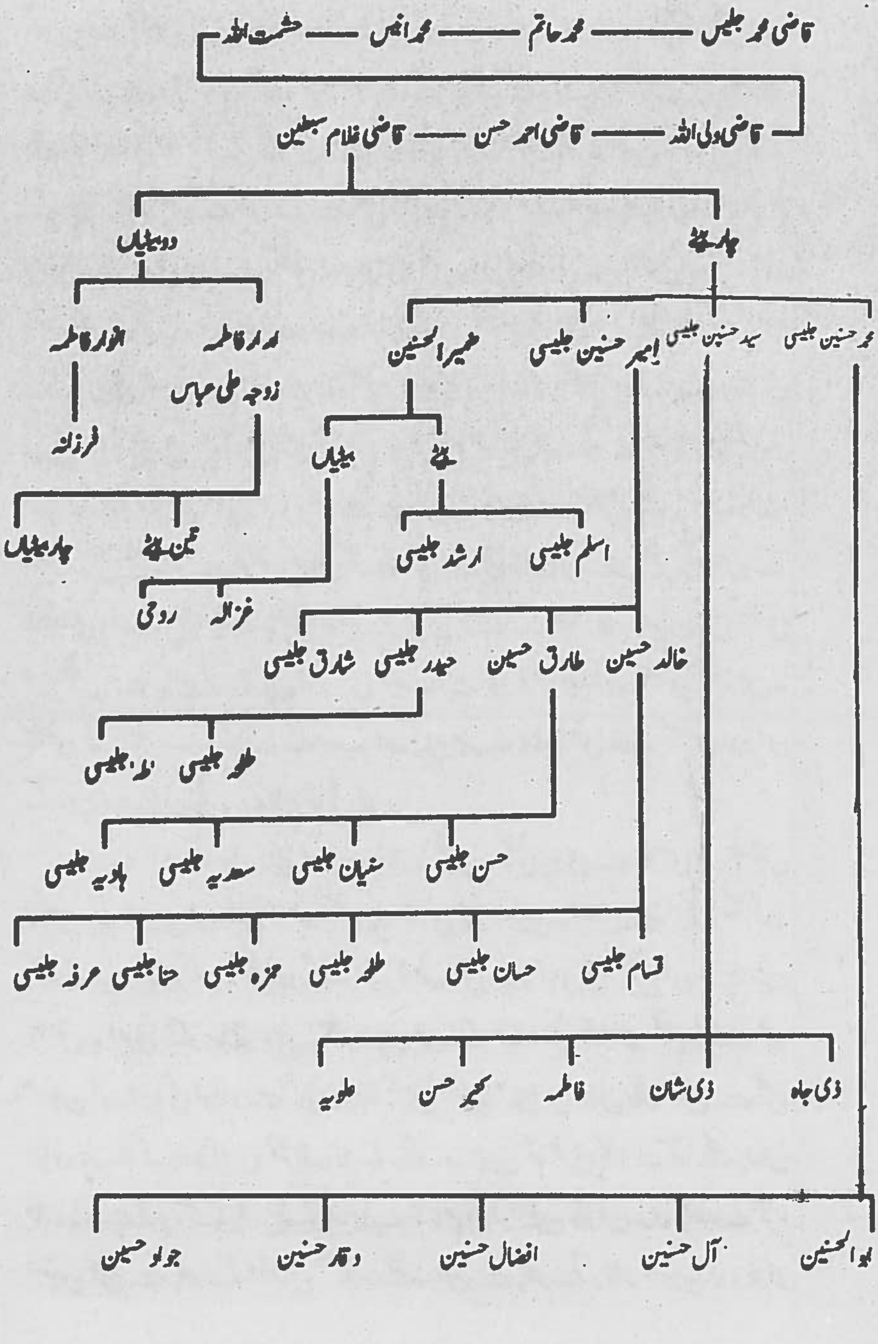
قاضی محمد جلیس — محمد حاتم — محمد انیس — حشمت اللہ
قاضی ولی اللہ — قاضی احمد حسن — قاضی غلام سبطین
دو بیٹیاں
چار بیٹے
زوجہ علی عباس
فرزانہ
تین بیٹے
چار بیٹیاں
غزالہ
روحی
محمد حسنین جلیسی
سید حسنین جلیسی
امیر حسنین جلیسی
عمیر الحسنین
بیٹے
بیٹیاں
اسلم جلیسی
ارشد جلیسی
خالد حسین
طارق حسین
حیدر جلیسی
شارق جلیسی
طلحہ جلیسی
حسن جلیسی
سفیان جلیسی
سعدیہ جلیسی
ہادیہ جلیسی
قسام جلیسی
حسان جلیسی
طلحہ جلیسی
حمزہ جلیسی
حنا جلیسی
عرفہ جلیسی
ذی جاہ
ذی شان
فاطمہ
کثیر حسن
علویہ
ابوالحسنین
آل حسنین
افضال حسنین
وقار حسنین
جولو حسین

حسنین۔ جو تقریباً" میرے ہم عمر تھے باقی تفصیلات مجھے یاد نہیں۔ یہ سب اپنے لہجہ' لباس اور رہائش کے اعتبار سے عملاً" حیدر آبادی ہو گئے تھے۔

بدایوں سے ان کے اجداد کا تعلق تھا دوسرے بیٹے قاضی سید حسنین کا انتقال بدایوں میں ہوا ان کے تین بیٹیاں فاطمہ' کنیز حسن اور علویہ ہیں دو بیٹے ذیجاہ اور ذیشان ہیں۔ ذیجاہ غالباً" تدریس سے وابستہ ہیں اور ذیشان اس وقت حیدر آباد دکن میں پولیس کے کسی بڑے عہدے پر فائز ہیں۔

قاضی غلام سبطین کے دوسری بیوی سے بھی تین اولادیں ہیں۔ سب سے بڑی میری والدہ مرحومہ ابرار فاطمہ ان سے چھوٹے قاضی امیر حسنین جلیسی اور سب سے چھوٹے ضمیر الحسنین ضمیر جو اپنے نام کے ساتھ جلیسی نہیں۔ لکھتے تھے بلکہ اپنا تخلص ضمیر لکھتے تھے ضمیر ہی ان کا نام تھا اور ضمیر ہی تخلص۔ بہت اچھے شاعر تھے زبان بے عیب اور پختہ تھی روایتی غزل کے رنگ میں شاعری کرتے تھے مگر تاریخ نکالنے میں انہیں کمال حاصل تھا۔ حضرت جام نوائی کی وفات کی جو تاریخیں کہی ہیں وہ پورے اردو ادب میں بے مثل ہیں۔ یہ تینوں بہن بھائی ہجرت کر کے پاکستان آگئے تھے اور تینوں کراچی میں تھے۔ قاضی امیر حسنین جلیسی کی شادی ماسٹر شاکر حسین کی بڑی بیٹی سے ہوئی تھی اور قاضی ضمیر الحسنین کی ان کی چھوٹی بیٹی سے یہ دونوں دلاور فگار بدایونی کی حقیقی بہنیں تھیں۔ میرے چھوٹے ماموں سے ان کی دوستی اس وقت سے تھی جب وہ غزل کے شاعر تھے اور شباب تخلص رکھتے تھے۔ یہ طنز و مزاح کے زمانے سے پہلے کی بات ہے۔ قاضی امیر حسنین جلیسی کے پانچ بیٹے ہوئے بڑے بیٹے جن کا نام مشیر حسنین تھا بچپن بلکہ شیر خواری کے عالم میں انتقال کر گئے۔ باقی چاروں بیٹے ماشاء اللہ کراچی میں ہیں۔ ان میں سب سے بڑے بیٹے قاضی خالد حسنین جلیسی ہیں۔ طب کے پیشہ سے وابستہ ہیں اور تعلیم کراچی میں ہی ہوئی ڈاکٹر خالد جلیسی کے نام سے جانے جاتے ہیں ان کے تین بیٹیاں اور تین بیٹے

ہیں۔ بیٹیاں حمرہ جلیسی، حنا جلیسی اور عرفہ جلیسی ہیں بیٹے قسام جلیسی، حسان جلیسی اور طلحہ جلیسی ہیں۔ ان سے چھوٹے بھائی ڈاکٹر طارق جلیسی ہیں ان کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں لڑکوں کے نام سنیان جلیسی اور حسن جلیسی ہیں اور لڑکیاں سعدیہ طارق اور ہادیہ طارق ہیں۔ تیسرے بیٹے حیدر جلیسی ہیں۔ ان کے دو بیٹے طلحہ جلیسی اور طحہ جلیسی ہیں۔ چھوٹے بیٹے شارق ہیں۔ یہ ابھی زندگی کی دوسری منزل تک نہیں پہنچے ہیں۔ قاضی ضمیر الحسنین کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ ایک بیٹی غزالہ اور ایک روحی دونوں شادی شدہ ہیں بڑے بیٹے اسلم اور چھوٹے ارشد ہیں۔ بڑے بیٹے ڈاکٹر ہیں اور بغرض ملازمت مشرق وسطیٰ میں مقیم ہیں اور ارشد کراچی میں ہیں یہ تو تھیں میرے نانا کی حقیقی اولادیں ان کے علاوہ میرے نانا قاضی غلام سبطین کے قریبی اعزاء میں دو خاندان اور موجود ہیں۔ ایک میرے نانا کے بڑے بھائی قاضی غلام حسنین کا خاندان ہے جن کے ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھیں۔ بیٹے غلام زین العابدین جو گھریلو نام سے "لڑیتے" کہلاتے تھے۔ لڑیتے کا لفظ "لاڈلے" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے وہ واقعی لڑیتے ثابت ہوئے۔ بڑے صاحب جائیداد تھے۔ مگر جائیداد کا بڑا حصہ عیش و عشرت کی نذر ہو گیا۔ ان کے متعلق میں نے والدہ مرحومہ سے سنا تھا کہ محفل یاراں کا یہ حال تھا کہ

جشن جمشید جہاں اس کو کہا کرتا تھا

میں نے انہیں اواخر عمر میں دیکھا تھا جب وہ صاحب فراش تھے۔ ان کی بیگم "بڑی ممی" مجھ سے بہت شفقت فرماتی تھیں مجھے ان کے "محل نما" گھر جانا خوب یاد ہے ایک دو بار نہیں بلکہ اکثر ان کی ایک بہن تھیں یعنی قاضی غلام حسنین کی بیٹی ریاضت النساء آپ کے چار بیٹے مبارک حسنین، نور الحسنین، حضور الحسنین، غلام قاسم اور ان کی ایک بیٹی خورشیدہ زہرہ تھیں جن کی شادی میرے نانا کے چھوٹے بھائی قاضی فدا حسنین کے دوسرے بیٹے عطا حسنین سے ہوئی تھی۔ قاضی فدا

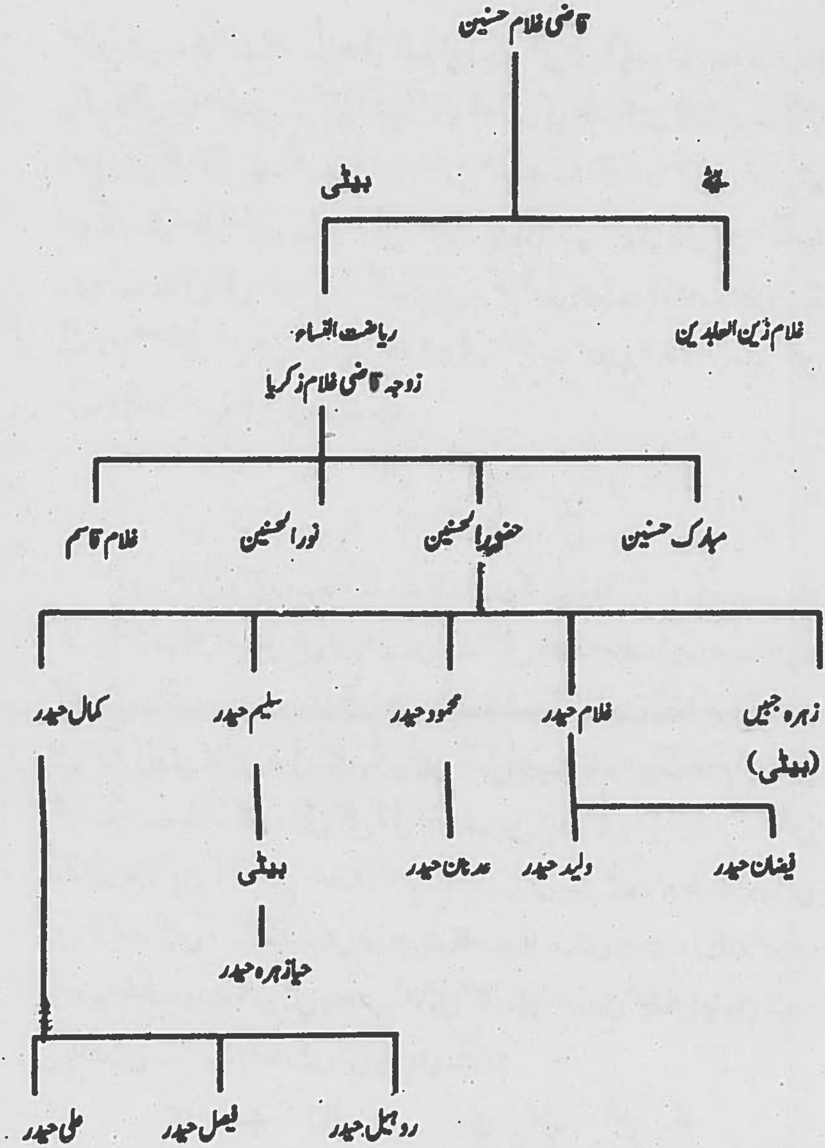
قاضی غلام حسنین
بیٹا
بیٹی
غلام زین العابدین
ریاضت النساء
زوجہ قاضی غلام زکریا
مبارک حسنین
حضور الحسنین
نور الحسنین
غلام قاسم
زہرہ جبیں
(بیٹی)
غلام حیدر
محمود حیدر
سلیم حیدر
کمال حیدر
فیضان حیدر
ولید حیدر
عدنان حیدر
بیٹی
حیا زہرہ حیدر
روحیل حیدر
فیصل حیدر
علی حیدر

حسنین میرے نانا کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان کے ضمن میں ایک وضاحت کردوں وہ یہ کہ قاضی فدا حسنین نے تشیع اختیار کرلیا تھا جس کی جھلک اس خاندان کے اکثر ناموں میں نظر آتی ہے۔ مگر یہ انفرادی طور پر شیعہ ہوئے تھے اور انفرادی طور پر ہی ان کے بیٹے عطا حسنین نے یہ مسلک اختیار کیا باقی سب ان کی بڑی پوتی آفتاب زہرہ کے مطابق اہل سنت کے مسلک پر ہیں۔ مگر بشمول میرے نانا اور ماموں سب کے نام "حسنین" پر ہیں اور پورا خاندان غیر متعصب سینوں کا خاندان ہے لیکن سب کا جھکاؤ "حب علی" کی طرف ہے۔

اصحابؓ سے کمال عقیدت کے باوجود
میں کیا کروں کہ مجھ کو محبت علیؓ سے ہے

اور یہ طریق بدایوں کے بہت سے خاندانوں کا ہے۔ غالباً" اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اکثر نسلاً" صدیقی ہیں اور ان میں سے بعض بالحاظ مسلک شیعہ ہوئے ہیں۔ آپس میں رشتہ داریاں اور قرابتیں ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ بدایوں کے اکثر خاندانوں میں محرم کی دس مجالس ہوتی تھیں جس میں بشمول میرے خاندان کے تمام شیعہ سنی شرکت کرتے تھے۔ تقاریر میں کبھی کوئی اختلاف زیر بحث نہیں آیا البتہ یہ کہ مجلس کے بعد جو ماتم ہوتا تھا اہل سنت احترام کے ساتھ اس سے علیحدہ ہوجاتے اور اس میں شرکت نہیں کرتے تھے۔ میں خود بحمد للہ قادریہ سلسلہ میں بیعت ہوں اور میرا یہ قادریہ سلسلہ وہ ہے جس میں پنجتنی' اویسی' قادری' سروری' فیضان جاری ہے۔ یہ بات میں نے اپنے اشعار میں بھی بیان کی ہے کہ

نعرہ ہے زباں پہ مری اللہ غنی کا
فیضان یہ ہے سید مکی مدنیؐ کا
بچپن سے مرے حال پہ مولا کی نظر ہے
پروردہ ہوں لطف و کرم پنجتنی کا

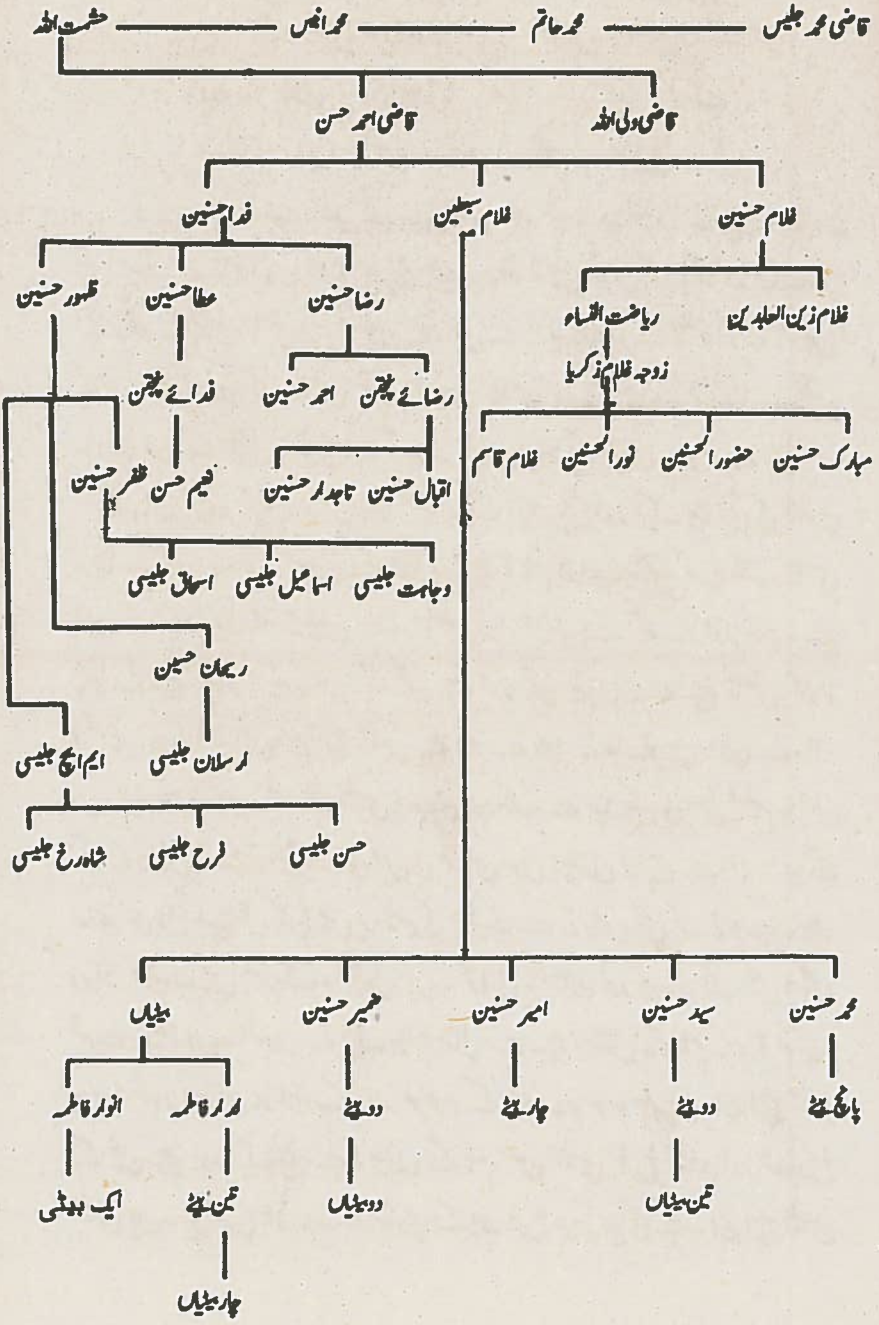
قاضی محمد جلیس
محمد حاتم
محمد انیس
حشمت اللہ
قاضی ولی اللہ
قاضی احمد حسن
غلام حسنین
غلام سبطین
فدا حسنین
غلام زین العابدین
ریاضت النساء
زوجہ غلام زکریا
مبارک حسنین
حضور الحسنین
نور الحسنین
غلام قاسم
رضا حسنین
عطا حسنین
ظہور حسنین
رضائے پنجتن
احمد حسنین
فدائے پنجتن
اقبال حسنین
تاجدار حسنین
نعیم حسن
ظفر حسنین
وجاہت جلیسی
اسماعیل جلیسی
اسحاق جلیسی
ریحان حسنین
ارسلان جلیسی
ایم ایچ جلیسی
حسن جلیسی
فرح جلیسی
شاہ رخ جلیسی
محمد حسنین
سید حسنین
امیر حسنین
ضمیر حسنین
بیٹیاں
پانچ بیٹے
دو بیٹے
چار بیٹے
دو بیٹے
درار فاطمہ
انوار فاطمہ
تین بیٹیاں
دو بیٹیاں
تین بیٹے
ایک بیٹی
چار بیٹیاں

یہ بات ہے برحق کہ ہمیشہ سے رہا ہے
پر تو مری نسبت پہ اویس قرنی کا
وہ ہادی بغداد مرا راہنما ہے
خدشہ ہی نہیں کوئی مجھے راہزنی کا

تو یہی وہ انداز ہے جسے "سنی بے تعصب اور شیعہ بے تبرہ" کہتے ہیں۔ بدایوں میں بہت سے خاندانوں کا یہی طریق عقیدت تھا تو میں عرض کر رہا تھا کہ میرے نانا کے چھوٹے بھائی قاضی فدا حسنین تھے جن کے تین بیٹے ہوئے قاضی رضا حسنین، قاضی عطا حسنین اور قاضی ظہور حسنین، قاضی رضا حسنین کے رضائے پنجتن عارف ان کے اقبال حسنین اور تاجدار حسنین۔ نیز چھ بیٹیاں۔ دوسرے بیٹے احمد حسنین ان کی دو بیٹیاں قاضی عطا حسنین کے ایک بیٹی اور ایک بیٹا بیٹی کی شادی رضائے پنجتن عارف حسنین سے ہوئی۔ بیٹے کا نام فدائے پنجتن گھریلو لقب قاضی ان کے ایک بیٹا نعیم حسنین ہے۔ قاضی فدا حسنین کے تیسرے اور سب سے چھوٹے بیٹے ظہور حسنین ان کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں بڑے بیٹے قاضی محفوظ الحسنین جو کراچی میں ایم ایچ جلیسی کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان کے والد حیدر آباد سندھ میں مقیم تھے جلیسی جب بیرون ملک سے میڈیکل کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے واپس آئے تو بحیثیت ای این ٹی سرجن سول ہسپتال کراچی سے وابستہ ہو گئے ساتھ ہی ڈاؤ میڈیکل کالج میں پروفیسر کی حیثیت سے تدریس بھی کرتے رہے۔ پیشہ ورانہ حیثیت میں معروف و مقبول ہیں۔ کراچی پاکستان اور بیرون ملک بھی اچھی شہرت رکھتے ہیں۔ انہوں نے ایک بڑا ہسپتال جے جے ہسپتال کے نام سے قائم کیا۔ دوسرا ظہور ہسپتال جو ان کے والد مرحوم کے نام سے موسوم ہے۔ ایم ایچ جلیسی کے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ بیٹوں کے نام حسن جلیسی، فرخ جلیسی اور شاہ رخ جلیسی ہیں۔ بیٹی فرح ناز ہے۔ جو شادی کے بعد فرح حیدر ہو گئی ہے۔ ایم ایچ جلیسی

کے چھوٹے بھائی ظفر حسنین کے تین بیٹے وجاہت جلیسی' اسماعیل جلیسی اور اسحاق جلیسی ہیں ان سے چھوٹے بھائی ریحان حسنین کے ارسلان جلیسی اور منیبہ ہیں۔ قاضی ظہور حسنین کی تین بیٹیاں ہیں سب سے بڑی بیٹی آفتاب زہرہ ہیں جن کی شادی قاضی حضور الحسنین سے ہوئی ان کے چار بیٹے اور ایک بیٹی زہرہ جبیں ہے۔ بڑے بیٹے غلام حیدر جن کے فیضان حیدر اور ولید حیدر دوسرے بیٹے محمود حیدر جن کے عدنان حیدر تیسرے بیٹے سلیم حیدر جن کی ایک بیٹی ہے۔ حیا زہرہ حیدر اور سب سے چھوٹے کمال حیدر جن کے روہیل حیدر' فیصل حیدر اور علی حیدر قاضی ظہور حسنین کی دو اور بیٹیاں نایاب زہرہ اور سرفراز زہرہ ہیں ان میں نایاب زہرہ کی شادی قاضی احمد حسنین سے ہوئی ہے جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے۔ آفتاب زہرہ اور قاضی حضور الحسنین کی اولاد میں ان کے تیسرے بیٹے سلیم حیدر کا جو نام آیا ہے یہ وہی مشہور و معروف شخصیت ڈاکٹر سلیم حیدر ہیں جو مہاجر اتحاد تحریک کے سربراہ ہیں اور پورے ملک میں ایک سیاسی شخصیت کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ یہ پاکستان کی ان چند سیاسی شخصیتوں میں سے ہیں جن کا دامن الزامات سے بے داغ ہے۔ یہاں پہنچ کر میرے نانا مرحوم کے خاندان کا تذکرہ ختم ہو جاتا ہے۔

ایک ایسے خاندان کا تذکرہ مزید کرنا ہے جن سے رشتہ کی تفصیلات میری معلومات سے باہر ہیں۔ مگر قرابت کا یہ حال تھا کہ ناواقف لوگ ہم کو آپس میں حقیقی رشتہ دار تصور کرتے تھے۔ خصوصا" میری والدہ سے اس خاندان کی قربت بہت زیادہ تھی۔ یہ خاندان عبدالغنی حمیدی کا خاندان تھا۔ ان کے اور میرے نانا کے مکان میں ایک دیوار مشترک تھی دونوں مکان گنوری کنوئیں کے بالکل مقابل تھے۔ گنوری کنواں قاضی ٹولہ کا مشہور علاقہ ہے وجہ یہ ہے کہ اس کے بالکل قریب "دادے حمید" کا مزار اور ان کی مسجد ہے یہ وہی بزرگ ہیں جن کی اولاد خود کو حمیدی لکھتی ہے ان کا مزار اور مسجد میرے نانا کے مکان سے متصل تھی یوں سمجھئے

کہ وادے حمید کی مسجد میں املی کے پیڑ کی املیاں میرے نانا کے مکان کی چھت پر گرتی تھیں اور یہی محل وقوع عبدالغنی حمیدی کے مکان کا تھا۔ میں نے ابھی لفظ وادے حمید استعمال کیا ہے جو اصولاً "نانے حمید ہونا چاہئے اس لئے کہ میرے والد کا تعلق بنو حمید سے نہیں۔ بلکہ یہ رشتہ والدہ کی طرف سے ہوتا ہے مگر بدایوں میں چونکہ "بنو حمید" بلحاظ تعداد کافی ہیں اور سب ہی انہیں وادے حمید کہتے ہیں اس لئے ان کے ساتھ میں باقی لوگ بھی وادے حمید کہنے لگے ہیں میں بھی اپنی والدہ کے ساتھ میں ان سے سنکر وادے حمید کہنے لگا اور وہ عادت اب تک باقی ہے۔ ان بزرگ کے مزار پر بارہا جانے کا اتفاق ہوا ہے ان کی مسجد میں نماز بھی پڑھی ہے۔ یہ بہت بڑی مسجد نہیں چھوٹی سی مسجد ہے۔ اس کے ایک کونے میں کمرہ یا حجرے کے اندر وادے حمید کی قبر ہے میں نے ایک دو مرتبہ کے علاوہ اسے مقفل ہی دیکھا ہے۔ مسجد میں داخل ہو کر ایک ہیبت سی طاری ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ صاحب مزار کی مزاجی کیفیت کا اثر ہو یا ایک اور بات جو مشہور ہے کہ یہ مسجد جناتوں کا مسکن ہے۔ شاید اس کا اثر ہو ویسے اس "مشہور خیال" کی تائید میں بعض واقعات میرے علم میں ہیں جنہیں بیان کرنے کا یہ محل نہیں ہے۔ تشکیل پاکستان کے بعد اس علاقے کے اکثر مسلمان ہجرت کر کے پاکستان چلے آئے اور کم و بیش پورے محلہ پر ہندو شرنارتھیوں کا قبضہ ہو گیا۔ پورے علاقے میں مشکل سے دو چار گھر مسلمانوں کے رہ گئے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ قابل ذکر ہومیو پیتھک ڈاکٹر عابد حسین کا گھرانہ تھا۔ کفر کی تاریکیوں کے بیچ میں یہ ایک اسلام کی شمع روشن تھی ڈاکٹر عابد حسین بدایوں کے واحد ہومیو پیتھ ایک باوقار انسان حق بیان اور صاف گو پکے مسلمان تھے۔ میرے نانا کی زوجہ اول کے حقیقی بھائی تھے۔ کیا نڈر' بے خوف' صاحب حوصلہ مجاہد تھے جو پورے وقار اور اسلامی تمکنت کے ساتھ بمع اہل خانہ شرنارتھیوں کے گڑھ میں نہایت بے باکی کے ساتھ رہتے تھے۔ خوش اخلاق تھے مگر

مذہب کے معاملے میں مصلحت کوشی سے دور سخت اور کھری بات کرنے والے اور اللہ پر کامل بھروسہ رکھنے والے بے لوث مسلمان تھے۔ اسی رویہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ قدرت کی طرف سے انعام ملا اور ایک دن شرنارتھیوں نے سازش کرکے آپ کو اور آپ کے دو بیٹوں کو شہید کردیا۔ وقت شہادت وہی انداز تھا جو تاریخ میں بہادران اسلام کا شعار رہا ہے۔ آپ کے بیٹے قیوم حسن' آفتاب حسن' افتخار حسن' شمس الحسن' ابراہیم حسن' بدر الحسن' خالد سعید تھے۔ ابراہیم حسن اور بدر الحسن شہید کردیئے گئے۔ دیگر پاکستان آگئے یہاں افتخار حسن اور خالد سعید سے ایک دو ملاقاتیں ہوئیں باقی سے کوئی رابطہ نہیں رہا۔ ہاں تو بات جناب غنی حمیدی کے گھرانے سے شروع ہوئی تھی۔ ان کے ایک بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں بیٹے کے بیٹے عبدالوہاب پاکستان آگئے تھے۔ بڑی بیٹی آمنہ خاتون تھیں جن کی شادی وکیل احمد علی سے ہوئی تھی۔ ان کے ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھیں دونوں اس وقت شاید امریکہ میں ہیں۔ بیٹے ڈاکٹر آصف ہیں ان سے کراچی میں میری ایک ملاقات ہوئی تھی۔ ان کی والدہ نہایت عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں۔ ہر وقت باوضو رہتی تھیں۔ میں کراچی میں بارہا ان کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں بڑی شفقت فرماتی تھیں۔ دوسری بیٹی حفیظہ خاتون تھیں۔ یہ مولوی امجد علی کی بیگم تھیں جن کی بڑی بیٹی کی شادی مولوی عثمان رضا کے ساتھ ہوئی ہے۔ ان کے بیٹے یعقوب' اکبر' اصغر اور ایوب کراچی میں ہیں۔ ان دونوں کی سب سے چھوٹی بہن اور عبدالغنی حمیدی کی سب سے چھوٹی بیٹی سیدہ خالہ سب سے زیادہ قریب تھیں۔ میری والدہ کی منہ بولی بہن تھیں خود ان کے بقول انہوں نے مجھے گودوں میں پالا ہے میرا حافظہ اس دعوے کی پوری تصدیق کرتا ہے کراچی آنے کے بعد وہ قربت قائم نہ رہ سکی بلکہ دوری بڑھ گئی والدہ مرحومہ سے شاید یکطرفہ کشیدگی ہوگئی تھی۔ یکطرفہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ "بداؤں کی زبان میں لڑائی نا ہوئی تھی" کوئی اختلاف کھل کر کبھی سامنے نہیں آیا مگر فاصلہ حائل ہوگیا۔

ان کی اولاد کراچی میں ہے اور ان کی پوتی سے میری عمہ زاد بہن مبشرہ خاتون کے بیٹے کمال کی شادی ہوئی ہے۔ سیدہ خالہ کے شوہر مولوی تجلی حسین تھے۔ ان کے تین بیٹیاں اور ایک بیٹا وقار حسین ہے اور بیٹیاں رابعہ' شہناز اور افروز ہیں۔ اپنی نانی کے اعزا و اقارب کا مجھے پورا علم نہیں ان کے والد مولوی عبدالولی تھے ان کے دو بیٹیاں تھیں بڑی قمر جہاں اور چھوٹی بدر جہاں ان دونوں سے چھوٹے میری والدہ کے ایک ماموں تھے جو جوانی میں شاید حادثاتی طور سے انتقال کر گئے تھے اور غالباً ایسی ہی اچانک غیر متوقع موت میری نانی کی چھوٹی بہن بدر جہاں کی بھی ہوئی تھی۔ یہ سب واقعات تو میرے ہوش بلکہ میری پیدائش سے بھی پہلے کے ہیں۔ یعنی میری والدہ کی نوعمری کے ہیں۔ مگر ان کا اثر میری نانی پر اتنا شدید تھا کہ وہ اکثر رقت کے ساتھ ان کے تذکرے کرتی تھیں اور شاید اسی وجہ سے ان کے مزاج میں غمگینی نہیں بلکہ غم پسندی آ گئی تھی۔ جو میرے نانا سے ان کی تلخی اور دوری کا سبب بنی۔ انہوں نے شوہر سے شرعی یا قانونی علیحدگی تو اختیار نہیں کی تھی مگر عملاً " یہ ٹوٹا ہوا ہی خاندان تھا۔ اس لئے کہ میرے نانا قاضی غلام سبطین اپنے آبائی مکان میں رہائش پذیر تھے اور میری نانی مولوی عبدالباسط کے ساتھ رہتی تھیں۔ مولوی عبدالباسط مولوی عبدالولی کے حقیقی چھوٹے بھائی یعنی میری نانی کے حقیقی چچا تھے۔ ان کو میں نے خوب دیکھا تھا خاصے طویل العمر تھے۔ ۵۲ء تک زندہ رہے اور ہمارے خاندان کے ساتھ ہی مع اپنی ضعیفہ زوجہ کے پاکستان آئے تھے۔

یہ اپنے خاندان میں اکیلے رہ گئے تھے۔ بڑے جاگیردار دادا کے پوتے تھے لیکن آخر وقت انتہائی افلاس میں گزارا۔ غربت اس حد تک تھی کہ پیر کو جوتا اور سر کو ٹوپی مشکل سے میسر آتی۔ انتہائی قد آور' بڑی بڑی سرخ آنکھیں' گول سفید داڑھی' کڑاکے دار آواز' طویل العمر مگر مضبوط جسم کے بدایوں کی مقامی زبان میں کہتے تھے "۱۷ اگاڑھے کا ہوں" مراد یہ تھی کہ میں اپنے ۱۷ قریبی اعزا کی تدفین میں شریک

ہو چکا ہوں۔ حیدر آباد سندھ میں انتقال ہوا۔ ان کی پہلی بیوی سے ایک بیٹی "ذکو" تھیں۔ شاید ذکیہ نام تھا مگر ان کی اولاد کا مجھے علم نہیں غالباً" اپنے شوہر کے ساتھ علی گڑھ منتقل ہو گئی تھیں۔ ان کی دوسری بیوی میری نانی کی ہم عمر تھیں۔ میری نانی انہیں چچی کہتی تھیں۔ شاید اپنے بہن بھائیوں میں دوسرے نمبر پر تھیں اس لئے منجھلی بھی کہلاتی تھیں۔ ان کی ایک بہن اعجاز فاطمہ تھیں جن کی اولاد ہجرت کر کے پاکستان آ گئی۔ ان کے ایک صاحبزادے سے کراچی میں میری ملاقات بھی ہوئی تھی۔ اس وقت مجھے ان کا نام نہیں یاد آ رہا ہے۔ وہ مجھے پہچان گئے تھے اور بڑی محبت سے ملے تھے ان کے علاوہ میں اپنی نانی کے ددھیالی رشتہ داروں سے زیادہ واقف نہیں ہوں اور نہ ہی میرے ہوش کے زمانے تک ان میں کوئی قریبی عزیز حیات تھا۔ البتہ ایک خاتون جو میری نانی کی پھوپی تھیں ان کی ہم عمر بھی تھیں۔ وہ انہیں پھوپھی عابدہ کہتی تھیں۔ بدایوں میں گجرو کے ٹیلے پر رہتی تھیں۔ ٹیلے پر اپنے وسیع و عریض لق دق مکان میں ان کا رہنا مجھے یاد ہے ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا صرف ایک بیٹا تھا نام قیصر تھا۔ والدہ کے انتقال کے بعد وہ پاکستان چلے آئے تھے شاید اسلام آباد میں قیام پذیر رہے ان سے ہی پاکستان میں ہمارا رابطہ نہیں ہو سکا۔ اس لئے ان کی اولاد کا کوئی علم نہیں۔

میں نے اپنی نانی کو بڑھاپے کے عالم میں دیکھا تھا ضعیفی اور تنگ دستی' شوہر سے تلخی' گزشتگان کا شدید غم' بیٹے کا وطن سے دور ہونا ان سب عوامل نے ہر چند کہ منفی اثرات مرتب کئے تھے مگر ان کا بڑھاپا دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اپنی نوعمری میں کس قدر خوبصورت خاتون رہی ہوں گی۔ انتہائی متحمل صبر و برداشت والی ہر وقت غمزدہ! شعر و ادب سے خاصا شغف رکھنے والی مجھے اکثر متقدمین کے انوکھے انوکھے شعر سناتی تھیں خود باقاعدہ شاعرہ نہیں تھیں مگر موزوں طبع تھیں۔ میں نے شطرنج کھیلنا ان سے ہی سیکھی تھی کبھی کبھی اپنی چچی کے ساتھ چوسر بھی کھیلتی

تھیں ان کے ننھیالی اعزاء میں دو تین خاندان کراچی میں ہیں ایک ان کی خالہ زاد بہن ذیشان فاطمہ کا خاندان ہے جن کے شوہر میرے والد کے ہم نام اور دوست تھے۔ جناب قاضی علی عباس۔ دوسرے ان کے بھائی محبوب رضا جن کا گھریلو نام سبطین تھا ان دونوں کے والد نبی رضا تھے۔ یہ میری نانی کے خالو تھے خالہ کا نام ریاض فاطمہ تھا۔ مگر ان کے بڑے پیار سے انہیں چاند سے "چندی" کہتے تھے ان کے بڑے بیٹے شہنشاہ رضا تھے۔ ان کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ چھوٹے بھائی یعنی محبوب رضا کے دو بیٹے مقصود رضا جن کا گھریلو نام ریاض تھا یہ میری والدہ کے رضاعی بھائی بھی تھے ان کی شادی ذیشان فاطمہ زوجہ قاضی علی عباس کی دوسری بیٹی ممتاز سے ہوئی تھی۔ ان کے سات بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ بیٹے محمود رضا' مسعود رضا' ودود رضا' داؤد رضا' دانش رضا' سمیع رضا اور شبیہ رضا ہیں۔ یہ سب کراچی میں ہی مقیم ہیں۔ محبوب رضا کے چھوٹے بیٹے احمد رضا ہیں ان کے چار بیٹے اور چھ لڑکیاں ہیں۔ لڑکوں کے نام ندیم رضا' شمیم رضا' جمال رضا اور شہزاد رضا ہیں۔ یہ سب جناب نبی رضا کے بیٹے پوتے اور پرپوتے ہیں۔

ان کے دو بیٹیاں تھیں بڑی بیٹی کا نام ریحان فاطمہ تھا ان کی شادی جناب قاسم حسن سے ہوئی تھی جن کے ایک بیٹے معظم حسین جوانی میں ہی انتقال کر گئے۔ بیٹیاں دو ہیں بڑی رفعت جہاں جن کے شوہر اطہر حسن ہیں ان کے ایک بیٹے صغیر حسن اور پانچ بیٹیاں ہیں۔ دوسری بیٹی یوسف جہاں ہیں۔ ان کے شوہر قمر الحسن ہیں۔ ان کے بیٹے ظہیر حسن اور بیٹی عذرا سجاد ہیں۔ مولوی نبی رضا کی دوسری بیٹی ذیشان فاطمہ زوجہ قاضی علی عباس تھیں۔ یہ سادہ مزاج اور مشفق خاتون تھیں۔ ہمارے گھرانے سے بہت قریبی تعلقات تھے وہ شاعرہ بھی تھیں۔ زیادہ تر اشعار منقبت کے کہتی تھیں۔ اہل بیت کی محبت میں سرشار اکثر اپنا یہ شعر گنگناتی رہتی تھیں۔

مدینہ جاؤں نجف جاؤں کربلا جاؤں
تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے"

ان کی اولاد میں دو بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں بڑے بیٹے حسن عباس کے دو بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں۔ بیٹے محمد علی اور ساجد علی ہیں۔ دوسرے بیٹے قمر عباس ہیں جن کا گھریلو نام ابراہیم ہے۔ ان کے تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں ہیں۔ بیٹے نعیم زمان، وسیم زمان اور عظیم زمان ہیں۔ ان کی بڑی بیٹی عزیز جہاں باقاعدہ شاعرہ ہیں۔ کراچی میں عزیز بدایونی کے نام سے پہچانی جاتی ہیں اور کراچی کے مشاعروں میں شرکت کرتی ہیں۔ ان کے شوہر سید اعظم احمد ہیں۔ ان کے چار بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ بیٹوں کے نام سید شہاب احمد (شہید) سید شجاع احمد سید شعیب احمد اور سید شکیل احمد ہیں۔ بڑے بیٹے سید شہاب احمد ایک فضائی حادثہ میں شہید ہوگئے تھے۔ ان کے علاوہ ذیشان فاطمہ زوجہ قاضی علی عباس کے تین بیٹیاں اور ہیں عزیز جان سے چھوٹی ممتاز جن کے شوہر مقصود رضا تھے ان کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ ان سے چھوٹی صاحب جان جن کا انتقال ہوچکا ہے ان کے شوہر مشرف علی حیدری ہیں جن کے تین بیٹیاں ہیں۔ سب سے چھوٹی بیٹی فرزانہ ہیں ان کی شادی محبوب رضا کے چھوٹے بیٹے احمد رضا سے ہوئی ہے جن کا پیار کا گھریلو نام کبن ہے۔ خاندان میں اسی نام سے جانے جاتے ہیں۔ میرے اسکول کے ساتھی رہے ہیں اور اب میرے ہم محلہ بھی ہیں مگر ان سے تقریباً تیس سال بعد ٹیلی فون پر رابطہ ہوا ہے۔ میری نانی کے ایک اور عزیز تھے جناب ابوالقاسم انہیں ممتاز الشعراء حاجی عطا محمد نے بیٹا بنایا تھا۔ وہ خود لاولد تھے جناب ابوالقاسم کی زوجہ میری والدہ کی رشتہ کی خالہ بھی تھیں اور جناب ابوالقاسم سے شادی ہونے کے بعد ان کی ممانی بھی ہوگئیں۔ چنانچہ انہیں وہ ایک عجیب لقب سے یاد کرتی تھیں "ممی خلیہ" یعنی ممانی بھی اور خالہ بھی ان کے تین بیٹے مجھے یاد ہیں بڑے اجن ماموں دوسرے گلن ماموں اور چھوٹے شکن ماموں جو بدایوں میں ہی رہے۔ باقی پاکستان چلے آئے تھے۔ ان کی اولادوں کی تفصیل مجھے

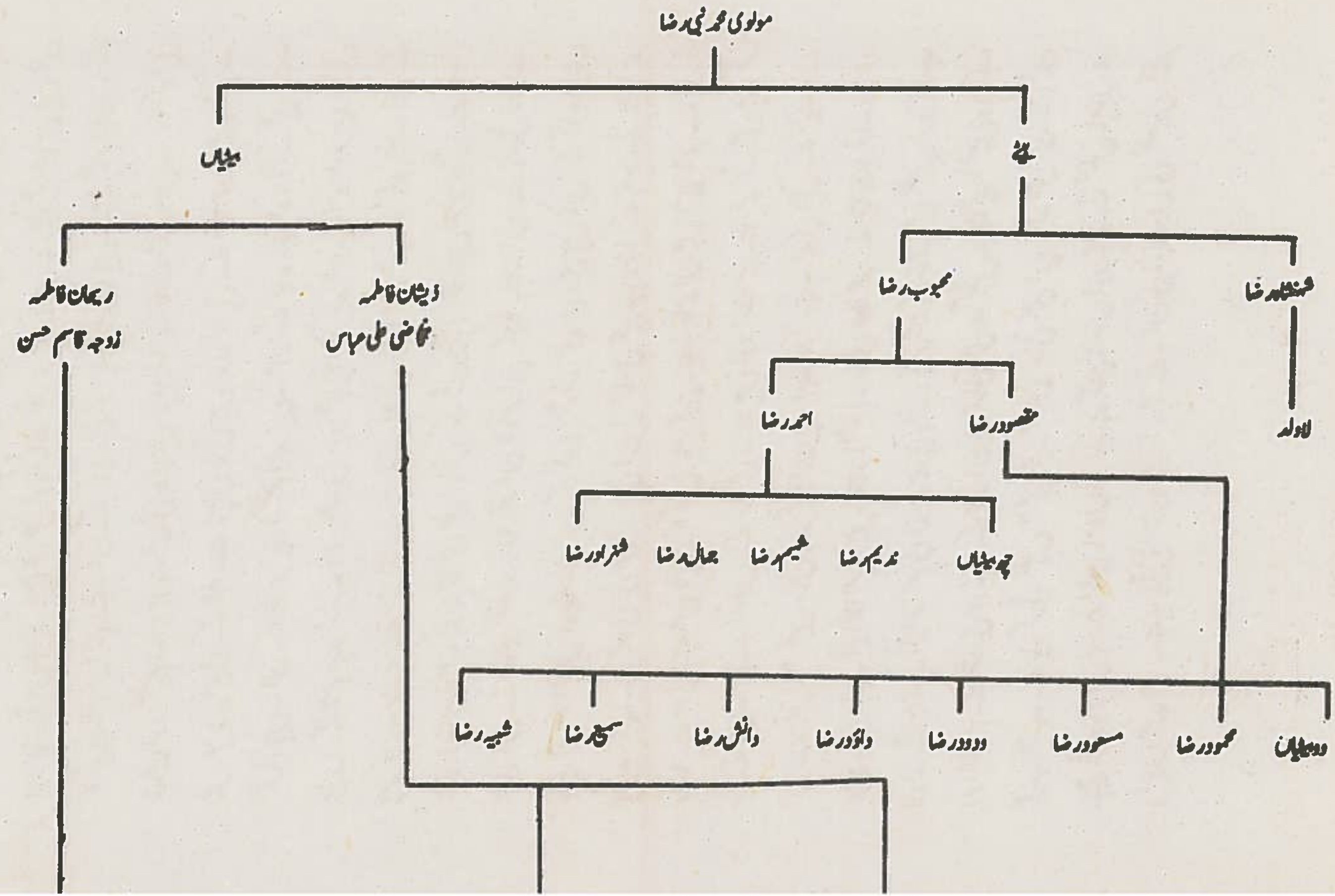
مولوی محمد نبی رضا
بیٹے
بیٹیاں
شہنشاہ رضا
لاولد
محبوب رضا
منصور رضا
احمد رضا
چھ بیٹیاں
ندیم رضا
شمیم رضا
جمال رضا
شہزور رضا
دو بیٹیاں
محمود رضا
مسعود رضا
ودود رضا
داؤد رضا
دانش رضا
سمیع رضا
شبیہ رضا
ذیشان فاطمہ
قاضی علی عباس
ریحان فاطمہ
زوجہ قاسم حسن

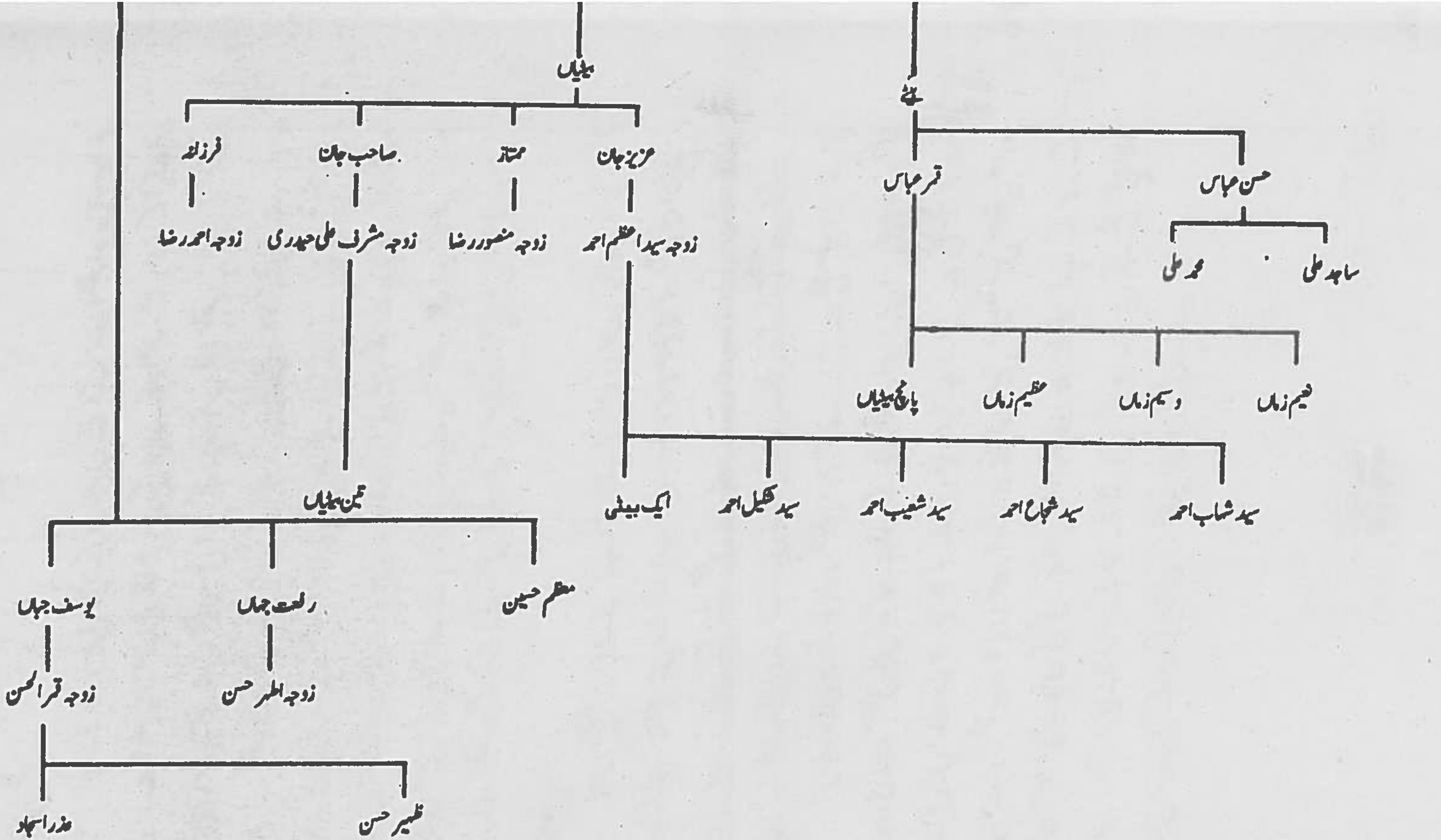
بیٹیاں
عزیز جان
ممتاز
صاحب جان
فرزانہ
زوجہ سید اعظم احمد
زوجہ منصور رضا
زوجہ مشرف علی حیدری
زوجہ احمد رضا
بیٹے
حسن عباس
قمر عباس
ساجد علی
محمد علی
نعیم زماں
وسیم زماں
عظیم زماں
پانچ بیٹیاں
سید شہاب احمد
سید شجاع احمد
سید شعیب احمد
سید شکیل احمد
ایک بیٹی
تین بیٹیاں
معظم حسین
رفعت جہاں
یوسف جہاں
زوجہ اطہر حسن
زوجہ قمر الحسن
ظہیر حسن
عذرا سجاد

معلوم نہیں۔

ان کے علاوہ میری نانی کے دو ماموں تھے ایک ممتاز الشعراء حاجی عطا محمد دوسرے کا نام غالباً "ضیا محمد تھا میں ان کی اولاد سے واقف نہیں ان کے ایک اور قریبی ماموں تھے جناب مقصود علی جن کے بیٹے جناب علی مقصود بدایوں کی مشہور و معروف شخصیت جو ایک طویل عرصہ بدایوں کی میونسپلٹی کے چیئرمین رہے۔ یہ وحید بخش کے بعد دوسرے مشہور مسلمان چیئرمین تھے۔ ان کے ایک بیٹے طارق مقصود جو میرے ہم جماعت بھی رہے ہیں اس وقت کراچی میں سکونت پذیر ہیں اور "لیور برادرز" میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں۔ ویسے یہ "مقصود خاندان" فاطمہ ثریا بجیا اور انور مقصود کے توسط سے خاص کر ٹی وی کی معرفت کراچی میں معروف و مقبول ہے۔

یہاں پہنچ کر بدایوں میں میرے اسلاف اور ان کی محدود قرابتوں کا تذکرہ ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ میں نے اگلا باب اپنے دادا مرحوم مولوی محمد اصلح کی اولاد اور ان کی محدود قرابتوں کے لئے مختص کیا ہے جس میں میرے دادا کی ان اولادوں کا بھی ذکر ہوگا جو بدایوں میں موجود ہیں اور ان کا بھی جو ہجرت کر کے پاکستان آگئے۔

اس باب میں جو تاریخی اور تحقیقی مواد مختلف ذرائع سے شیخ مطیع اللہ شروانی سہروردیؒ سے متعلق پیش کیا گیا ہے اور جگہ جگہ متفرق انداز میں اس کا حوالہ دیا گیا ہے ذیل میں اعادہ کے طور پر یکجا کر کے پیش کیا جا رہا ہے کہ اس سے شیخ مطا خرسوار کی ذات اور شخصیت کا پورا تصور اجاگر ہو سکے اور کہیں "متا" کہیں "متن" اور "مطا" جو عرفیت بیان کی گئی ہے اس کا ابہام دور ہو سکے نیز آپ کے عہد کے دوسرے اکابر اولیائے کرام کے حوالے بھی پیش کئے جا رہے ہیں تاکہ شیخ مطیع اللہ شروانی سہروردیؒ کے عہد کی مقامی اور آفاقی اہمیت واضح ہو سکے۔

شیخ مطا خرسوار

(عہد اور معاصرین)

نام شیخ مطیع اللہ تھا۔ تجارت پیشہ تھے۔ عرب و عجم میں سیاحی کی تھی۔ خچر پر سواری کرتے تھے اس لئے بدایوں میں خرسوار مشہور ہوئے۔ اہل بدایوں نے مطیع اللہ نام کا تصغوہ کر کے مطا کرلیا اور شیخ مطا خرسوار آپ کی عرفیت ہوگی بعض لوگوں نے عرفیت کو صوتی واقفیت کی بنیاد پرت سے "متا" کردیا اور ملا عبدالقادر نے اہل بدایوں کو جو سلام لکھا اس میں قافیہ کی ضرورت کے تحت "متا" کو "متن" نظم کیا چونکہ اس کا قافیہ دامن اور گلشن تھا چنانچہ بعد کی تحریروں میں بعض جگہ شیخ متا خرسوار اور بعض جگہ شیخ متن خرسوار لکھا گیا کلمتہ باقیہ میں عبداللہ مکی کی تدفین کے ضمن میں نام شیخ متن درج ہے۔ جبکہ نسب نامہ شیوخ صدیقی عبدالرحمانی میں حافظ متن عرف متا خرسوار لکھا ہے "تذکرۃ العارفین" اور "مردان خدا" میں ذرائع کے مطابق شیخ مطا ط سے ہے اور نام مطیع اللہ شروانی درج ہے۔ شروانی اس لئے کہ آپ کی ولادت شہر شرواں میں ہوئی تھی آپکے والد مولانا حسام الدین تھے جنہیں خلیفہ مستنصر باللہ نے اپنی تعلیمی اصلاحات کے زمانے میں مدرسہ ہرات کا مدرس مقرر کیا تھا۔ شیخ مطیع اللہ کی تاریخ ولادت کے ضمن میں کوئی مستند حوالہ نہیں ملتا البتہ یہ امر تصدیق شدہ ہے کہ آپ نے ۵۷۴ھ میں حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا تھا۔ سہروردیہ سلسلہ کے ایک بزرگ سید اعزالدین کے ہاتھ پر بیعت ہو چکے تھے اور ان کے ہمراہ ہی سعادت حج حاصل کی تھی۔ ان حقائق سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت ان کی عمر بیس پچیس سال ہوگی چنانچہ ان کا سال ولادت ۵۵۰ھ کے لگ بھگ تخمین کیا جاسکتا ہے۔ آپ حج سے واپسی پر اپنے شیخ کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے اور لاہور میں قیام کیا آپ کے شیخ سید اعزالدین حضرت سلطانجی شیخ حسن شیخ شاہیؒ کے والد تھے آپکے دو اور صاحبزادگان شیخ عثمان سہروردیؒ اور حضرت

شیخ بدرالدین شاہ ولایتؒ تھے آپ ان صاحبزادگان اور اہلیہ سمیت لاہور سے بدایوں منتقل ہوگئے۔ آپ کی بدایوں آمد کا سال ۶۰۴ھ ہے۔ اس سن ہجری کی تصدیق حضرت سلطانجی صاحب اور حضرت شاہ ولایت صاحب کی بدایوں آمد کے حوالے سے بھی ہوئی ہے۔ ۶۰۵ھ میں بدایوں میں سید اعزالدین سہروردی کا وصال ہوگیا۔ تذکروں میں اندراج کے مطابق شیخ مطیع اللہ سہروردی اپنے شیخ کے انتقال کے بعد بدایوں تشریف لائے۔ نسب نامہ خرسواران بدایوں کے ایک اندراج کے مطابق بدایوں میں آپ کی تشریف آوری ۶۲۰ھ ہے اور اسی حوالے میں یہ بھی درج ہے کہ آپ ہرات سے بدایوں تشریف لائے اس اندراج سے بیانات و حوالہ جات میں کوئی تضاد اس لئے پیدا نہیں ہوتا کہ باہر سے ہندوستان آنے والے اکثرو بیشتر بزرگ ہرات کے ہی راستہ آئے ہیں اور درمیان میں لاہور یا ملتان میں قیام پذیر رہے ہیں۔ ۶۲۷ھ میں شیخ مطیع اللہ شروانی کا بدایوں میں موجود ہونا اس امر سے بھی ثابت ہے کہ ۱۷ رجب ۶۲۷ھ ملا عبداللہ مکی کا یوم وفات ہے اور ان کی نماز جنازہ شیخ مطیع اللہ شروانی نے پڑھائی ہے۔ آپ کا مزار مبارک ملا عبداللہ مکی کے مزار شریف کے برابر حضرت احمد خیاط کے بالیں پر ہے۔ بعض تذکروں کے پیرائے بیان سے یہ تاثر ملتا ہے کہ گویا ملا عبداللہ مکی اور شیخ مطیع اللہ شروانی دونوں کو حضرت احمد خیاط کے بالیں پر دفن کیا گیا ہے۔ یہ تاثر درست نہیں ہے اس لئے کہ حضرت احمد خیاط کا انتقال شیخ مطیع اللہ کے بعد اور شیخ مطیع اللہ کا انتقال ملا عبداللہ مکی کے بعد ہوا ہے۔ ویسے بھی کسی بزرگ کو دوسرے بزرگ کے بالیں دفن کرنے کی روایت نہیں ملتی۔ صحیح صورت حال یہ ہے کہ جہاں مطیع اللہ شروانی نے ملا عبداللہ مکی کی نماز جنازہ پڑھائی تھی وہیں پہلے عبداللہ مکی ۶۲۷ھ میں دفن ہوئے پھر شیخ مطیع اللہ ۶۳۴ھ میں اور حضرت احمد خیاط ۶۶۲ھ میں دفن ہوئے اس لئے یہ تینوں مزارات قریب ہیں۔

شیخ مطیع اللہ شروانیؒ سہروردی المعروف شیخ مطاخرسوار کے معاصرین

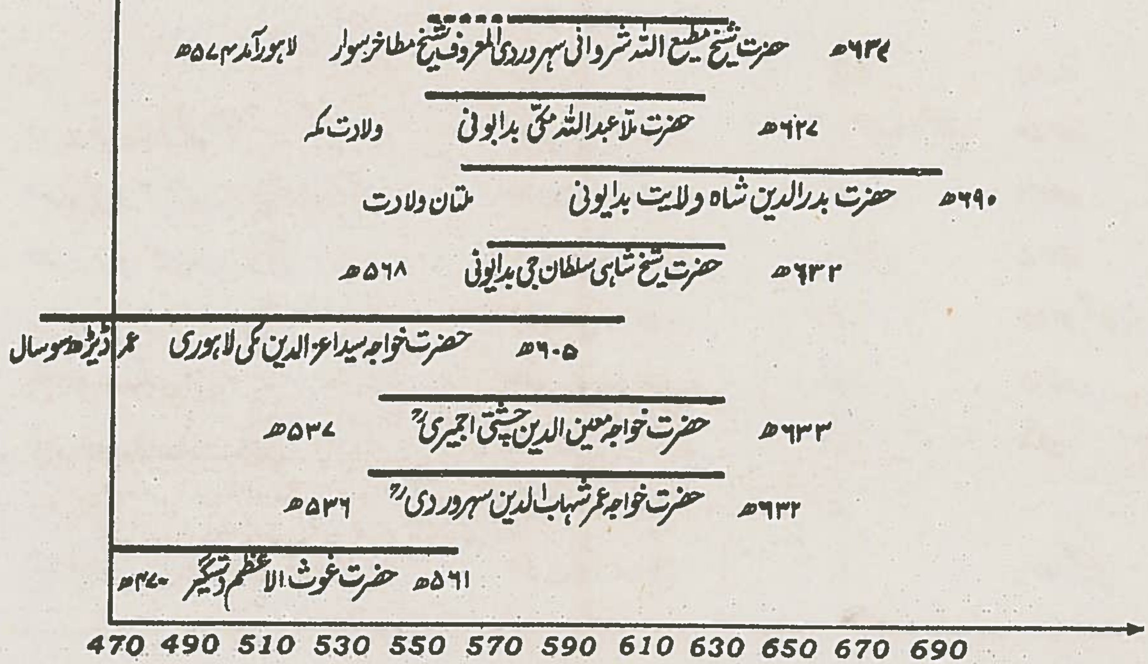

شیخ مطیع اللہ سہروردیؒ المعروف شیخ مطا خرسوار کے معاصرین

نمبر	نام	نسب	پشت	ولادت	وصال
۱۔	حضرت غوث الاعظم دستگیرؒ	حضرت علی کرم اللہ وجہ	۱۳ حسنی ۲۰ حسینی	۴۷۰ھ	۵۶۱ھ
۲۔	حضرت خواجہ عمر شہاب الدین سہروردیؒ	حضرت ابوبکر صدیقؓ	۱۳	۵۳۹ھ	۶۳۲ھ
۳۔	حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ	حضرت علی کرم اللہ وجہ	۱۵ نسبتی	۵۳۷ھ	۶۳۳ھ
۴۔	سید خواجہ اعز الدین سہروردیؒ	حضرت علی کرم اللہ وجہ	۲۴	۴۵۵ (تخمینی)	۶۰۵ھ
۵۔	شیخ شاہی سلطانجی بدایونیؒ	حضرت علی کرم اللہ وجہ	۱۷	۵۶۸ھ	۶۳۲ھ
۶۔	شیخ بدر الدین شاہ ولایت بدایونیؒ	حضرت علی کرم اللہ وجہ	۱۷	ملتان	۶۹۰ھ
۷۔	ملا عبداللہ مکیؒ	حضرت ابوبکر صدیقؓ	۷	-	۶۳۷ھ
۸۔	شیخ مطیع اللہ سہروردی المعروف شیخ مطا خرسوارؒ	حضرت ابوبکر صدیقؓ	۲۴	۵۵۰ تخمینی	۶۳۴ھ

دوسرا باب

بدایوں میں میرے دادا کی اولاد اور قرابتیں

میرے دادا مولوی محمد اصلح کی دو شادیاں ہوئی تھیں۔ پہلی شادی ان کے چچا حافظ آل حسن کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ یہ حافظ آل حسن حافظ حسن علی کے بیٹے تھے اور حافظ حسن علی میرے دادا کے دادا مولوی محسن علی کے بھائی اور مولوی تکمل شہید کے بیٹے تھے۔ اس طرح حافظ آل حسن میرے دادا کے چچا ہوئے۔ ان کی بیٹی سے میرے دادا کے ایک بیٹی پیدا ہوئیں جن کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ان کی شادی سے متعلق روایات کے تضاد کی میں پہلے نشاندہی کر چکا ہوں۔ میرے دادا کی دوسری بیوی یعنی میری دادی مولوی نذر حسین صدیقی کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ ان کے بطن سے پانچ بیٹے اور چھ بیٹیاں تھی۔ گیارہ اولادیں ہوئیں۔ ان میں دو بیٹیوں اور دو بیٹوں کے علاوہ باقی سب کی اولاد کا بھی تناسب کم و بیش یہی تھا۔ اگر گیارہ نہیں تو چھ سات سے کم بھی نہیں۔ کبھی اتفاق سے اگر سب یکجا ہو جاتے تو جشن کا سماں ہوتا تھا۔ اسی حویلی نما مکان کے دالان در دالان' صحنچی' کمرہ' چبوترے صحن' چھت اور اٹیا سب بھر جاتے تھے کیا گہما گہمی ہوتی تھی اس کا اندازہ وہی لوگ کرسکتے ہیں جنھوں نے جوائنٹ فیملی سسٹم کا مشاہدہ کیا ہے۔ اپنے اپنے بیڈ روموں میں سونے والے اس صحبت برہم کا لطف نہیں لے سکتے۔ کیا طریقے اور سلیقے تھے گرمیوں کے زمانے میں رات کو سب کے پلنگ صحن میں آجاتے تھے۔ چھڑکاؤ کے بعد صحن کی مٹی کیا

خوشبو دیتی تھی کچھ نہ پوچھئے۔ زیادہ نازک مزاج لوگوں کے پلنگوں پر مچھر دانی اور شبنمی بھی ہوتی تھی ورنہ کھلی فضا "آگانور سے چاند تاروں کا کھیت" رات کو جلدی سونا صبح جلدی اٹھنا' اذان سحر پر وضو پھر نماز اور پھر تلاوت مجھے وہ گرمی کی وہ صبح یاد ہے کہ سورج چڑھنے تک کیا مرد کیا عورت پلنگ کے سرہانے تکیہ پر یا کسی چھوٹی میز پر یا اسٹول پر رحل اسپر کھلا ہوا قران حکیم ہر طرف سے با آواز بلند تلاوت گھر پر کسی عبادت گاہ کا گمان ہوتا تھا اور یہ ایک دن کی بات نہیں بلکہ روزانہ کا معمول تھا۔ اسی کی برکتوں کا نتیجہ تھا کہ سب آباد و شاداں تھے حالانکہ آخر زمانے میں وہ اڑلے نڑلے اور ٹھاٹ باٹ ختم ہو چکے تھے جو دادا مرحوم کی زندگی میں تھے مگر اقتصادی ناہمواریوں کے باوجود عجب قسم کا اطمینان اور انوکھی سی تسکین سب کو میسر تھی۔ پیسہ اس زمانے میں بھی اہم تھا مگر فرق یہ ہے کہ آج کل پیسہ ہی سب کچھ ہے۔ اس وقت پیسہ کے علاوہ زندگی میں کچھ اور بھی تھا۔ وہ کچھ نہ سمجھائی جانے والی بات! اور یہ صرف میرے دادا کے گھر تک ہی محدود نہیں بلکہ پورے شہر کی یہی فضا تھی۔ پوری شہری زندگی پر مذہب کا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ ذرا تصور کیجئے سال کے بارہ مہینے کس طرح گزرتے تھے۔ محرم سال کا پہلا مہینہ مقدس اور متبرک خاص کر یوم عاشورہ انتہائی متبرک دن اس دن سے انبیاء کے عظیم واقعات منسوب پھر سب سے آخر میں سیدنا حسین علیہ السلام کی شہادت سنی گھرانوں میں روزے اور شیعہ گھرانوں میں فاقہ سے گزرتا تھا۔ سارا دن ادھر ادھر اور ادھر سے ادھر آتی جاتی "حجامنیاں" سروں پر خوان رکھے جن میں مٹھائی بتاشے یا دمیدے یا بالوشاہی یا ممن کے پیڑے علی احمد کے لڈو اور اگر کھانا تو بریانی یا شیرمال اور خمیری روٹی کم و بیش ہر گھر سے ہر گھر تک نیاز نذر اور تبرک کی تقسیم اعزاء و اقارب میں اہل محلہ میں ہر جگہ لنگر اور فاتحہ اور طرح طرح کے شربت کیا رنگ تھا۔ پھر محرم کے پہلے عشرہ میں مستقل مجالس اور ذکر حسین کیا سنی کیا شیعہ سب ہی ایک مجلس سے اٹھے دوسری

میں شریک نہ کوئی تعصب نہ اختلاف مگرہاں ایک خاص قسم کی دونوں طرف احتیاط چھٹی محرم کو لنگر کا جلوس بیل گاڑیوں کی طویل قطار سب گاڑیاں سجی بنی ہر گاڑی میں دیگ رکھی ہوئی اس میں پلاؤ یا زردہ یا کوئی اور تبرک بعض میں شربت کہیں دودھ کا کہیں سادہ کہیں گڑ کا نہ جانے کتنی بیل گاڑیاں گزرتی تھیں۔ میں نے شہر کے معززین اور شرفاء کو بھی لنگر کے پیچھے دوڑتے دیکھا ہے پھر آٹھویں شب کو مہندیاں اور دس کو تعزیہ کا جلوس ان میں مہندی کا تصور میرے خیال سے بدایوں کی تخصیص تھی۔ شاید کسی دوسرے شہر میں مہندیاں اس طرح نہیں نکلتی تھیں اور غالباً" مہندیوں سے براہ راست عزاداری کا تعلق بھی نہیں تھا بلکہ یہ کربلائے معلیٰ میں حضرت قاسمؑ کی شادی کی روایت سے وابستہ ایک تصور تھا کہ "وہاں شادی کی تقریب شان و شوکت سے نہ ہو سکی تھی تو یہ اس کا بدل تھا" اسی لئے زوردار ڈھول اور تاشے ہوتے تھے مگر نوحہ خوانی نہیں ہوتی تھی بدایوں کے سب ہی لوگ اس میں شرکت کرتے تھے۔ شیعہ کم سنی زیادہ بدایوں کے مختلف محلوں میں جو مہندیاں تیار کی جاتی تھیں وہ اپنے اپنے علاقوں سے جلوس کی شکل میں آکر ہمارے گھر والے چوک پر جمع ہوتی تھیں یا مقامی زبان میں وہاں ان کا "ڈناؤ" ہوتا تھا یہ غالباً" اس لئے کہ شہر کی سب سے بڑی اور پرشکوہ مہندی زیادہ روشن اور سجی بنی سب سے بلند و بالا سلاوللہ کی مہندی تھی جو بدایوں کے گردونواح بلکہ دوسرے اضلاع تک "پنجوچون پتھ" کے تعزیہ کی طرح مشہور تھی یہ مہندی وہیں تیار ہوتی تھی سلیم اللہ ولی محمد جو سلاوللہ کہلاتے تھے ان کا مکان وہیں تھا اور ان کے گھر کے سامنے یہ مہندی بنتی تھی۔ رنگ برنگ پھول پتیوں' ہمہ رنگ شیشوں اور ان پر نقاشی اور میناکاری کے ذریعہ سجائی جاتی تھی۔ یکم محرم سے اس پر کام شروع ہوتا تھا اور نہ جانے کتنے کاریگر کم و بیش ایک ہفتہ کی مسلسل محنت سے اسے مکمل کرتے تھے جبکہ اس کے بنیادی ڈھانچے کے اکثر حصہ ہمیشہ محفوظ کر لئے جاتے تھے۔ یہ مہندی باقی تمام مہندیوں کی

امام تھی۔ اسی وجہ سے شہر کی تمام مہندیاں اس کے قریبی چوراہے پر جمع ہوتی تھیں دور دور کے محلوں سے لوگ یہاں آتے تھے اور رات بھر انتہائی گہما گہمی میں گزرتی تھی۔ نو اور دس محرم کو خاص کر شربت کی سبیلیں لگتی تھیں تعزیہ کا جلوس اور تلوار بازی کے مقابلے ہوتے تھے گد کے اور چاقو زنی کے فن کا مظاہرہ ہوتا تھا مختلف پہلوانوں کے اکھاڑے مقابل ہوتے تھے۔ نیاز نذر اور مجالس کو چھوڑ کر ان سب چیزوں کی مذہبی کم اور ثقافتی اہمیت زیادہ تھی مگر یہ ثقافت ایک مذہبی معاشرے سے وابستہ تھی۔ محرم کی پانچ تاریخ کو بابا گنج شکر کی فاتحہ ہوتی تھی اس کے لئے ایک خاص طرح سے میٹھی کھچڑی پکائی جاتی تھی۔ اس کے بعد صفر کا مہینہ آتا تھا جسے بدایوں میں "تیزی" کا مہینہ کہتے تھے۔ شاید تیزی اس لئے کہتے ہوں کہ یہ مہینہ صحت کے لحاظ سے سرکارؐ پر بہت سخت گزرا تھا۔ چاند کی تیرہ تاریخ کو پرانے مٹکے اور گھڑے پھوڑے جاتے تھے۔ پرانا سامان جو ناقابل استعمال ہوتا نکال پھینکا جاتا تھا۔ شاید یہ شگونی مسئلہ تھا اور یہ کوئی مذہبی عمل نہیں تھا مگر اس مہینے میں آخری چہار شنبہ ضرور منایا جاتا تھا۔ یہ سرکارؐ کے غسل صحت کا دن تھا اس دن ایک خاص طریقہ سے شکر میں گندم اور چنے پکا کر اس پر نیاز ہوتی تھی۔ یہ "گھمنیوں" پر نیاز شاید نئی نسل کی سمجھ میں نہ آئے۔ اس کے بعد سال کا تیسرا مہینہ ویسے سب سے افضل اور اول جسے ربیع الاول کہتے ہیں۔ بارہ وفات بھی کہلاتا تھا مگر اس ماہ مبارک کے اعمال پر وفات سے زیادہ ولادت کا اثر نظر آتا تھا عید میلاد النبیؐ کا مہینہ۔ اس مہینہ کے پہلے بارہ دن اکثر گھرانوں میں باقاعدگی سے میلاد شریف کی بارہ محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔ چھوٹے بڑے ہر پیمانہ پر میلاد شریف یا مولود شریف ہوتے تھے۔ بالعموم خواتین کی محفلوں میں منظوم کلام پڑھا جاتا تھا۔ پہلے حمد پھر نعت بلکہ نعتیں اس کے بعد آمد پھر ولادت پھر سلام کھڑے ہو کر اس کے بعد بہت سے گھرانوں میں مناجات پھر مدح صحابہ پھر منقبت غوثیہ یوں سمجھئے کہ خواتین کی محفلوں کے لئے میلاد

شریف کا یہ ڈھانچہ مقرر تھا۔ البتہ مردانی محفلوں میں تقریریں ہوتیں۔ ایک آدھ نعت منظوم بھی پڑھی جاتی مگر سلام ہمیشہ منظوم ہی ہوتا۔ اکبر وارثی کا سلام یا نبی سلام علیک یا حفیظ جالندھری کا سلام' سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی یا پھر ماہر القادری کا سلام' سلام اس پر کہ جس نے بیکسوں کی دستگیری کی بعض محفلوں میں امام احمد رضا خان صاحب کا سلام مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام۔ بعض محفلوں میں یہ عربی سلام بھی ہوتا تھا یا شفیع الوریٰ سلام و علیک۔ اور ان بارہ دن کے بعد بھی میلاد شریف کی محفلیں منعقد ہوتی رہتی تھیں۔ دوسرے شہروں کے متعلق میں نہیں کہہ سکتا مگر بدایوں میں عام طور پر صبح صادق کا میلاد شریف بہت اہم تھا۔ اکثر گھرانوں میں گیارہ اور بارہ کی درمیانی شب تہجد کے بعد سے اذان فجر تک یہ محفل ہوتی تھی۔ خاص اس وقت جو سرکار کی ولادت کا وقت تھا اول تو صبح صادق کا وقت پھر سرکار کا ذکر اور عقیدت مندوں کے جذبات عجب پر کیف محفل ہوتی تھی یہ سلسلہ میرے ہاں کراچی میں بھی جاری رہا۔ میری بہنوں کے ہاں یہ میلاد شریف ابھی تک ہوتا ہے۔ کسی محفل میں کچھ بھی تبرک ہو مگر اس میلاد شریف میں مہن کے پیڑے ہی تقسیم ہوتے تھے بلکہ ہوتے ہیں خود میرے گھر بھی۔ بہت چھوٹے پیمانہ پر سہی یہ سلسلہ سال گزشتہ تک جاری رہا۔ آگے اللہ بہتر جانے۔ بدایوں میں تو بارہویں شب کا منظر ہی عجیب ہوتا تھا۔ میرے چچا محمد یونس جو انو کہلاتے تھے گھر کے سامنے والی سڑک پر چراغاں کرتے تھے۔ پوری سڑک روشن روشن جگمگ جگمگ جھنڈیاں' زنجیرے' قندیلیں' پھول' ہار' محرابیں کیا کیا سجاوٹیں ہوتی تھیں۔ سڑک کے دونوں سمت رنگین بانسوں کی باڑھ بنائی جاتی ان پر ان گنت مٹی کے دیئے جما کر جلائے جاتے جو کھلی فضاء میں صبح صادق تک جلتے رہتے تھے۔ بدایوں کی ہوا کراچی کی طرح ظالم نہ تھی وہ سرکارؐ کے نام پر جلائے گئے چراغوں کو بجھانے سے گریزاں رہتی تھی۔ تا صبح یہ چراغاں رہتا تھا۔ آخر شب صلوٰۃ و سلام

شروع ہوتا جو اذان فجر پر ختم ہوتا تبرک تقسیم ہوتا اور محفل کا اختتام ہوتا بالعموم اس محفل میں میرے پھوپا مرحوم خواجہ غلام نظام الدین جو فقیہہ شہر بھی تھے اور ایک زندہ ولی اللہ وہ صلواۃ و سلام سے پہلے انتہائی ولولہ انگیز انداز میں تقریر فرماتے تھے۔ یہ وہ رات تھی جس کے دھندلکے دن کے اجالوں سے زیادہ منور تھے۔

دوسرے دن صبح کو ایک جلوس نکلتا جو شہر میں گشت کرتا تھا۔ اس میں گھوڑے سوار' شترسوار اور زیادہ تر پیادہ دستہ ہوتے جو صلواۃ و سلام پڑھتے نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت بلند کرتے ہوئے کیف پرور منظر پیش کرتے تھے۔ یہ جلوس جب سبزی منڈی پر پہنچتا تو ایک پھل فروش اپنی دوکان کے سب پھل لنگر کے طور پر لٹادیتے اس میں قیمتی پھل انگور اور سیب بھی شامل ہوتے جو بدایوں میں مریضوں کے پھل کہلاتے تھے اور کمیاب تھے خاص کر انگور تو چھٹانکوں کے حساب سے بکتے تھے۔ ورنہ وہاں کے پھل تو آم' تربوز' خربوزہ اور سنگھاڑے تھے اور ہاں امرود جسے اہل بدایوں نہ معلوم کیوں "سفری" کہتے تھے۔

ربیع الاول کے بعد ربیع الثانی کا مہینہ جو مقامی طور سے میرانجی کا مہینہ کہلاتا تھا۔ میرانجی دراصل پیر پیراں میر میراں سیدنا حضرت غوث الاعظم دستگیر کا لقب تھا اور یہ مہینہ آپ ہی کے نام سے منسوب تھا اسے گیارہویں شریف کا مہینہ بھی کہتے تھے اس ماہ مبارک کی گیارہ تاریخ کو بڑی گیارہویں ہوتی تھی۔ گیارہویں شریف کی فاتحہ بالعموم بریانی یا بالو شاہی پر ہوتی تھی۔ مگر یہ کوئی لازمی بات نہیں تھی۔ گیارہویں شریف کے جشن کا مرکز مدرسہ قادریہ تھا ویسے اکثر گھرانوں میں فاتحہ ہوتی اور لنگر تقسیم ہوتا تھا۔ بہت اعتدال پسند شیعہ بھی یہ لنگر کھاتے تھے۔ گیارہویں شریف پر کوئی جلوس وغیرہ نہیں نکلتا تھا مگر نیاز نذر عام تھی۔ عوامی حلقوں میں حضرت غوث پاک کی دینی خدمات اور تبلیغی کوششوں کا اتنا تذکرہ نہ تھا جتنا آپ کی کرامات اور مشکل کشائی حاجت روائی اور دستگیری کا چرچہ تھا۔ آپ کی

روحانی عظمت اور تمام اولیائے کرام سے برتری اور اولیاء کی سرداری کا تصور آپ کی ذات سے وابستہ تھا۔ اکثر لوگ آپ کے جلال کے واقعات سے زیادہ متاثر تھے اس لئے نام انتہائی ادب احترام سے لیا جاتا تھا۔ لوگ آپ کو بڑے پیر صاحب کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ نہ معلوم کیوں آپ کی شفقت و محبت سے زیادہ کرم کے ساتھ جلال کا تصور تھا۔ اکثر لوگ آپ کی مناقب خاص کر محشر بدایونی کی لکھی ہوئی منقبت "غوث اعظم بعن بے سرو ساماں مددے" بہت شوق سے پڑھتے تھے۔ دوسری منقبت جو زبان زد خاص و عام تھی اس کے تین شعر مجھے بھی یاد ہیں۔

اسیروں کے مشکل کشاد غوث اعظم
فقیروں کے حاجت روا غوث اعظم
ترے ہاتھ میں ہاتھ میں نے دیا ہے
ترے ہاتھ ہے لاج یا غوث اعظم
بھنور میں پھنسا ہے سفینہ ہمارا
مدد کے لئے آؤ یا غوث اعظم

اگلا مہینہ شاہ مدار کے نام سے منسوب تھا۔ بدایوں میں شاہ مدار کا بھی عرس ہوتا تھا اور اس موقع پر ایک چھوٹا سا میلہ بھی لگتا تھا اس میلہ سے "چھڑیوں اور مہندیوں" کے تصورات وابستہ تھے جن کی معنویت پر میں کوئی معتبر روایت بیان نہیں کرسکتا۔ البتہ ان بزرگ کے نام سے ایک محاورہ منسوب ہوگیا ہے کہ "مرتے کو ماریں شاہ مدار" میرے نزدیک اس کی تعبیر بیانیہ نہیں بلکہ استعجابیہ ہے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ یہ ایک انسان دوست مشفق اور لوگوں کے ہمدرد بزرگ تھے جن کی ذات سے کسی کے ساتھ سختی کا تصور ہی محال تھا اس لئے اگر کہیں ایسا ہوتا ہے تو لوگ استعجاب کے ساتھ کہتے کہ "مرتے کو ماریں شاہ مدار" شاید وقت گزرنے کے ساتھ اس کا لہجہ بدل کر بیانیہ ہوگیا ہے ورنہ کسی بزرگ سے "کمزور پر تظلم کا کیا

تعلق؟" اس محاورے کی اصل استفہامیہ اور استعجابیہ ہی لگتی ہے۔ اگلا مہینہ جسے غلط العوام نام سے پکارا جاتا ہے "خواجندین" کا مہینہ ہے یہ لفظ دراصل بگڑ کر یہ شکل اختیار کر گیا ہے جو شاید بدایوں تک ہی محدود ہے۔ ورنہ اس ماہ مبارک کا نام حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے نام سے موسوم ہے جس کی وجہ نسبت کا مجھے علم نہیں اس سے اگلا مہینہ رجب المرجب کا مہینہ ہے۔ اس میں دو مذہبی معتقدات ہوتے تھے جن میں انتہائی اہم شب معراج کا جشن تھا اس جشن کو بدایوں میں "رجبی شریف" کہتے تھے۔

اس شب بدایوں کی مرکزی مسجد یعنی جامع مسجد شمسی میں شب معراج کا ایک عظیم الشان اجتماع ہوتا تھا میرے ہوش کے زمانے میں مولانا عبدالحامد بدایونی اگر شہر میں ہوتے تو اس اجتماع سے خطاب فرماتے تھے ورنہ خواجہ نظام الدین قادری یا ملا عبدالصمد یا دیگر مقامی علماء اس میں شریک ہوتے تھے کبھی کبھی بعض علماء کو دیگر اضلاع سے بھی مدعو کیا جاتا تھا اور معراج نبوی کی تفصیلات اور اس کے فلسفہ پر روشنی ڈالی جاتی تھی۔ یہ رات نوافل و عبادات میں صرف ہوتی تھی گھر گھر محفلیں ہوتی تھیں خاص کر جناب قاضی علی احمد کے مکان پر بقول جناب عثمان مرتضٰی یہ سالانہ جشن خصوصی اہتمام کے ساتھ ہوتا تھا میرے خیال میں دیگر اضلاع کے مقابلے میں "رجبی شریف" کا اہتمام بدایوں میں زیادہ جوش و خروش کے ساتھ ہوتا تھا۔ ماہ رجب کے دو اور دن بھی اہمیت کے حامل تھے۔ ایک تیرہ رجب اور دوسرا بائیس رجب۔ تیرہ رجب حضرت علیؓ کا یوم ولادت ہے اس دن اکثر بلکہ تمام ہی شیعہ گھرانوں میں اور بہت سے سنی گھرانوں میں ولادت مولا علی کا جشن ہوتا تھا سنی گھرانوں میں بڑی محفلیں نہیں ہوتی تھیں صرف فاتحہ ہوتی تھی بلکہ نیاز شیعہ گھرانوں میں اُہتمام زیادہ ہوتا تھا مگر از روئے عقیدہ سنی بھی اس دن کی اہمیت کے قائل تھے۔ جیسا کہ مذاق میاں نے لکھا ہے

ہو چکا مولود احمد آیا مولود علی
تیرہویں تاریخ آئی بارہویں ہو کر چلی

یا

بارہویں کے بعد جیسے تیرہویں تاریخ ہو
ایسے ہی بعد از محمدؐ ہیں علی مشکل کشا

بعض منطقی ایمان رکھنے والے اس یوم کی عظمت پر سکوت اختیار کرتے تھے اسی طرح ایک اور متبرک دن ۲۲ رجب ہے۔ اس دن امام جعفر صادقؑ کی نیاز ہوتی ہے اور ایک خاص اہتمام کے ساتھ یہ نیاز کونڈوں کی نیاز کہلاتی تھی کراچی میں بھی عام ہے بگر بدایوں میں دیگر مذہبی حوالوں کی طرح اس میں بھی خصوصیت تھی۔ یہ نیاز پوریوں پر ہی ہوتی تھی۔ شاید ہی کسی گھر میں پوریوں کے علاوہ کسی اور چیز پر ہوتی ہو ہاں بعض جگہ پوری کے کونڈوں کے ساتھ کھیر کے کونڈے بھی ہوتے تھے۔ کونڈے میں یہ تبرک اس لئے رکھا جاتا تھا کہ وہ غیر استعمال شدہ اور کورے ہوتے تھے۔ جھوٹے برتن میں یہ تبرک نہیں رکھا جاتا تھا۔ بعض گھرانوں میں نیاز سے پہلے ایک منظوم داستان بھی پڑھی جاتی تھی جس میں اس نیاز کی اہمیت واضح کی گئی تھی اس نظم کا ایک شعر مجھے یاد رہ گیا ہے۔

سوا سیر میدہ سوا پاؤ گھی
نہو مقدرت گر تو اتنا سہی

اس نیاز کا تبرک تقسیم نہیں ہوتا تھا بلکہ گھر کے اندر ایک مخصوص پاک صاف جگہ پر زمین پر بیٹھ کر آنے والے نیاز چکھتے تھے سخت گیر لوگ تو گھر کے دوسرے حصوں میں لے جا کر بھی یہ تبرک نہیں کھاتے تھے اور تبرک گھر سے باہر لے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ تبرک تقسیم نہ ہونے کے باوجود دوسرے دن کے لئے اسے بچا کر رکھنا تقریباً" ممنوع سمجھا جاتا تھا۔ یہ نیاز سوا پاؤ میدے سے

لے کر سوا من تک کی پوریوں پر ہوتی تھی گھر کے سامنے سے گزرتے ہوئے لوگوں کو بلا بلا کر یہ نیاز چکھائی جاتی تھی اور کم و بیش ہر خاندان میں یہ تبرک اسی روز ختم ہوجاتا تھا۔ اس کا بچ رہنا بدشگونی اور عدم قبولیت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ یہ وہ ثقافتی عناصر تھے جو مذہبی معتقدات پر چھائے ہوئے تھے۔ اس کے بعد شعبان کا مہینہ جسے "شبرات" کہتے تھے یہ "شبرات" شب برات کا مخفف و مشتق تھا اس کی پندرھویں شب عبادات و نوافل و استغفار میں گزاری جاتی۔ شب بیداری ہوتی قبل از سحر "سحری کھا کر روزہ رکھا جاتا" پندرہ شعبان کو اکثر لوگ روزہ رکھتے تھے یہ دن یوم غزوہ احد بھی ہے۔ چنانچہ اس دن شہدائے احد بالخصوص حضرت حمزہ کی فاتحہ ہوتی اور چونکہ اس غزوہ میں رسول اکرمؐ کا دندان مبارک شہید ہوا تھا جس کی خبر سن کر حسب روایت حضرت اویس قرنی نے اپنے تمام دانت نکال پھینکے تھے اس لئے اس دن رسول مقبولؐ کی نیاز کے ساتھ حضرت اویس قرنیؓ کی بھی فاتحہ ہوتی تھی جو خاص کر نرم حلوہ پر کی جاتی ہے اور اس کے ساتھ انواع و اقسام کے دیگر حلوے بھی بنائے جاتے تھے شاید شیرینی کے اثر کو معتدل کرنے کے لئے کڑھی بھی پکائی جاتی تھی یہ پھر وہی ثقافتی عناصر تھے جو مذہب سے ہمرنگ ہوگئے تھے خاص کر شعبان میں آتش بازی کا تصور بالکل غیر اسلامی ہے۔ یہ آگ کا کھیل شاید انسانوں میں آتشیں مخلوق کے غلبہ کا اثر ہے اور "معاشرۃ الجن والانس" کی تشریح ہے۔ بہرحال جو بھی ہے اس کی ثقافتی اہمیت ضرور ہے۔ ہرچند کہ اس کھیل میں آتش گیری اور حادثات کا امکان ہے مگر بدایوں میں آتش بازی کا کیا زور شور ہوتا تھا شیر بچہ 'انار' چکئی' چرخی' سری' بچھو' پھلجڑی' مہتابی' پٹاخہ کیا کیا انواع و اقسام کے آتشیں کھیل تھے : بعد مغرب شروع ہوکر گھنٹوں جاری رہتے تھے مگر وہاں احتیاط خاص کی بدولت حادثات بہت کم ہوتے تھے۔ ہاں "شبرات" کا ایک اور اہم ثقافتی پہلو تہنیتیں تھیں جنہیں عیدیاں کہتے تھے۔ جیسے عید کے موقع پر یہاں عید کارڈ چھپتے

اور بکتے ہیں وہاں عید اور شعبان میں عیدیاں ہوئی تھیں رنگ برنگ کاغذوں پر نقش و نگار کے ساتھ سنہری روپہلی عیدیاں بالعموم ٹیوٹر حضرات ان مواقع پر یہ عیدیاں بچوں کو دیتے تھے (یہ عیدیاں منظوم تہنیت ہوتی تھیں) ان کے جواب میں اساتذہ کو نذرانے دیئے جاتے تھے۔ شعبان والی عیدی کے دو شعر مجھے یاد ہیں۔

آئی شب برات بڑے دھوم دھام سے
شیریں دہن ہر ایک ہے حلوے کے نام سے
مہتاب نے جہان کو پرنور کردیا
چرخی بھی چھوٹتی ہے بڑے اہتمام سے

بعض عیدیوں میں ایک اور روایت نظم ہوتی تھی کہ

آئیں گے گھر کے مردے بیٹھیں گے دو گھڑی
کھائیں گے حلوہ روٹی ، چھوڑیں گے پھلجڑی

عید کے موقع پر دی جانے والی عیدیوں میں منظومات ہوتی تھیں ایک شعر مجھے یاد ہے

نکلا ہلال عید فلک پر جو شام کو
رخصت جہاں سے کردیا ماہ صیام کو

اسی طرح بدایوں میں لڑکے کی شادی بیاہ کے مواقع پر کم و بیش تمام ہی مقامی شعراء کا سہرے کہنا اور ان کا کتابی شکل میں چھپنا لڑکیوں کی رخصتی اور مہندی صحتیابی پر تبریک اور رخصت پر الوداعیہ یہ سب بدایوں کی ادبی و ثقافتی روایات ہیں۔ بات سے بات نکلی تو یہ سب تذکرے آگئے ورنہ میں عرض یہ کررہا تھا کہ بدایوں میں رمضان شریف کا مہینہ انتہائی اہم مہینہ تھا ویسے بھی یہ ماہ مبارک پوری امت مسلمہ کے لئے اہم ہے اور اس کا تذکرہ قرآن حکیم میں موجود ہے۔ بدایوں میں اس کا آغاز بڑے اہتمام سے ہوتا تھا۔ ۲۹ شعبان کو ہر علاقے میں جگہ جگہ چاند

دیکھنے والوں کی ٹولیاں کی ٹولیاں آسمان کی طرف نظر اٹھائے ہوئے آنے والی عید کا تصور ذہن میں بسائے کس اشتیاق سے رویت ہلال کا اہتمام کرتے تھے۔ مغرب سے چند ساعت قبل بزرگ شہریوں کی ایک جماعت جامعہ مسجد شمسی کا مقفل زینہ کھلوا کر مسجد کی چھت سے چاند دیکھتی۔ کبھی کبھی اس جماعت میں میرے والد صاحب مرحوم بھی ہوتے اور میں ان کے ساتھ شامل ہو جاتا۔ چاند ہونے کا اعلان گھنٹہ گھر پر گولہ چھوڑ کر کیا جاتا۔ اس کے ساتھ ہی سائرن بجایا جاتا۔ سائرن کی اور گولے کی آواز پورے شہر میں سنائی دیتی جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بدایوں کی فضاء شور و غل سے کس قدر پاک تھی۔ چاند رات سے قبل ہی اہل شہر میں رمضان شریف کا نظام الاوقات شائع کر دیا جاتا۔ اس میں چونکہ قمری تاریخوں کے ساتھ افطار و سحری کا وقت درج ہوتا یعنی طلوع و غروب کے اوقات ہوتے تھے شاید اسی لئے اہل بدایوں اسے "جنتری" کہتے تھے یہ جنتری رویت ہلال سے قبل کم و بیش تمام گھرانوں میں دستیاب ہوتی اس جنتری میں ایک اضافی خبر ہوتی تھی وہ یہ کہ ہر روز بعد نماز تراویح کسی نہ کسی ولی اللہ کا عرس ہوتا تھا۔ بدایوں میں مدفون مشاہیر اولیاء کے ان گنت مزارات اور درگاہیں تھیں۔ ہر شب کسی نہ کسی کے مزار یا درگاہ پر چھوٹے موٹے میلے کا سماں ہوتا۔ چادر چڑھتی فاتحہ خوانی ہوتی تبرک تقسیم ہوتا سلطان جی صاحب شاہ ولایت صاحب سید احمد صاحب سید عرب صاحب میرانجی صاحب سرخ شہید صاحب چٹیا والے میاں صاحب مٹکی پیر صاحب ہنسلی پیر صاحب اور مذاق میاں کی درگاہوں پر اور درگاہ قادریہ میں خصوصی طور پر حاضریاں ہوتیں منتیں مانی جاتیں اور پوری ہوتیں پھر نذرانے پیش کئے جاتے' مٹھائیاں تقسیم ہوتیں' قوالی ہوتی۔ خاص کر سلطانجی صاحب شاہ ولایت صاحب' درگاہ قادریہ اور چٹیا والے میاں صاحب کے عرس بہت دھوم دھام سے ہوتے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ چٹیا والے میاں صاحب حضرت خواجہ نصیر الدین کے مزار پر عرس کے دن ان

کے ایک معتقد نے ان کی منقبت لکھ کر تقسیم کروائی تھی اور وہی منقبت قوالوں نے بھی گائی تھی کیا منظر تھا کیا کیف اور رنگ تھا جنہوں نے دیکھا ہو وہی جانیں مجھے شاعر کا نام تو یاد نہیں ایک دو بند ابھی تک یاد ہیں۔

یا خدا تاروں میں جب تک رنگ تابانی رہے
یا خدا گلشن میں جب تک حسن سامانی رہے
یا خدا جب تک زمیں پر نسل انسانی رہے
یا خدا جب تک سمندر کا رواں پانی رہے
حضرت خواجہ نصیر الدین کی سلطانی رہے
درگہِ والا سے جاری فیض روحانی رہے

مہر مغرب سے الٰہی جلوہ گر جب تک نہو
بزم عالم میں قیامت کی سحر جب تک نہو
طور کے نغموں سے دنیا باخبر جب تک نہو
عالم انسانیت زیرو زبر جب تک نہو
حضرت خواجہ نصیرالدین کی سلطانی رہے
درگہِ والا سے جاری فیض روحانی رہے

بدایوں کے ادبی حلقوں میں اس کی بڑی پذیرائی ہوئی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ ملا ساگر کی دکان پر دس بارہ آدمیوں کا ہجوم تھا ایک صاحب کے ہاتھ میں منقبت کا پرچہ تھا۔ وہ منقبت پڑھ رہے تھے۔ ملا ساگر جو خود شاعر تھے اپنے شاگردوں میں اس کے مطلب بیان کر رہے تھے اور اشعار کی داد دے رہے تھے۔ انہوں نے اپنے ایک شاگرد سے پوچھا کہ "مہر مغرب سے جلوہ گر ہونے کا کیا مطلب ہے" وہ جواب نہ دے سکے میں غالباً" پانچویں یا چھٹے درجہ میں پڑھتا تھا۔ میں نے باآواز بلند کہا "قیامت آنا" اس پر ملا بہت خوش ہوئے اور اپنے شاگرد (رضا بدایونی) کو ڈانٹ کر

کہنے لگے شرم کرو اتنا سا بچہ صحیح جواب دے رہا ہے اور تم نہیں بتا سکے اس وقت تمام حاضرین نے ہماری شعر فہمی کی بڑی داد دی اور ہم اتنے خوش ہوئے کہ یہ واقعہ آج تک یاد ہے۔ تو بات ہو رہی تھی رمضان شریف کی جس میں ہر روز ایک یا دو بزرگوں کے عرس ہوتے تھے اور نظام الاوقات پہلے سے شائع ہو جاتا تھا۔ پھر رویت ہلال کے بعد پہلی ہی شب سے گھنٹہ گھر پر نوبت رکھ دی جاتی تھی جو تہجد سے تا فجر بجتی تھی پورے شہر میں اس کی آواز سنی جاتی تھی اس کا مقصد "سحری" کے لئے لوگوں کو بیدار کرنا تھا "سحری" کے وقت کم و بیش پورا "مسلم شہر" جاگ رہا ہوتا تھا۔ مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے والوں کی تعداد بڑھ جاتی تھی۔ جامع مسجد شمسی میں نماز ظہر سے ایک دو گھنٹہ پہلے بعض بزرگ جمع ہو جاتے تھے ان کے علاوہ دس بارہ بچے بھی ہوتے تھے۔ پیارے میاں جو اس زمانے میں مسجد میں امامت کرتے با آواز بلند شاہنامہ اسلام پڑھ کر سناتے تھے۔ ہم سب پورے دھیان سے سنتے تھے تاریخ بھی معلوم ہوتی تھی شعر کا لطف بھی آتا تھا اور روزہ کی دوپہر آرام سے کٹ جاتی تھی۔ اسی زمانے میں شاہنامہ اسلام سن سن کر مجھے جگہ جگہ سے حفظ ہو گیا تھا۔ ابھی تک کافی یاد ہے۔ نماز عصر کے بعد سے ہی روزہ کا اہتمام شروع ہو جاتا تھا۔ خواتین افطاری تیار کرنے میں مصروف ہوتیں۔ مرد حقہ تازہ کرتے خمیرہ بھر کے چلم تیار کرتے اور افطار بعد کے لئے توا دہکا کر رکھتے تھے گھر کے ملازم یا بعض نو عمر برف کی خریداری کے لئے نکل جاتے وہاں فریج تو تھے نہیں ٹھنڈے اور کورے گھڑوں مٹکوں اور صراحیوں میں پانی ہوتا تھا۔ گرمی کے دنوں میں برف کی مانگ بہت بڑھ جاتی تھی اور قیمت بھی بڑھ جاتی تھی۔ افطار کے انتظار میں بھرے پرے دستر خوان سجے ہوئے' شربت کے جگ بھرے ہوئے' افطاری سیو دال دہی پھلکی گٹے کھجوریں۔ نمک پارے شکر پارے وہاں یہی افطاری ہوتی تھی۔ پھر حسب مقدور پھل بھی مگر پھلوں کا زیادہ رواج نہ تھا۔ اگر موسم ہوا تو تربوز خربوزے یا گنڈیریاں

امرود کی چاٹ یہی وہاں کے پھل فروٹ تھے۔

کیا امیر کیا غریب ہر گھر سے افطاری قریبی مسجد میں جاتی تھی جہاں انواع و اقسام کی ڈشیں دستیاب ہوتی تھیں۔ میرے والد مرحوم خاص دلچسپی سے فیرینی شامی کباب اور پوریاں افطار کے لئے مسجد لے جایا کرتے تھے۔ جب یہ اہتمام خاص ہوتا تو مسجد میں افطار کرتے ورنہ گھر پر۔ ویسے اکثر گھرانوں میں گھر سے باہر بھی افطار کا انتظام ہوتا تھا جس میں آتے جاتے راہ گیر بھی شرکت کرتے تھے۔ غرض یہ کہ "نہ کھانے والے مہینہ میں خوب کھایا جاتا تھا" اور بڑے ذوق شوق کے ساتھ پھر آخر مہینہ میں شب بیداری اور عبادات کا خاص اہتمام رہتا تھا اس کے بعد عید کے دن صبح سویرے سے فطرہ لینے والے ٹولیاں بنائے جھولیاں پھیلائے گھروں سے تقسیم ہونے والے آٹے اور گندم کے بھرے تھیلے لٹکائے ادھر سے ادھر آتے جاتے غسل اور نئے کپڑے خوشبو سیویاں' شیر خرمہ عیدی اور عیدیاں اور اس کے علاوہ باقی کم و بیش وہی سب اہتمام جو دوسرے شہروں میں بھی ہوتا تھا۔ اس کے بعد ایک مہینہ خالی جس میں کوئی مذہبی اہتمام نہیں ہوتا تھا۔ شاید اسی لئے ذیقعد کے مہینہ کو "خالی" کہتے تھے اس کے بعد عیدالاضحیٰ سال کا آخری مہینہ ہوتا تھا جس میں بدایوں کی نسبت سے کوئی تخصیص نہیں تھی۔

اوپر بیان کردہ حقائق و وقوعات کی روشنی میں اندازہ ہوتا ہے کہ بدایوں کی فضا کتنی مذہبی تھی اور اس میں کیا کیا مقامی ثقافتی عناصر کارفرما تھے جو ایک محکم اور معتبر زندہ معاشرہ کی شبیہ پیش کرتے ہیں۔ یہ پورا معاشرہ مستحکم معاشرتی اکائیوں خاندانوں سے مل کر بنا تھا انہی میں ایک میرے دادا کا خاندان تھا جس میں کوئی خاص کلی پھندنے نہیں لگے تھے۔ مگر یہ ضرور ہے کہ یہ ایک معزز و معروف خاندان تھا جسے "جامع انساب شرفائے نجیب الطرفین بدایوں" میں مولف نے ایک نمایاں مقام دیا ہے وہ یوں رقم طراز ہیں کہ "بدایوں میں جو شیوخ عبدالرحمانی ہیں ان کے

چند خاندان ہیں ایک "متولی دوسرا خرسوار" تیسرا "نجیبی" چوتھا "قاضی" یہ سب حضرات ایک ہی سلسلہ میں منتسب ہیں ان میں دوسرا خاندان میری ددھیال ہے اور چوتھا ننھیال ہے۔ میرے دادا مولوی محمد اصلح بدایوں کے ایک بڑے زمیندار تھے جنہوں نے اپنی جائیداد میں اضافے کے بجائے اسے گنوانے کے طور طریق استعمال کئے۔ یہ واقعہ مشہور ہے کہ انہوں نے اپنی پہلی بیٹی کی شادی پر جو جہیز دیا تھا پورے شہر کے افراد میں اس کی مثال نہیں ملتی یہ تو دوسروں کو معلوم ہے مگر "رازدرون خانہ" یہ ہے کہ اس میں کم و بیش اپنی چوتھائی یا اس سے کچھ زائد جائیداد فروخت کرنی پڑگئی تھی اس کے بعد ان کے پانچ بیٹوں اور چھ بیٹیوں کی اور شادیاں ہوئیں آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ آخری پونجی صرف ایک حویلی نما مکان رہ گیا تھا اور مآل کار میرے تایا اور والد اور چچا کو "گوروں کی نوکری" کرنے پر مجبور ہونا پڑا اور یہ نوکریاں بھی کوئی بڑے منصب کی نوکریاں نہیں تھیں بلکہ اوسط بلکہ اس سے بھی کچھ کم درجہ کی ملازمت یعنی میرے ایک تایا پوسٹ ماسٹر ہوئے دوسرے کنڈکٹر گارڈ میرے والد صاحب "کورٹ آف وارڈز" میں ریڈر اور چچا ٹکٹ کلکٹر دوسرے چچا نے ملازمت نہیں کی بلکہ تجارت سے وابستہ رہے۔ ان میں جو پوسٹ ماسٹر تھے وہ میرے سب سے بڑے تایا تھے جناب حبیب اصغر۔ خاموش طبع، خوش پوش، نازک مزاج، مشفق اور بردبار شخصیت تھے مگر جب غصہ آتا تھا تو لرزد زمین و آسمان کا گمان ہوتا تھا۔ تمام اہل خاندان ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ وہ خود لاولد تھے مگر سب انہیں باپ کی طرح سمجھتے تھے۔ نہایت نفاست کے ساتھ کھانا پینا رہنا سہنا ہر چیز ایک خاص وضع داری اور سلیقہ کے ساتھ۔ انہوں نے میرے چھوٹے چچا سید احمد کو بیٹا بنایا تھا۔ گھر کی بالائی منزل پر نہایت صاف ستھرے طریقے سے رہتے تھے اور خود بھی بڑا ہونے کا احساس رکھتے تھے۔ کم و بیش روزانہ ان کی بالائی کی پلیٹ میں ایک نوالے کی حد تک میرا بھی حصہ ہوتا تھا۔ آخر

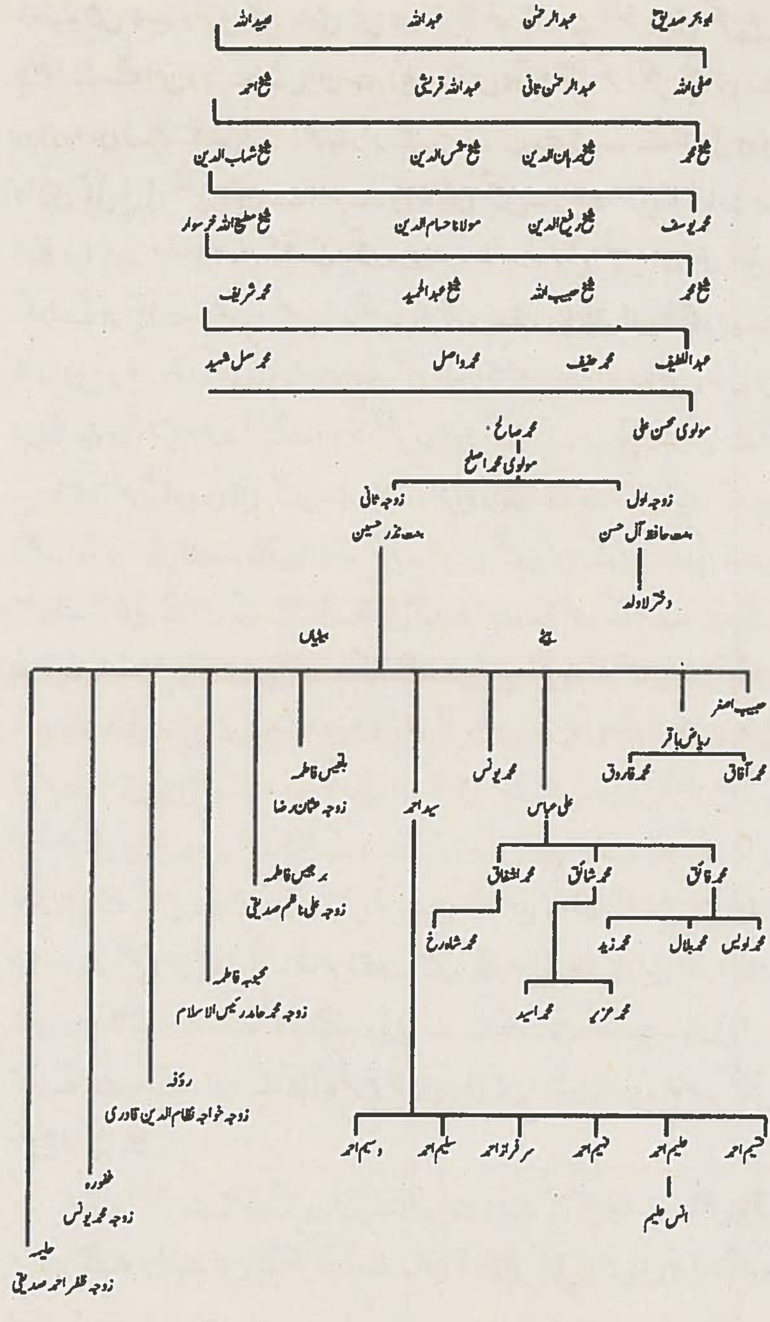
ابوبکر صدیق
عبدالرحمن
عبداللہ
عبیداللہ
صفی اللہ
عبدالرحمن ثانی
عبداللہ قریشی
شیخ احمد
شیخ محمد
شیخ برہان الدین
شیخ شمس الدین
شیخ شہاب الدین
محمد یوسف
شیخ رفیع الدین
مولانا حسام الدین
شیخ ملیح اللہ خوسوار
شیخ محمد
شیخ حبیب اللہ
شیخ عبدالحمید
محمد شریف
عبداللطیف
محمد حنیف
محمد واصل
محمد سل شہید
مولوی محسن علی
محمد صالح
مولوی محمد اصلح
زوجہ اول
بنت حافظ آل حسن
دختر لاولد
زوجہ ثانی
بنت نذر حسین
بیٹے
بیٹیاں
حبیب اصغر
ریاض باقر
محمد آفاق
محمد فاروق
محمد یونس
علی عباس
محمد فائق
محمد شائق
محمد اشفاق
محمد اویس
محمد بلال
محمد زید
محمد عزیر
محمد اسید
محمد شاہ رخ
سید احمد
تسنیم احمد
علیم احمد
انس علیم
تمیم احمد
سرفراز احمد
سلیم احمد
وسیم احمد
بلقیس فاطمہ
زوجہ عثمان رضا
برجیس فاطمہ
زوجہ علی ناظم صدیقی
محجوبہ فاطمہ
زوجہ محمد حامد رئیس الاسلام
رؤفہ
زوجہ خواجہ نظام الدین قادری
ظفورہ
زوجہ محمد یونس
حلیمہ
زوجہ ظفر احمد صدیقی

زمانے میں جب دفتری کام ہندی میں ہونے لگا تھا مجھ سے اکثر ہندی تحریریں پڑھواتے تھے اس وجہ سے میں ان سے زیادہ مانوس ہوگیا تھا۔ مگر اکثر بچے ان سے دور دور ہی رہتے تھے۔ بڑے رعب دار تھے۔ سب ان سے ڈرتے تھے ان کی بیوی ہماری تائی بی بی تطہیر بانو بڑے ڈھرلے کی خاتون تھیں۔ چست مہری کا پاجامہ سر ڈھکا ہوا پابند صلواۃ صوم صبح کے وقت روزانہ تلاوت کرتی تھیں اور خود مغلیہ گھرانے کی بیگمات کا نمونہ تھیں۔ عاقل و دانشمند باوقار و باسلیقہ ان کا بھی پورے خاندان پر رعب تھا۔ سب کی محبت کرتی تھیں اور بمع میرے والد صاحب سب ہی ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ ان کا تعلق بدایوں کے ایک صدیقی خاندان سے تھا یہ حافظ مظہر حسین کی بیٹی تھیں۔ ان کی دوسری والدہ سے دو بہنیں ایک قدوس فاطمہ اور دوسری نفیسہ خاتون زوجہ مشرف الدین تھیں ان کے ایک بھائی جناب معروف حسین تھے ان کے بیٹے خالد طارق اور قاسم ہوئے ان کے بڑے بیٹے خالد جوانی میں ایک آبی حادثہ میں شہید ہوگئے تھے۔ ان کا پورا نام مظہر حسین صدیقی تھا۔ ایک بیٹا طارق کراچی میں ہے۔ اس کا نام محمد ظل حسن اور چھوٹا بیٹا محمد غیاث الحق قاسم ہندوستان ہی میں ہے۔ ان کا ایک اور قریبی رشتہ جناب ریاض فرشوری اور قمر فرشوری کی والدہ سے تھا۔ ان کے بڑے بیٹے زبیر فرشوری ان سے چھوٹے رحمان فرشوری تھے۔ ان سے چھوٹے ریاض فرشوری تھے جن کا انتقال کراچی میں ہوا۔ خوبصورت نظم و نثر لکھتے تھے۔ شاعر باقاعدہ نہیں تھے صرف حلقہ یاراں تک افسانہ کالم اور انشائیہ بہت اچھے لکھتے تھے۔ ریڈیو کے لئے بہت کچھ لکھا ہے۔ باذوق اور ستھرے ادیب تھے۔ ان کے بھائی قمر فرشوری دہلی میں استاد تھے اور خاصہ تحقیقی مزاج رکھتے تھے۔

حبیب اصغر سے چھوٹے اور میرے والد سے بڑے تاؤ جی جناب ریاض باقر مرحوم تھے جو ریلوے میں کنڈکٹر گارڈ تھے۔ ان کا انتقال کراچی میں ہی ہوا۔ شعرو

ادب کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ فارسی ادب پر بھی نظر تھی۔ مزاج میں نرمی تھی ملنسار تھے خوش گفتار تھے۔ بچے اور بڑے سب ہی ان سے مانوس تھے کبھی بھی اعزا واقارب کی کفالت سے منہ نہ موڑا کم وبیش خاندان کے تمام ہی افراد ان کی مالی معاونت اور سرپرستی کے ممنون ہیں۔ ان کی شادی عباسیوں کے خاندان میں ہوئی تھی۔ ان کے خسر جناب محمود الاسلام عباسی اپنے خاندان کی معروف شخصیت تھے جن کے چار بیٹے خلیل احمد جمیل احمد خورشید الاسلام اور شفیق الاسلام تھے اور چار بیٹیاں تھیں ان میں سب سے بڑی ہماری تائی جی زوجہ مولوی ریاض باقر تھیں ان کا نام اہل خاندان کو بھی کم ہی معلوم تھا بعض لوگ ان کا نام فاطمہ سمجھتے تھے مگر دراصل ان کا نام تقویت الریاض تھا نہ معلوم کس دوراندیش نے یہ نام رکھا تھا کہ شادی کے بعد واقعی "تقویت الریاض" بن گئیں شاید اسی احساس حیا کے سبب کبھی اپنا نام ظاہر نہیں کیا۔ ان کے دو بیٹے ہوئے محمد آفاق اور محمد فاروق جو کراچی میں ہی مقیم ہیں۔ دو بیٹوں کے علاوہ تین بیٹیاں ہیں ایک بیٹی ہاجرہ خاتون کراچی میں رہائش پذیر ہیں جن کی شادی بہار کے ایک معزز گھرانے میں محمد بدرالدین سے ہوئی تھی ان کا جوانی میں ہی انتقال ہوگیا۔ ان کے ایک بیٹی اور دو بیٹے نعیم اور ندیم ہیں۔ دونوں انجینئر ہیں۔ نعیم کی شادی عبدالوہاب قادری کی بیٹی قدسیہ سے ہوئی ہے جن کے محمد اسامہ محمد مرتضیٰ اور نمرہ نعیم ہیں۔ ندیم کے فلزہ' محمد زرک ندیم اور مجتبیٰ ندیم ہیں بڑی بیٹی ہما ڈاکٹر ہے جو اپنے شوہر مسعود عالم کے ساتھ فی الوقت بنگلہ دیش میں ہے ان کے فہد حمزہ اور خضر تین بیٹے ہیں جناب ریاض باقر کی سب سے بڑی بیٹی مقبول فاطمہ اور سب سے چھوٹی تصویر ہیں۔ یہ دونوں ہندوستان میں ہی ہیں۔ مقبول فاطمہ کی شادی میرے پھوپی زاد بھائی مولوی غفران رضا سے ہوئی تھی جن کے دو بیٹے ہیں۔ بڑے بیٹے محمد قمر جن کا ددھیالی نام محمد عمران رضا ہے ان کے ایک بیٹا محمد عمو اور دو بیٹیاں ندا اور ریشا ہیں۔ چھوٹے بیٹے نعمان رضا ہیں جن کا گھریلو نام ثمر ہے۔

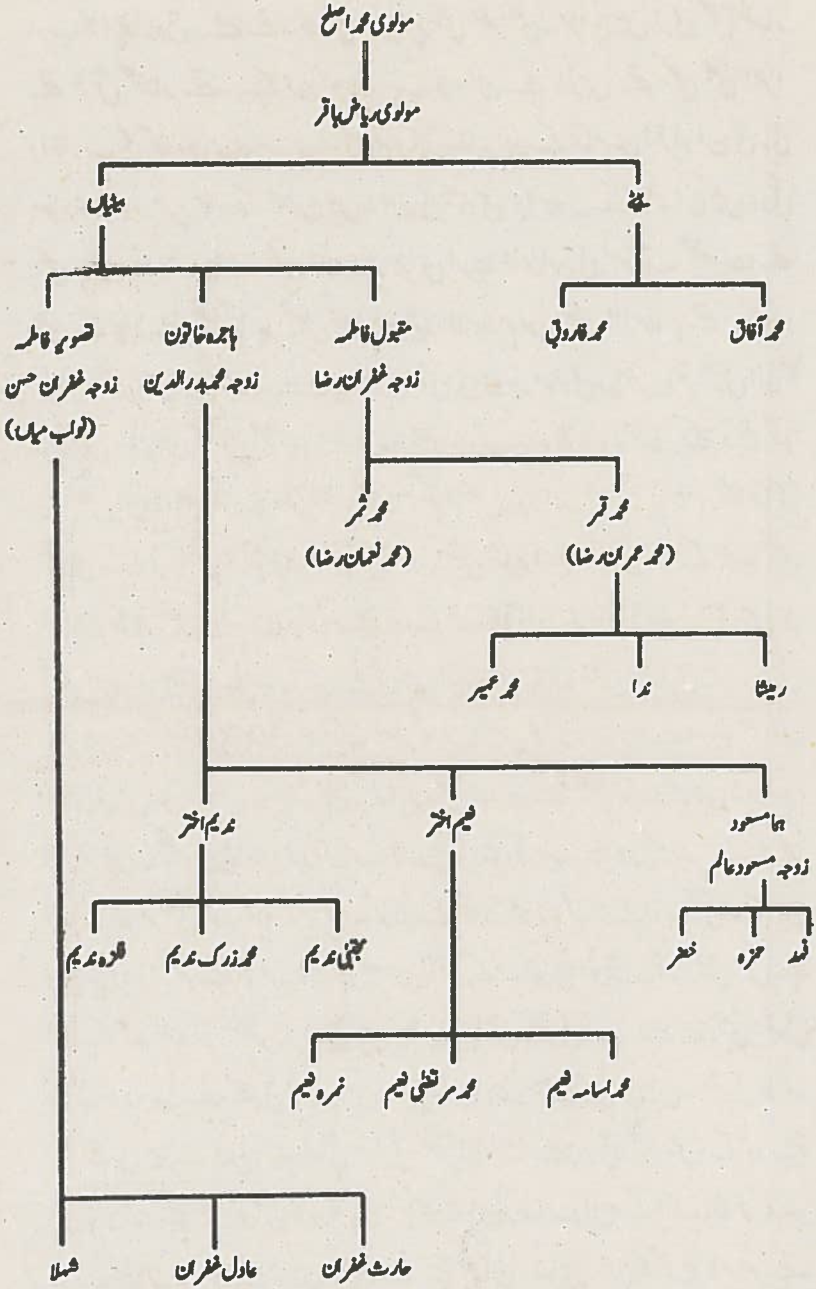

مولوی محمد اصلح
مولوی ریاض باقر
بیٹے
بیٹیاں
محمد آفاق
محمد فاروق
مقبول فاطمہ
زوجہ غفران رضا
ماجدہ خاتون
زوجہ محمد بدرالدین
تصویر فاطمہ
زوجہ غفران حسن
(نواب میاں)
محمد قمر
(محمد عمران رضا)
محمد ثمر
(محمد نعمان رضا)
ریشا
ندا
محمد عمیر
ہما مسعود
زوجہ مسعود عالم
نعیم اختر
ندیم اختر
فہد
حمزہ
خضر
مجتبیٰ ندیم
محمد زرک ندیم
قلزہ ندیم
محمد اسامہ نعیم
محمد مرتضیٰ نعیم
ثمرہ نعیم
حارث غفران
عادل غفران
شہلا

یہ اپنی والدہ کے ساتھ ہندوستان میں ہیں۔ مولوی غفران رضا شادی کے تھوڑے ہی عرصہ بعد شدید علیل ہوئے اور کچھ نفسیاتی پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں جس کے بعد وہ ایک نفسیاتی مریض کی حیثیت سے گوشہ نشین ہو گئے۔ چنانچہ مقبول فاطمہ کو مجبوراً علیحدگی اختیار کرنی پڑی اور یہ واقعہ چونکہ ان کی نوعمری میں ہی پیش آیا اس لئے انہیں عقد ثانی کرنا پڑا۔ سب سے چھوٹی بیٹی تصویر فاطمہ جو ہندوستان میں ہی ہیں ان کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی غفران حسن عرف نواب میاں سے ہوئی جن کا انتقال جوانی میں ہی ہو گیا۔ ان کے ایک بیٹی شہلا اور دو بیٹے حارث غفران اور عادل غفران ہندوستان میں موجود ہیں۔

میرے دادا کے تیسرے بیٹے میرے والد محترم مولوی محمد علی عباس تھے۔ ان کی اولاد اور قرابتیں ذرا تفصیل سے بیان کرنے کے لئے ایک جداگانہ باب مختص کیا گیا ہے اسی لئے یہاں ان کی اولاد کی تفصیلات پیش نہیں کی جا رہی ہیں۔ والد مرحوم شعر و ادب سے خصوصی شغف رکھتے تھے۔ اشعار میں زبان و بیان کی نزاکتوں اور صنائع بدائع پر گہری نظر تھی۔ اکثر شعر سنا کر اور ان کی باریکیاں دریافت کر کے آخر تک میرا امتحان لیتے رہے۔ شاید یہ ذوق میر انیس کے عمیق مطالعہ کا نتیجہ تھا اس پر ان کی گہری نظر تھی۔ علاوہ ازیں مذاق میاں کی لکھی ہوئی نعتیں اور مناقب اکثر پڑھتے تھے۔ بڑی بڑی طویل نعتیں اور مناقب زبانی یاد تھیں۔ بدایوں کے مقامی شعراء میں علی حاتم، مفتی لطف اور قمر بدایونی کے اشعار بڑی تعداد میں یاد تھے۔ بیسویں صدی کے اوائل میں میٹرک کیا تھا۔ قانون کا ایک امتحان بھی پاس کیا تھا۔ کورٹ آف وارڈز میں مختار عام بھی تھے۔ انگریزی زبان کی گرفت بہت مضبوط تھی انگریزی قواعد پر زبردست عبور رکھتے تھے۔ مشکل سے مشکل الفاظ کی اسپلنگ میں کبھی مشکوک نہ ہوئے مجھے بی اے آنرز کے زمانے تک انگریزی پڑھاتے رہے۔ ویسے میرے چھوٹے چچا سید احمد کو مولوی عرفان رضا کو، علی حاکم صدیقی کو، طیب

ہاشمی اور محمد آفاق سب کو ہی انگریزی پڑھائی ہے۔ مجھ پر خصوصی محنت کی ہے۔ میرے معاملہ میں بحمد اللہ انہیں یہ احساس تھا کہ ان کی محنت رائیگاں نہیں گئی۔ اکثر میرے حافظہ اور ذہانت کی تعریف بھی فرماتے تھے۔ ہجرت کر کے پاکستان آنے والے اپنے بہن بھائیوں میں سب سے پہلے تھے اور ابتداء جٹلینڈ لائنز کی جگھوں میں مقیم رہے۔ کبھی حرف شکایت زبان پر نہ آیا۔ طبیعت میں سپاس شناسی اور شکرگزاری تھی۔ صلواۃ صوم کے پابند تھے۔ ہر نماز کے بعد سورۃ یٰسین، سورۃ رحمٰن، سورۃ مزمل، سورۃ تغابن اور درود تاج شریف باقاعدگی سے پڑھتے۔ گھر سے باہر جانے والے ہر بچہ بڑے کے باہر نکلنے پر آیتہ الکرسی اور چاروں قل کا حصار کرنا ان پر لازم تھا۔ ۱۹۰۱ء کی پیدائش تھے۔ ۷۴ء میں انتقال ہوا اور اپنی زندگی کے آخری رمضان تک باجماعت تراویح ادا کیں نہ معلوم کس احساس کے تحت رمضان شریف کے اختتام پر فرمایا "یہ ہماری زندگی کا آخر رمضان تھا" اور یہ سچ ثابت ہوا۔ میں نے آئندہ باب کی خاطر ان کے ذکر کو ان کے بہن بھائیوں کے تذکرے سے دانستہ جدا نہیں کیا ہے اس لئے کہ وہ خود بھی کبھی بہن بھائیوں سے جدا ہونا پسند نہیں فرماتے تھے۔ مگر پاکستان آنا ان کی مجبوری تھی کراچی آکر مدتوں اپنے وطن اور اہل وطن کو اندر ہی اندر یاد کرتے رہے مگر زبان پر کبھی حرف شکایت نہیں آیا۔ شاید ان کے اس احساس کرب کا ادراک بھی میرے لئے اس کتاب کی تالیف کا ایک محرک بنا ہے۔

میرے والد سے چھوٹے بھائی مولوی محمد یونس تھے جو اپنے چھوٹے نام انو سے پہچانے جاتے تھے۔ بڑے فقیر منش تھے تقریباً" نصف صدی تجرد میں گزاری۔ بالکل آخر میں اعزاء اقارب کے مطالبہ 'اصرار' بلکہ دباؤ کے بعد شادی پر تیار ہوئے اور خاندان سے باہر ایک خاتون سے شادی ہوئی۔ میں نے اپنی چچی کو آج تک نہیں دیکھا چونکہ شادی ہمارے پاکستان آنے کے بعد ہوئی تھی۔ ویسے ان کے متعلق سنا

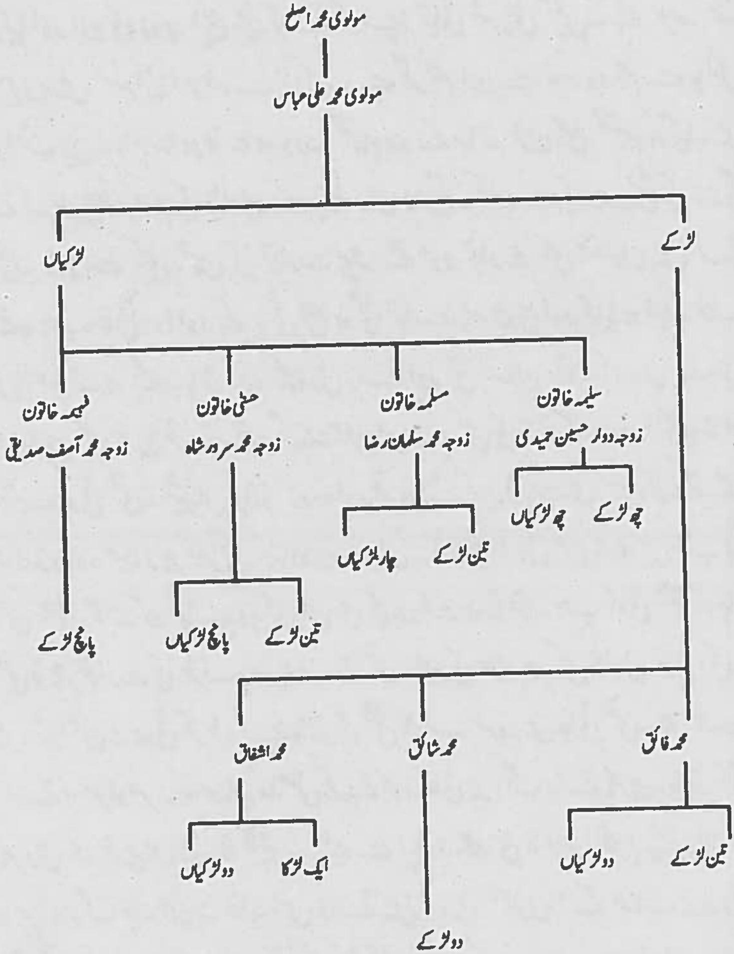
مولوی محمد اصلح
مولوی محمد علی عباس
لڑکے
لڑکیاں
سلیمہ خاتون
زوجہ دولر حسین حمیدی
چھ لڑکے
چھ لڑکیاں
مسلمہ خاتون
زوجہ محمد سلمان رضا
تین لڑکے
چار لڑکیاں
حسنی خاتون
زوجہ محمد سرور شاہ
تین لڑکے
پانچ لڑکیاں
نسیمہ خاتون
زوجہ محمد آصف صدیقی
پانچ لڑکے
محمد فائق
تین لڑکے
دو لڑکیاں
محمد شائق
دو لڑکے
محمد اشفاق
ایک لڑکا
دو لڑکیاں

ہے کہ بڑی نفیس خاتون ہیں۔ خاندانی لحاظ سے اجنبی ہونے کے باوجود سسرال والوں سے اس طرح گھل مل گئیں کہ ہر شخص انہیں اپنا ہمراز و ہمنوا سمجھنے لگا ان کے ایک بیٹی ہوئی جس کا نام ستارہ ہے۔ شادی کے چند ہی سال بعد چچا کا انتقال ہو گیا اور ان کی زوجہ اپنی بیٹی کو لے کر اپنے آبائی شہر چلی گئیں۔ کچھ عرصہ تک بدایوں میں سسرالی اعزاء سے روابط رہے مگر ہم ان سے اور وہ ہم سے بالکل ناواقف ہیں۔ نام سنا ہو تو سنا ہو ورنہ تقسیم ہند کے ساتھ خون بھی تقسیم ہو گیا۔ میں نے اپنے چچا مرحوم کی شادی سے پہلے والی زندگی دیکھی ہے کیا درویشی کی زندگی تھی۔ ملازمت کبھی نہیں کی تجارت پیشہ تھے اور تجارت بھی قسطوں میں کرتے تھے۔ جب منافع ہوا اور کچھ پونجی جمع ہو گئی تجارت چھوڑ دی اور کمایا ہوا پیسہ لٹانے میں مصروف ہو گئے۔ ہاتھ کے کھلے دل والے اور سخی انسان تھے۔ زندوں کے علاوہ مردوں پر بھی خرچ کرتے تھے۔ گزشتگان میں سے کسی کی فاتحہ کا دن ہو اچھی خاصی تقریب ہوتی تھی۔ شیرمال' پلاؤ' زردہ اور فیرنی سے کم پر تو بات ہی نہیں کرتے تھے۔ نیاز نذر اور میلاد ہر موقع پر کشادہ دست میں نے ربیع الاول میں بارہویں شب کے جس جشن کا تذکرہ کیا ہے وہ بھی ان ہی کی بدولت ہوتا تھا۔ جب کمائی ختم ہو جاتی تھی تو پھر تجارت کی طرف رجوع ہوتے تھے۔ ان کی سخاوت کبھی فضول خرچی کی حد میں تو داخل نہ ہوئی مگر خود اپنے ہاتھ کی تنگی کا سبب ضرور بن جاتی تھی۔ پھر تگ و دو کرتے ادھر ادھر سے سرمایہ حاصل کرتے اور کمائی میں لگ جاتے پھر پیسہ ہاتھ آتا تو پھر وہی شہ خرچیاں ہونے لگتیں۔ پیسے سے اپنی تنگدستی کا ایسا انتقام لینے والا کوئی دوسرا بزرگ خاندان نہ تھا۔ جس زمانے میں عیدی "آنوں" کے حساب سے دی جاتی تھی تو وہ ہر بچہ کو چونی کے بجائے جھلملاتا ہوا کھرا روپیہ دیتے تھے اس وقت روپیہ کی قیمت بہت تھی مگر ہم سب کے نزدیک اس کی قدر اس کی قیمت سے بہت زیادہ ہوتی تھی۔ ہم دل ہی دل میں دعا مانگتے رہتے تھے کہ خدا کرے عید کے زمانے

میں ان کے مالی حالات اچھے رہیں۔ دوسروں کی اولاد ان کی اولاد اور دوسروں کی خوشیاں ان کی خوشیاں تھیں کیا سادہ مزاج انسان تھے اللہ انہیں غریق رحمت کرے۔

اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے سید احمد "چچا جی" تھے۔ یہ ریلوے میں ٹکٹ کلکٹر تھے۔ سب سے چھوٹا ہونے کے سبب ان کے مزاج میں انحصار پسندی کے پرتو موجود تھے۔ مگر جب وقت نے انتقام لیا تو خود خاندان کے سب سے بڑے اور معمر ترین بزرگ بن کر انہوں نے جس کمال صبر سے زندگی گزاری وہ قابل داد ہے۔ دو بڑے بھائی پاکستان چلے آئے اور دو انتقال کر گئے۔ بھرے پرے گھر میں خود اکیلے رہ گئے۔ تقسیم کے بعد کے حالات اور اولاد کا ناپختہ ساتھ کیا بڑے لوگ تھے جو ایک صدی کے انتشار کے نتیجہ میں رونما ہونے والے انقلاب کے کرب کو سقراط کے زہر کی طرح پی گئے ان کی سب اولاد ہندوستان میں ہی ہے ایک لڑکی شیریں شادی ہو کر پاکستان چلی آئی ہے۔ ان کا بڑا بیٹا قسیم احمد ہے جس کی رسم بسم اللہ کی تقریب کے دوسرے دن ہمیں پاکستان کے لئے روانہ ہونا پڑا۔ اس وقت اس کی عمر تقریباً" چار سال تھی اب ماشاء اللہ پچاس سال عمر ہے مجھ سے بارہ تیرہ سال چھوٹا ہے۔ میرے چھوٹے چچا کی شادی بخوش کے خاندان میں ہوئی تھی۔ یہ خاندان اشراف بدایوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس خاندان کی مشہور ترین شخصیت جناب وحید بخش تھے جن کے نام سے موسوم بدایوں کی ایک بڑی شاہراہ بھی ہے ان کے چھوٹے بھائی قوی بخش کی بڑی بیٹی سے چچا جی کی شادی ہوئی تھی۔ مجھے ان کی شادی کے دھوم دھڑکے یاد ہیں۔ بدایوں کی شادیوں میں عجیب قسم کی رونق ہوتی تھی یہ شادیاں بڑے شہروں کی ہوٹل اور کلب والی شادیوں سے ذرا مختلف ہوتی تھیں۔ بدایوں میں شادیوں کے لئے ہوٹل کلب موجود نہیں تھے۔ شادیاں گھروں میں ہی ہوتی تھیں۔ بالعموم مکان بڑے صحن والے ہوتے تھے۔ اگر کسی گھر میں گنجائش کم ہو تو برابر والا

گھر بھی مہمانوں کے لئے خالی کروالیا جاتا تھا۔ بالعموم کھانا پکوانے کے لئے تو دوسرے گھر کا اہتمام لازمی تھا۔ ماہر نان بائی گھر پر آکر طرح طرح کے لذیذ کھانے پکاتے تھے۔ بالعموم پلاؤ' زردہ اور شیرمال قورمہ شادیوں کے کھانے تھے۔ اوسط سے کچھ بڑے گھرانوں میں باقرخانی اور تنجن وغیرہ بھی ہوتا تھا۔ اوسط سے کم درجہ کے گھرانوں میں خمیری روٹی اور کڑھاؤ کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ صحن میں چوکیوں کا فرش اس پر دریاں اور چاندنیاں دولہا کی نشست کے لئے قالین اور گاؤ تکیہ ہفتوں پہلے سے توبت اور نقارے بعض گھروں میں گانے بجانے عام مگر بعض میں ممنوع برات دھوم دھڑکے اور باجے تاشہ کے ساتھ گھوڑے پر دولہا شہر کا گشت کرکے برات لڑکی والوں کے گھر جاتی تھی۔ تمام اعزاء و اقارب اور معززین بالعموم پا پیادہ ہوتے تھے۔ واپسی پر جہیز اور پالکی کا اضافہ ہوجاتا تھا۔ پالکی میں دلہن اور ساس یا نند اس کے ساتھ اندر موجود پالکی کہاروں کے کاندھوں پر اور دوسرے دھیم ہنگیوں میں جہیز کا سامان لئے دولہا کے والد دلہن کی پالکی پر ریزگاری اور سکے نچھاور کرتے ہوئے آگے آگے صدقہ کے پیسہ لوٹنے والوں کی ٹولی الٹی چھتریاں لئے ہوئے دولہا سجا بنا

مفنع جامعہ ہنکہ سہرا پہنے ہوئے گھوڑے پر سوار گھوڑے کے پیچھے دلہن کی پالکی۔ اس کے پیچھے معززین ان کے پیچھے جہیز کا سامان بعض گھرانوں میں سب سے آگے برات کے ڈھول باجے تاشے وغیرہ بھی خالص روایتی انداز سے شادی کا جشن ہوتا تھا کوئی ڈیکوریشن سروس موجود نہیں تھی۔ مختلف خاندانوں اور گھرانوں کے اشتراک سے شادیاں ہوتی تھیں کسی نے گھر استعمال کے لئے دیدیا کسی کے ہاں سے چوکیوں کا فرش آگیا کہیں سے دریاں اور چاندنیاں کسی کے گھر سے دیگ دیگچہ غرض تمام ضروریات آپس کے اشتراک سے بغیر پیسہ خرچ کیئے پوری ہوگئیں۔ بالعموم شادیوں کا یہی اہتمام ہوتا تھا مدعوین کی تعداد بھی شان و شکوہ کا مظہر سمجھی جاتی تھی بعض شادیوں میں بُلاوا قریبی اعزاء و اقارب تک ہوتا تھا۔ بعض میں پورے کنبہ کی

دعوت ہوتی تھی۔ اور بعض شادیوں میں تو پورا شہر مدعو ہوتا تھا۔ بلکہ آتے جاتے راہگیروں کو بھی کھانے کے وقت پکڑ پکڑ کے کھانا کھلایا جاتا تھا۔ شہر کے اکثر شعراء اور اعزاء و اقارب کی طرف سے سہرے لکھے جاتے تھے۔ سہروں کی کتاب شائع ہوتی تھی۔ یہ سب اہتمام چچاجی کی شادی میں بھی حسب استطاعت ہوئے تھے اور شادی کے دوسرے دن کا ایک لطیفہ تو مجھے ابھی بھی یاد آتا ہے تو بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے۔ شادی کے دوسرے دن صبح کے وقت دلہن کے گھر سے خاندانی میراثن یا ڈومنی جسے ہم حجامنی کہتے تھے دلہن کا حال پوچھنے سب سے پہلے میکے والوں کی طرف سے آتی تھی اور وہ ہی آکر دلہن کا منہ ہاتھ دھلواتی تھی۔ کپڑے تبدیل کراتی تھی اور کچھ کانا پھوسی بھی کرتی تھی۔ دلہن شرمائی ہوئی سرا سری پہنے لمبے گھونگھٹ میں منہ چھپائے دبی لچی خاموش بیٹھی ہوتی تھی۔ دوسرے دن صبح ہماری چچی جان بھی اسی طرح بیٹھی تھیں کہ ان کے گھر کی حجامنی شاید چمنایا نو آئی اور دلہن سے کچھ کانا پھوسی کی۔ دلہن نے دبی ہوئی دھیمی آواز میں اس کے کان میں کہا "مجھے لڈو کھلاؤ" یہ سن کر حجامنی کے ہوش اڑ گئے۔ اور وہ کچھ خوف زدہ سی ہوگئی کہ دلہن کے دماغ پر تو کچھ اثر نہیں ہوگیا کہ پہلے دن سسرال میں لڈو کھانے کو مانگ رہی ہیں۔ اس نے گھبراہٹ کے عالم میں ہی کچھ بات بنانے والے انداز میں کچھ موزوں اور کچھ ناموزوں سا آہستہ جواب دیا۔ شاید اتنی دیر میں دلہن نے کوئی دوسرا مطالبہ کردیا اور ایک باریک سی چٹکی بھری بے چاری حجامنی تو عالم اختلاج میں آنے لگی کہ اچانک ایک مردانہ آواز میں قہقہہ بلند ہوا اور دلہن کے کپڑوں میں کوئی اور نکلا۔ یہ ہمارے مرحوم چچا جان تھے جنہوں نے اپنی پوری زندگی دوسروں کو خوشیاں فراہم کرنے میں گزار دی۔ غرض یہ کہ ہمارے سب سے چھوٹے چچا کی شادی خاصی دھوم دھام سے ہوئی تھی جسے پچاس سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے اور اب تو چچاجی بھی مرحوم ہوگئے ان کی یادگار بحمد اللہ چھ لڑکے اور پانچ لڑکیاں موجود ہیں۔

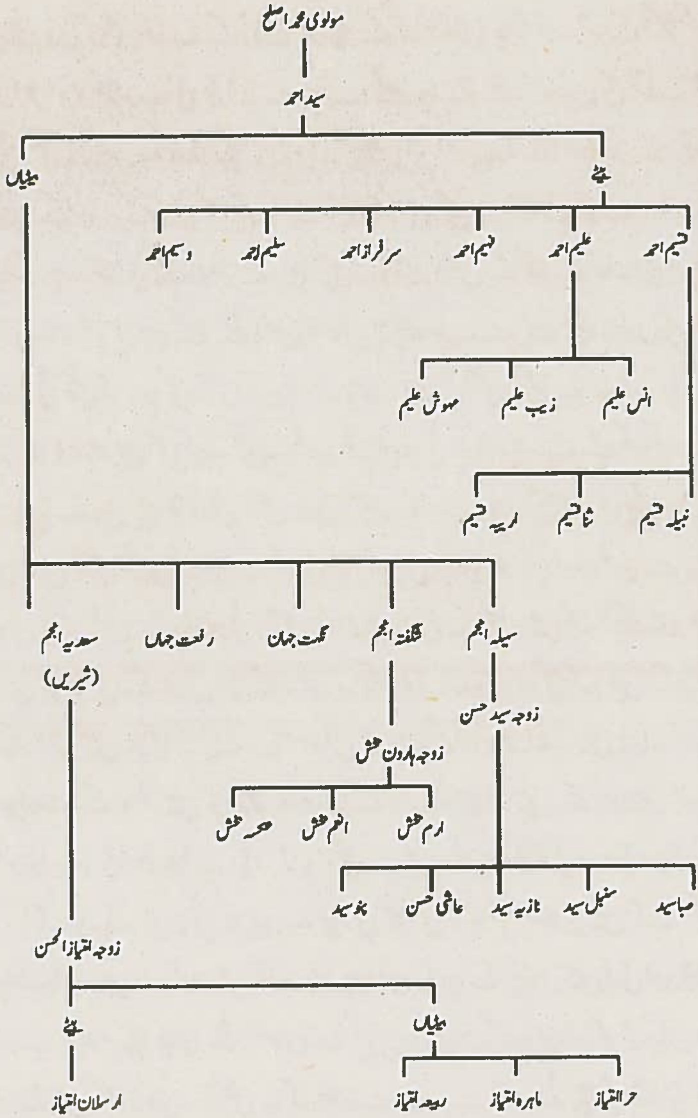
مولوی محمد اصلح
سید احمد
بیٹے
بیٹیاں
قسیم احمد
علیم احمد
نعیم احمد
سرفراز احمد
سلیم احمد
وسیم احمد
انس علیم
زیب علیم
مہوش علیم
نبیلہ قسیم
ثنا قسیم
اریبہ قسیم
سہیلہ انجم
شگفتہ انجم
نگہت جہاں
رفعت جہاں
سعدیہ انجم
(شیریں)
زوجہ سید حسن
زوجہ ہارون حش
ارم حش
انعم حش
حفصہ حش
صبا سید
سنبل سید
نازیہ سید
عاشی حسن
بنو سید
زوجہ امتیاز الحسن
بیٹے
بیٹیاں
ارسلان امتیاز
حرا امتیاز
ماہرہ امتیاز
ربیعہ امتیاز

بڑے لڑکے قسیم احمد کے تین بیٹیاں ہیں جن کے نام نبیلہ قسیم، ثنا قسیم اور اریبہ قسیم ہیں۔ دوسرے بیٹے علیم احمد ہیں۔ ان کے ایک بیٹا انس علیم اور دو بیٹیاں زیب علیم اور مہوش علیم ہیں۔ تیسرے بیٹے فہیم احمد ہیں۔ ان سے چھوٹے سرفراز احمد ان سے چھوٹے سلیم احمد اور سب سے چھوٹے بھائی وسیم احمد ہیں۔ پانچ لڑکیوں میں سب سے بڑی سہیلہ انجم ہے۔ اس کے شوہر کا نام سید حسن ہے۔ ان کے تین بیٹیاں صبا سید، سنبل سید اور نازیہ سید ہیں۔ دو بیٹے ہیں ایک عاشی حسن اور دوسرا بنو سید۔ دوسری بیٹی شگفتہ انجم ہے اس کے شوہر کا نام ہارون بخش ہے۔ ان کے تین بیٹیاں ہیں۔ ارم بخش، انعم بخش اور عکسہ بخش، تیسری بیٹی جو گھر پر شیریں کہلاتی ہے اس کا نام سعدیہ انجم ہے۔ اس کے شوہر کا نام امتیاز الحسن ہے۔ لاہور میں مقیم ہیں۔ ان کی لڑکیاں حرا امتیاز، ماہرہ امتیاز اور ربیعہ امتیاز ہیں۔ بیٹے کا نام ارسلان امتیاز ہے۔ باقی دو چھوٹی بیٹیاں بدایوں میں ہی اپنی والدہ اور بھائیوں کے ساتھ ہیں۔ ایک کا نام نکہت جہاں اور دوسری کا زینت جہاں ہے۔ اب بدایوں میں شیخ مطیع اللہ خرسوار کی اولاد مولوی محمد صالح کے خاندان میں چچا جی کے یہی چھ بیٹے ہیں۔ جن سے نسل آگے بڑھے گی اور مولوی محمد رضا کے خاندان میں مولوی محمد عثمان رضا کی اولاد ہے۔ جن میں اس وقت سب سے بڑے احسان رضا ہیں۔ پاکستان میں مولوی محمد رضا کے خاندان میں مولوی سلمان رضا اور مولوی فرقان رضا اور مولوی غفران رضا کے عمران رضا ان کے محمد عمیر ہیں اور ان کی اولاد ہے اور مولوی محمد صالح کے پوتے مولوی محمد علی عباس کی اولاد میں محمد فائق، محمد شائق اور محمد اشفاق کی اولاد یعنی ان کے چھ پوتے اویس، بلال، زید، عزیر اسید اور شاہ رخ ہیں۔ خدا کرے ان سے "صدیقیت" کا بول بالا ہو۔

میرے دادا کی دختری اولاد میں سب سے بڑی بیٹی بی عمہ یعنی بلقیس فاطمہ تھیں۔ یہ شاید نماز کے معاملہ میں شیخ مطیع اللہ کے پرتو میں تھیں میں عصر کی سنتوں

مولوی محمد اصلح
(بنت)
بلقیس فاطمہ
زوجہ مولوی عثمان رضا

- غفران رضا
  - عمران رضا
    - محمد عمیر
    - ندا
    - ریشا
  - نعمان رضا
- عرفان رضا
- سلمان رضا
  - محمد کامران رضا
    - محمد شایان
    - سمنہ انعم
  - فرحان رضا
  - عفان رضا
  - شاہینہ
    - زوجہ طارق جمیل
      - بیٹا
      - کاشان طارق
  - ثمینہ
    - زوجہ سعید الدین
      - رضی الدین
      - سمیر سعید
  - عظمیٰ
  - تزینہ
- فرقان رضا
  - محمد حسان رضا
  - عظمیٰ فرقان
  - محمد فیضان رضا
- محمد احسان رضا
- زینب
  - زوجہ ظفر احمد
    - بیٹا
    - محمود احمد

کے بارے میں تو یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا مگرہاں فرائض و سنن کی حد تک یہ درست ہے کہ کبھی ان کی کوئی نماز قضاء نہیں ہوئی۔ شرم وحیا کا یہ حال تھا کہ زندگی بھر شوہر کا نام نہ لیا نام تو کجا لفظ "آسمان" کبھی زبان سے نہ نکلا۔ اس لئے کہ اس لفظ کے صوتی تاثر سے عثمان کا گمان ہوتا تھا اور عثمان ان کے شوہر کا نام تھا۔ ان کے نزدیک شوہر کا نام لینا خلاف تقاضہ حیا تھا۔ حیا و شرم کا اس قدر غلبہ ہونے کے باوجود شادی کے دوسرے دن ولیمہ کی صبح بھی ان کی نماز فجر قضاء نہ ہوئی۔ پہلے غسل پھر نماز اس کے بعد کچھ اور ــــــ قرآن حکیم بڑی صحت کے ساتھ پڑھتی تھیں۔ نماز کی طرح روزہ اور تلاوت کی بھی پابند تھیں۔ پھول اور خوشبو ان کی پسند اور ان کا شوق تھا۔ خاص کر موتیا اور بیلا آخر زمانے تک پہنے بے حد نفاست پسند تھیں۔ طہارت اور پاکیزگی کا بے حد خیال رکھتی تھیں۔ میں نے ان کا آخر زمانہ دیکھا ہے۔ جب وہ گٹھیا کی مریضہ ہوگئی تھیں جوڑوں کے درد کی وجہ سے قریب آنے والوں سے گھبراتی تھیں اور خاص کر چھوٹے بچوں سے دور دور رہتی تھیں یہ بیماری اور ضعیفی کی مجبوری تھی ورنہ بے حد محبت اور شفقت کرنے والی تھیں خاص کر میرے والد سے بہت مانوس تھیں۔ اس لئے کہ بزبان بدایوں "دونوں اوپر تلے کے تھے" ان کے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ دو بڑے بیٹوں کا انتقال ہوچکا ہے اب دو کراچی میں اور ایک بدایوں میں ہے۔ ان کے بڑے بیٹے مولوی غفران رضا تھے ان کا ایک بیٹا عمران رضا کراچی میں ہے جس کا گھریلو نام قمر ہے دوسرا بیٹا نعمان رضا ہندوستان میں ہے۔ مولوی غفران رضا کے والد مولوی عثمان رضا صاحب جائیداد تھے اس لئے ان کی کسی اولاد نے بدایوں میں رہتے ہوئے ملازمت کی طرف دھیان نہ دیا اور مولوی غفران رضا تو آخر تک یوں ہی رہے۔ آخر زمانے میں حاجت مندوں اور بیماروں کو تعویذ لکھ کر دیتے تھے۔ سنا ہے ان کے تعویذ بہت باثر ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ مسلمان ہی نہیں ہندو بھی ان کے معتقد تھے۔ چند سال قبل

انتقال ہوا۔ دوسرے بیٹے مولوی عرفان رضا بھی آزاد منش تھے۔ انگریزی تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ ٹیوٹر بہت اچھے تھے میرے والد نے انہیں انگریزی میں ماہر کردیا تھا۔ ان سے چھوٹے بیٹے مولوی سلمان رضا ہیں۔ یہ میرے حقیقی بہنوئی ہیں ان کا تذکرہ پہلے بھی آچکا ہے اور آئندہ باب میں اپنے والد صاحب کی اولاد کی تفصیلات میں ان کی اولاد کا ذکر کروں گا انہوں نے حلال کمانے' غیروں کا احسان نہ لینے اور پیدل چلنے میں مہارت حاصل کی ہے۔ صوم صلوٰۃ کے بے حد پابند ہیں ان کے دوست احباب سب ہی انہیں مولوی کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ انتہائی ملنسار اور تعلقات نبھانے والے آدمی ہیں۔ مگر کچھ عرصہ سے "ترک تعلقات" پر مائل ہیں اب مزاج میں سکوت پسندی بہت آگئی ہے۔ جامعہ کراچی کے غیر تدریسی عملہ میں تھے مگر ریٹائرمنٹ کے کافی عرصہ بعد بھی جامعہ سے وابستگی قائم ہے۔ ان سے چھوٹے مولوی فرقان رضا ہیں۔ جو حقیقی عمر میں مجھ سے بڑے اور کاغذی عمر میں مجھ سے چھوٹے ہیں۔ اسلامیہ کالج میں تاریخ اسلام کے پروفیسر ہیں ان کے دو بیٹے ہیں۔ بڑا بیٹا محمد حسان رضا اور چھوٹا محمد فیضان رضا ہے۔ درمیان میں بیٹی عظمٰی فرقان ہے۔ ان سے چھوٹے بلکہ سب سے چھوٹے احسان رضا بدایوں میں ہیں ان کی ایک بہن زینب بھی بدایوں میں ہیں جن کی شادی ظفر احمد سے ہوئی ہے۔ ان کے ایک بیٹا محمود ہے۔

میرے داد کی دوسری بیٹی برجیس فاطمہ تھیں ان کی شادی علی حاتم صدیقی کے بیٹے علی ناظم صدیقی سے ہوئی تھی ان کے شوہر کا انتقال جوانی میں ہی ہوگیا تھا۔ انہوں نے اپنے ایک بیٹے علی حاکم اور بیٹی مبشرہ کے ساتھ بیوگی کی زندگی کے کم بیش چالیس سال انتہائی صبر و توکل کے ساتھ گزارے آخر عمر میں کراچی آگئی تھیں اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ ان کی پوری زندگی صبر و تحمل کا نمونہ تھی۔ کم گو اور عبادت گزار تھیں۔ نماز روزہ کی بڑی پابند تھیں۔ باہمی لڑائی جھگڑوں سے ہمیشہ گریز کرتی

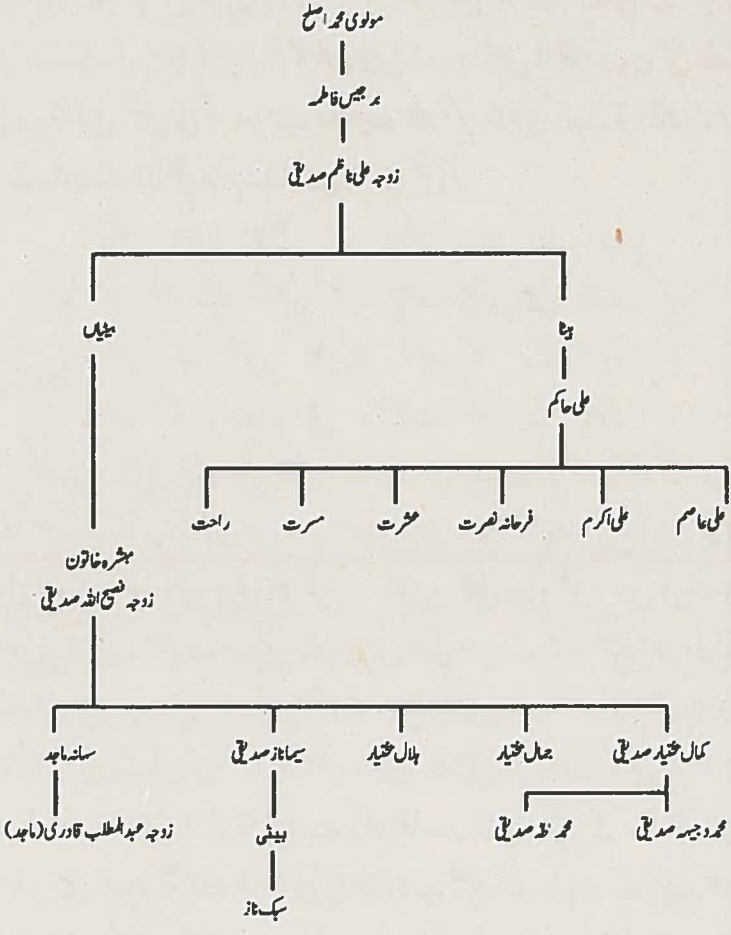

مولوی محمد اصلح
برجیس فاطمہ
زوجہ علی ناظم صدیقی
بیٹیاں
بیٹا
علی حاکم
علی عاصم
علی اکرم
فرحانہ نصرت
عشرت
مسرت
راحت
عشرہ خاتون
زوجہ فصیح اللہ صدیقی
کمال عتیار صدیقی
جمال عتیار
ہلال عتیار
سیما ناز صدیقی
سانہ ماجد
محمد وجیہہ صدیقی
محمد نظ صدیقی
بیٹی
سبک ناز
زوجہ عبدالمطلب قادری (ماجد)

تھیں۔ ان کے بیٹے علی حاکم کے دو بیٹے علی عاصم اور علی اکرم ہیں چار بیٹیاں ہیں جناب علی حاکم صاحب فکرو نظراور دین سے شغف رکھنے والے اہل ذوق اور خوش بیان مقرر تھے۔ مجالس محرم میں لوگ ان کی شگفتہ بیانی اور قادر الکلامی کے معترف نظر آتے تھے۔ اپنے دادا علی حاتم کا طنزو مزاح کا ورثہ انہیں ملا تھا موزوں طبع تھے۔ باقاعدہ شاعری نہیں کی مگر صاحب صلاحیت تھے اگر شاعری کرتے تو اچھے شاعر ہوتے۔ ان کے دادا علی حاتم نے انہیں دعا دی تھی کہ

حاکم مری خلاق دو عالم سے دعا ہے
تم علم کے گلشن میں پھلو عیش میں پھولو
لیکن یہ سخن حضرت اکبر کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

انہوں نے اپنی پوتی مبشرہ خاتون کے لئے بھی ایک دعائیہ قطعہ لکھا تھا جس کا چوتھا مصرعہ یہ تھا کہ "خاتون خانہ ہو وہ سبھا کی پری نہ ہو" مبشرہ ان کی پوتی اور میری پھوپی زاد بہن کم و بیش میری ہم عمر اور ساتھ کی کھیلی ہوئی تھی۔ اس کی شادی بدایوں کے ایک معروف صدیقی خاندان میں ہوئی اس کے شوہر فصیح اللہ صدیقی ماشاء اللہ بقید حیات ہیں اور تقریباً "گوشہ گیر ہیں۔ میں جب بسلسلہ ملازمت لاہور گیا تھا تو ان کے ہاں ہی ٹھہرا تھا مبشرہ خاتون نے بچپن کی رفاقت کا پورا احساس کرتے ہوئے انتہائی خاطر تواضع سے رکھا تھا اور جناب فصیح اللہ نے بھی اس احساس میں بھرپور شرکت کا مظاہرہ کیا تھا جناب فصیح اللہ بدایوں کے ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ صدیقی ہیں ان کا شجرہ نسب بھی اوپر جا کر ہم سے مل جاتا ہے۔ یہ مولوی صفی اللہ صدیقی کے بیٹے ہیں اور ان کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ بڑے بیٹے کمال بختیار صدیقی ہیں جن کے ایک بیٹا وجیہ صدیقی ہے باقی دو بیٹے جمال بختیار اور ہلال بختیار ابھی غیر شادی شدہ ہیں ان کی دو بیٹیاں ہیں سیما ناز

صدیقی اور سمانہ صدیقی جو اب سمانہ قادری ہوگئی ہیں۔ اس لئے کہ ان کی شادی خواجہ نظام الدین کے نواسے اور مولانا عبدالقدیر کے پرپوتے یعنی عبدالوہاب قادری کے بڑے بیٹے ماجد قادری سے ہوئی ہے۔

میرے دادا کی تیسری بیٹی محبوب فاطمہ تھیں یہ تمام بہنوں میں سب سے زیادہ میری والدہ یعنی اپنی بھاوج سے مانوس تھیں۔ والد مرحوم سے بھی انہیں خصوصی لگاؤ تھا اور اس تخصیص کا تمام اہل خاندان کو پورا پورا احساس بھی تھا۔ ان پر اپنے نام کا دوہرا اثر تھا ہم سب ان سے جتنی محبت کرتے تھے اس سے کچھ زیادہ وہ ہم سب سے محبت کرتی تھیں اس خصوصی قرب اور محبت کا اثر طرفین کی اولاد پر بھی تھا اور دوسرے عم زاد بہن بھائیوں کے مقابلے میں ہم آپس میں زیادہ احساس قرب رکھتے تھے۔ آخر زمانے میں ہم سب کے ہی مالی حالات خاصے خراب ہوگئے تھے۔ چنانچہ اس خستگی کے عالم میں میری والدہ اور میری پھوپی کے مابین مالی اور اقتصادی قربت بھی قائم ہوگئی تھی۔ ہم سب آپس میں ایک دوسرے کے دکھ سکھ کو اپنا دکھ سکھ سمجھتے تھے۔ پاکستان کی تشکیل کے بعد وہ ایک مرتبہ کراچی آئی تھیں ان کی آمد مختصر مدت کے لئے تھی مگر وہ وقت کی تنگی کے باوجود ہمارے گھر بھی قیام پذیر رہی تھیں ان کی دو دن کی موجودگی نے ہی پرانے مزے تازہ کردیئے تھے۔ ان کی شادی ہاشمی خاندان کی ایک معروف شخصیت جناب محمد حامد رئیس الاسلام ہاشمی سے ہوئی تھی ان میں پرانے نوابین اور امراء کی اولاد والے بے نیازانہ انداز موجود تھے روز و شب کے گھریلو معاملات میں کم دخیل ہوتے تھے۔ زبان و ادب و تحقیق و صحافت سے شغف خاص تھا۔ اہل علم کی بڑی قدر کرتے تھے اور خود صاحب علم شخصیت تھے۔ میری ایک بڑی غلطی کی تصحیح کی تھی میں نے اپنے دور طالب علمی میں اپنی پھوپھی کو ایک خط لکھا تھا جس میں انہیں "اماں جان" کے لقب سے مخاطب کیا تھا۔ خط پہنچنے کے فوراً بعد موصوف کا خط موصول اور تحریر فرمایا "فائق میاں آپ

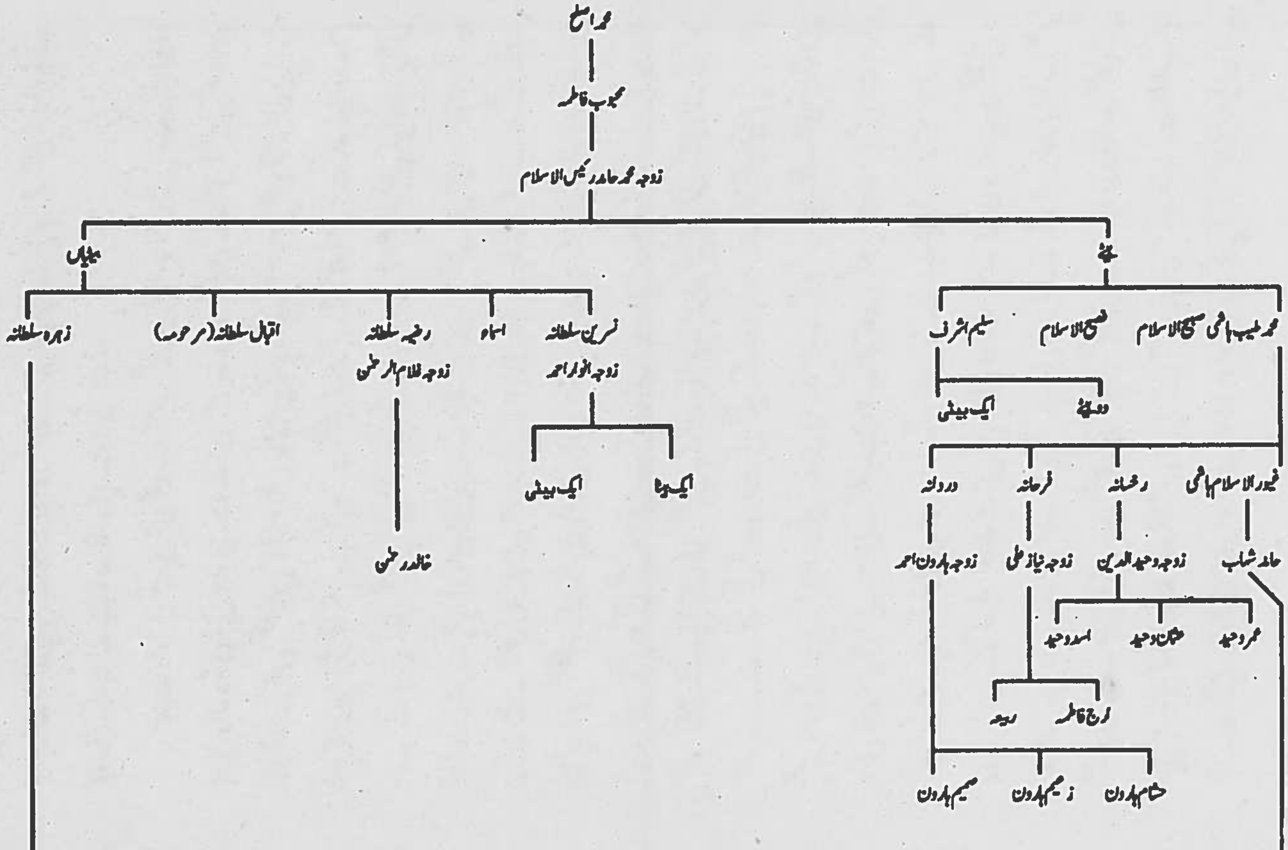
محمد اصلح
محبوب فاطمہ
زوجہ محمد حامد رئیس الاسلام
بیٹے
بیٹیاں
محمد طیب ہاشمی صبیح الاسلام
فصیح الاسلام
سلیم اشرف
دو بیٹے
ایک بیٹی
غیور الاسلام ہاشمی
رخسانہ
فرحانہ
دردانہ
حامد شباب
زوجہ وحید الدین
زوجہ نیاز علی
زوجہ ہارون احمد
عمر وحید
عثمان وحید
اسد وحید
ارج فاطمہ
ربیعہ
حسام ہارون
زعیم ہارون
صمیم ہارون
نسرین سلطانہ
زوجہ انور احمد
اسماء
رضیہ سلطانہ
زوجہ غلام الرحمن
اقبال سلطانہ (مرحومہ)
زہرہ سلطانہ
ایک بیٹا
ایک بیٹی
خالد رحمن

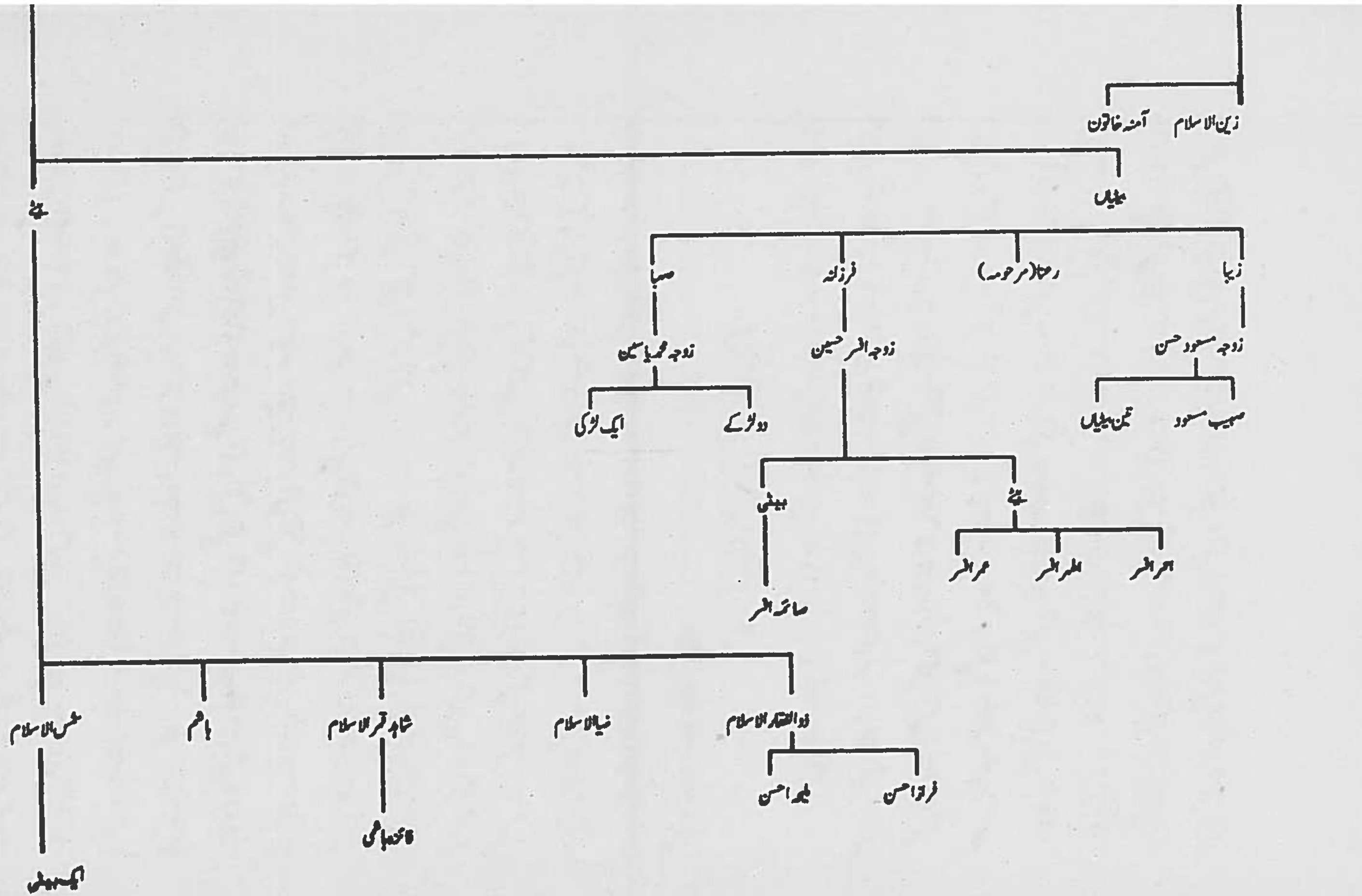

زین الاسلام
آمنہ خاتون
بیٹیاں
بیٹے
زیبا
رعنا (مرحومہ)
فرزانہ
صبا
زوجہ مسعود حسن
زوجہ اظہر حسین
زوجہ محمد یاسین
صہیب مسعود
تین بیٹیاں
دو لڑکے
ایک لڑکی
بیٹے
بیٹی
صائمہ اظہر
ذوالفقار الاسلام
ضیاء الاسلام
شاہد قمر الاسلام
ہاشم
شمس الاسلام

سے یہ توقع نہ تھی کہ آپ ایسی غلطی کریں گے آپ نے اماں جان الف سے لکھا ہے یہ ع م ہ ہے" مجھے فوراً احساس ہوا کہ ہاں باپ کا بھائی عم تو باپ کی بہن عمہ بالکل درست ہے۔ یہ بات بیان کرنے کا مقصد صرف یہ عرض کرنا تھا کہ اس قدر باریک بین تھے کہ پاکستان سے لکھے جانے والے خط میں اگر کہیں ہجہ کی غلطی ہو گئی ہے تو وہ بھی ان کی نظر سے نہ بچتی تھی اپنی اسی خصوصیت کی بنیاد پر نظامی پریس سے شائع ہونے والی اکثر مطبوعات کی تصحیح بھی کرتے تھے۔ صرف کتابت شدہ مواد پر ہی نہیں بلکہ مسودات پر بھی تنقیدی و اصلاحی نظر ڈالتے تھے ان کے تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں ہیں ان کی ایک بیٹی اقبال جو مجھ سے بڑی تھیں میں انہیں آپا جان کہتا تھا جوانی میں ہی انتقال کر گئیں ان سے مجھے اتنی مانوسیت تھی کہ اس وقت پچاس سال گزرنے کے بعد بھی ان کا ذکر کرتے ہوئے میری آنکھیں پرنم ہو رہی ہیں خدا انہیں غریق رحمت کرے۔ ان کے سب سے بڑے بیٹے جناب طیب ہاشمی کراچی میں ہیں جب ہم ہندوستان سے پاکستان کے لئے روانہ ہوئے تو یہ ہمیں "چھوڑنے کے لئے آگرہ تک آئے تھے" جیسے

"دور تک یادِ وطن آئی تھی پہنچانے کو"

اس بات سے ہی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ باقی عم زاد و عمہ زادوں کے مقابلے میں یہ ہم سے اور ہم ان سے کتنے زیادہ قریب تھے پاکستان آنے کے بعد یہ قربتیں عمل میں نہ ڈھل سکیں احساسات میں جذب ہو گئیں۔ میں نے اس کتاب کے بعض حصہ جناب طیب ہاشمی کو پڑھ کر سنائے ہیں اور ان کی تجویز کے مطابق اس میں ردوبدل بھی کی ہے۔ بعض خاندانی معلومات بھی ان سے حاصل کی ہیں۔ وہ پرانے زمانے میں نئے زمانے کے نوجوان تھے اور اب نئے زمانے میں پرانے زمانے کے بزرگ ہیں۔ میں نے اس سورج کو چڑھتے بھی دیکھا ہے اور ڈھلتے بھی دیکھ رہا ہوں۔ ان کے والد بزرگوار محمد حامد قاضی رئیس الاسلام میرے دادا کی تیسری بیٹی محبوب

فاطمہ یعنی عمہ جان کے شوہر اور میرے حقیقی پھپا تھے۔ ان کا تعلق بدایوں کے معزز واشرف خاندان ہاشمی سے تھا۔ ان کے پردادا قاضی عبدالسلام تھے۔ ان کے بیٹے قاضی قمرالاسلام تھے۔ ان کے تین بیٹے قاضی معین الاسلام قاضی عین الاسلام اور قاضی سراج الاسلام تھے۔ میں نے اپنے بچپن میں قاضی سراج الاسلام کو ان کے عالم ضعیفی میں دیکھا تھا جب ان کی گردن رعشہ کے مرض سے متاثر ہو چکی تھی۔ ان تینوں بھائیوں میں سب سے بڑے قاضی معین الاسلام تھے جن کے ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھیں۔ بیٹے جناب محمد حامد رئیس الاسلام اور بیٹی ذکیہ خاتون تھیں جن کی شادی مذاق میاں کے پوتے مولوی محمد اسرار علی صدیقی سے ہوئی تھی۔ ان کے چار بیٹے ہوئے بڑے مولوی احرار علی صدیقی ان سے چھوٹے مولوی ابرار علی صدیقی جو اس وقت کراچی میں مذاق میاں کے سجادہ نشین ہیں۔ اللہ والوں کے اطوار و فضائل کے حامل نرم گفتار نیک خو اور عالم و فاضل محققانہ مزاج رکھنے والے علی گڑھ یونیورسٹی کے فارغ و تحصیل ہیں۔ پاکستان بھر میں بلکہ باہر بھی ان کے عقیدت مند بڑی تعداد میں موجود ہیں ان سے چھوٹے بھائی افتخار علی صدیقی ہیں جو گھریلو نام مسعود سے پہچانے جاتے ہیں ان میں سب سے چھوٹے خالد ظفر ہیں ان تینوں سے میرے ذاتی روابط ہیں۔ ان کی والدہ محترمہ کراچی آنے کے بعد بھی بڑی محبت اور مشفقانہ بزرگی کے ساتھ ملتی رہی تھیں۔ ہم انہیں اپنی پھوپی کی ہی طرح سمجھتے تھے اور ان کے بیٹے جناب ابرار علی صدیقی بھی علی ھذہ میرے والد بزرگوار کو ماموں کی طرح سمجھتے تھے آج بھی ملتے ہیں تو اسی طرح تذکرہ کرتے ہیں۔ ان سے ہمارے روابط دوہری نسبت سے ہیں۔ ان کے والد اور والدہ دونوں سے ہمارے خاندانی روابط تھے۔ میرے پھپا محمد حامد قاضی رئیس الاسلام ان کے حقیقی ماموں تھے۔ ان کے تین بیٹوں اور چار بیٹیوں میں صرف ایک بیٹے محمد طیب صبیح السلام کراچی آئے باقی سب ہندوستان میں ہی ہیں۔ قاضی صبیح السلام محمد طیب ہاشمی کی

شادی حافظ توقیر الاسلام ہاشمی کی بیٹی کشور سلطانہ سے ہوئی تھی۔ یہ مشہور مزاح نگار شاعر امیر الاسلام ہاشمی کی بہن تھیں ان کا انتقال عالم جوانی میں ہو گیا تھا۔ یہ بڑی باوقار اور پرکشش شخصیت کی حامل تھیں۔ ان کے بطن سے محمد طیب ہاشمی کے ایک بیٹا اور تین بیٹیاں ہیں۔ بیٹے کا نام غیور الاسلام ہاشمی ہے۔ اس نام سے کم ہی لوگ واقف ہیں۔ معروف نام حامد شہاب ہے۔ یہ اس وقت پاکستان فضائیہ سے ونگ کمانڈر کی حیثیت سے وابستہ ہیں۔ ان کی شادی حضرت جام نوائی بدایونی کی پوتی اور آفتاب ظفر کی بیٹی سے ہوئی ہے۔ ان کے ایک بیٹا زین الاسلام اور بیٹی آمنہ خاتون ہے۔ ماشاء اللہ خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں۔ طیب ہاشمی کی بڑی بیٹی کا نام رخسانہ ہے۔ وہ اپنے شوہر وحید الدین کے ساتھ امریکہ میں مقیم ہے۔ تین لڑکے عمر وحید عثمان وحید اور اسد وحید ہیں۔ دوسری بیٹی فرحانہ ہے۔ اس کے شوہر کا نام نثار علی ہے۔ گھر پر "فرو" کہلاتی ہے۔ اس کے دو لڑکیاں ہیں ایک ارج فاطمہ اور دوسری ربیعہ ہے۔ سب سے چھوٹی بیٹی کا نام وردانہ ہے مگر افشاں کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔ اس کے شوہر احمد ہارون ہیں ان کے تین بیٹے ہیں۔ بیٹوں کے نام حسام ہارون، زعیم ہارون اور صمیم ہارون ہیں۔ محمد طیب ہاشمی کے چھوٹے بھائی فصیح الاسلام ہندوستان میں ہی ہیں۔ بھائیوں میں سب سے چھوٹے سلیم اشرف ہیں یہ بھی ہندوستان میں ہیں ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے بیٹی کا نام   اور بیٹے   ہے۔

محمد حامد رئیس الاسلام کی سب سے بڑی بیٹی زہرہ سلطانہ ہیں جو ہمارے خاندان کی لڑکیوں میں دوسرے نمبر پر ہیں۔ ہمارے دادا کی اولاد میں سب سے بڑی پوتی مقبول فاطمہ اور سب سے بڑی نواسی زہرہ سلطانہ ہیں۔ ان کی شادی ان کے دادا کے بھائی قاضی سراج الاسلام کے بیٹے مفتاح الاسلام سعید ہاشمی سے ہوئی تھی جو کہنہ سالی کو پہنچنے سے پہلے ہی انتقال کر گئے۔ ان کے چار لڑکیاں اور پانچ لڑکے ہیں

لڑکیوں کے نام زیبا رعنا' فرزانہ اور صہبا ہیں ان میں رعنا کی وفات نوعمری میں ہو چکی ہے زیبا جو سب سے بڑی بیٹی ہے اس کے شوہر کا نام مسعود حسن ہے۔ یہ ڈاکٹر ہیں ان کے ایک بیٹا اور تین بیٹیاں ہیں۔ بیٹے کا نام صہیب مسعود ہے اور بیٹیاں فرحین مسعود' زرین مسعود اور شمسی مسعود ہیں۔ فرزانہ کے شوہر افسر حسین ہیں۔ یہ بھی ڈاکٹر ہیں ان کے تین لڑکے احمر افسر' اطہر افسر اور عمر افسر ہیں۔ ایک بیٹی ہے جس کا نام صائمہ افسر ہے۔ چوتھی بیٹی صہبا زوجہ محمد یاسین ہے اس کے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے۔ لڑکے   اور لڑکی کا نام   ہے۔ بیٹوں میں بڑے کا نام ذوالفقار الاسلام ہے۔ احسن معروف ہے۔ اس کے ایک لڑکا فراز احسن اور لڑکی ملیحہ احسن ہے۔ دوسرے بیٹے ضیاء الاسلام ہاشمی ہیں۔ ان کے ابھی اولاد نہیں ہے۔ تیسرے بیٹے شاہد قمر الاسلام ہیں ان کے ایک لڑکی فائزہ ہاشمی ہے۔ ـــــ اور ان کے علاوہ دو اور بیٹے ہیں ایک ہاشم اور ایک شمس الاسلام۔ شمس الاسلام کے ایک لڑکا ہے۔ دیگر تفصیلات کوشش کے باوجود حاصل نہ ہو سکیں۔ بیان شدہ معلومات بھی بالواسطہ حاصل ہوئی ہیں اس لئے ان میں بھی امکان سہو کو یکسر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ زہرہ سلطانہ سے چھوٹی بیٹی اقبال سلطانہ کا عالم جوانی میں انتقال ہو گیا ان سے چھوٹی بیٹی رضیہ سلطانہ ہیں ان کے شوہر غلام الرحمٰن حافظ قرآن ہیں۔ بہت نیک' ملنسار اور اپنائیت رکھنے والے خوش اخلاق انسان ہیں۔ ایک بار پاکستان تشریف لائے تھے ایک چھوٹی سی ملاقات ہوئی تھی۔ ان کے ایک بیٹا ہے جس کا نام خالد رحمٰن ہے۔ رضیہ سلطانہ سے چھوٹی بہن اسماء ہیں۔ علی گڑھ یونیورسٹی سے نفسیات میں ایم۔ اے کیا ہے۔ کچھ زیادہ ہی "انڈویجول ازم" کی قائل ہو گئی ہیں۔ تفرد کی زندگی گزار رہی ہیں۔ ایک بار پاکستان آئی تھیں ہلکی سی ملاقات ہوئی تھی۔ ان بہنوں میں سب سے چھوٹی نسرین سلطانہ ہیں۔ ان کے شوہر کا نام انوار احمد ہے ان کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے۔ باہم رابطہ منقطع ہونے کے

سبب بہت سے نام معلوم نہ ہوسکے جس کا از حد افسوس ہے۔ بہر حال یہ تو ایک افزائش پذیر سلسلہ ہے۔ تصحیح اور اضافے ہوتے رہیں گے۔

میرے دادا کی چوتھی بیٹی رؤفہ تھیں۔ چہرہ پر شگفتگی فربہی کے ساتھ خوش پوش و خوش لباس شاذ ہی رنگین کپڑے پہنے ہوں گے ورنہ سفید پوش باوقار اور وضع دار حسن سلوک اور صلہ رحمی میں پیش پیش نسبتاً" متمول حاجت روا اور غریب پرور مگر مزاج میں تیزی فیصلوں میں اٹل غیر لچک پذیر بات پر قائم رہنے والی ایک خدا ترس خاتون تھیں۔ مزاج میں سختی کے باوجود بے حد رحم دل تھیں کسی کی تکلیف برداشت نہیں کرسکتی تھیں۔ ان کے شوہر خواجہ غلام نظام الدین قادری اپنی ذات میں ایک بے مثل شخصیت اور پورے شہر میں معروف و مقبول۔ حکام بالا سے اچھے تعلقات رکھنے کے سبب سب کے سفارش گزار اور حاجت روا تھے۔ اپنے معمولات میں ایک زندہ ولی اللہ جس سے ملتے اور جب ملتے مسکرا کر ملتے۔ نرم خو اور خوش اخلاق۔ عادات و اطوار میں انتہائی سادہ شریعت کے بے حد پابند مفتی شہر ایک طور پر پورے شہر کے دینی' سماجی اور سیاسی معاملات میں قائد تھے۔ تلخ بات کبھی نہ کرتے تھے بلکہ دوسرے کی تلخ بات ہنس کر ٹال دیتے تھے۔ کبھی مشتعل نہ ہوئے انتہائی متحمل اگر کبھی غصہ کرتے تو معلوم ہوتا کہ وقت کی ضرورت پوری کررہے ہیں۔ لوگوں کو ان سے ظاہر و باطن کا فیض تھا۔ میرے استاد بھی تھے اس لئے کہ مجھے بسم اللہ سر محفل پڑھائی تھی۔ مدرسہ قادریہ کے کرتا دھرتا اور مولانا عبدالقدیر صاحب کی غیر موجودگی میں نگران اعلیٰ صاف ذہن کے غیر متنازعہ عالم ایک خوش بیان اور جوشیلے مقرر' بہترین شوہر' بہترین باپ۔ غرض یہ کہ نجی زندگی ہو یا اجتماعی' محفل یاراں ہو کہ رزم حق و باطل ایک حق گو اور بے باک انسان بلکہ ایک زندہ ولی اللہ تھے۔ ان کے دو بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہندوستان میں ہیں۔ چوتھی بیٹی اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کر کے پاکستان آگئیں اور کراچی میں مقیم ہیں۔

خواجہ صاحب کا خاندان بدایوں میں انتہائی معزز و محترم ہے۔ ان کا آبائی وطن تو دہلی تھا مگر ترک سکونت کر کے یہ خاندان بدایوں منتقل ہوگیا تھا۔ والد کا نام خواجہ عبداللہ اور دادا کا نام خواجہ ضیاء الدین تھا۔ یہ دہلی کے محلہ کوچہ پنڈتھ میں رہا کرتے تھے۔ ان کے ایک بیٹی تھیں جن کا نام حفیظہ بیگم تھا ان کی شادی مولانا عبدالقادر بدایونی سے ہوئی جن کے بطن سے دو بیٹیاں اور ایک بیٹے مولانا عبدالقدیر عاشق رسول تھے۔ مولانا عبدالقادر صاحب کی زوجہ اول سے ایک بیٹے مولانا عبدالمقتدر صاحب اور ایک بیٹی حمیدہ خاتون تھیں ان کی شادی خواجہ عبداللہ سے ہوئی جن کے بطن سے خواجہ نظام الدین اور خواجہ رضی الدین ہوئے اس طرح خواجہ صاحب کا خاندانی پس منظر یہ بنتا ہے کہ خواجہ ضیاء الدین دہلوی ان کے دادا' مولانا عبدالقادر صاحب ان کے نانا' مولانا عبدالمقتدر صاحب ان کے ماموں اور مولانا عبدالقدیر صاحب ایک رشتہ سے ماموں اور دوسرے رشتہ سے پھپی زاد بھائی تھے یعنی ان سے خواجہ صاحب کا دوہرا رشتہ تھا۔ مولانا عبدالقدیر صاحب بین الاقوامی شہرت کے عالم دین تھے۔ صاحب مسند تھے۔ حیدر آباد دکن میں مفتی اعظم تھے۔ عراق کے شاہی خاندان والے ان سے عقیدت خاص رکھتے تھے۔ میرے پاس اس کی تصدیق تو نہیں لیکن سنا ہے کہ ہر سال بغداد شریف میں سرکار غوث پاک کے عرس پر وہاں تشریف لے جاتے تھے اور خصوصی شرکاء میں ہوتے تھے۔ اب ان کے خلیفہ اور سجادہ نشین عبدالحمید سالم میاں ہیں۔ ان کے دوسرے بڑے بیٹے عبدالمجید ہیں جو اقبال میاں کے نام سے جانے جاتے ہیں اور کراچی میں ایک معروف شخصیت اور باوقار سماجی کارکن اور لیڈر ہیں خاص کر پی آئی بی کالونی کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں۔ مولانا عبدالقدیر صاحب کے سب سے بڑے بیٹے عبدالہادی قادری تھے جو محمد میاں کے نام سے مشہور تھے۔ ان کے بیٹے عبدالوہاب قادری پاکستان ایئرفورس کے ایک سینئر کارکن رہے ہیں اور اب کراچی میں ہی مقیم

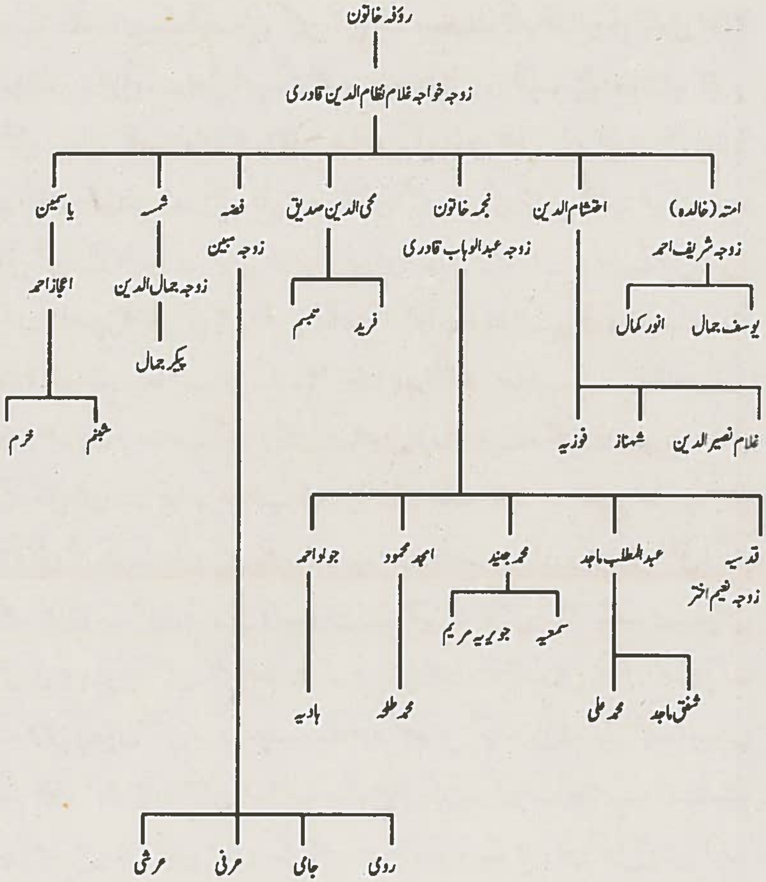
رؤفہ خاتون
زوجہ خواجہ غلام نظام الدین قادری
امتہ (خالدہ)
زوجہ شریف احمد
یوسف جمال
انور کمال
احتشام الدین
غلام نصیر الدین
شہناز
فوزیہ
نجمہ خاتون
زوجہ عبدالوہاب قادری
قدسیہ
زوجہ نعیم اختر
عبدالمطلب ماجد
شفق ماجد
محمد علی
محمد جنید
سمعیہ
جویریہ مریم
امجد محمود
محمد طلحہ
جولو احمد
ہادیہ
محی الدین صدیق
فرید
تبسم
فضہ
زوجہ مبین
رومی
جامی
عرفی
عرشی
شمسہ
زوجہ جمال الدین
پیکر جمال
یاسمین
اعجاز احمد
شبنم
خرم

ہیں۔ وہ میری بھتیجی زاد بہن اور خواجہ نظام الدین قادری کی بیٹی نجمہ خاتون کے شوہر ہیں۔ ان کے چار بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ بیٹی قدسیہ کی شادی میری تایا زاد بہن ہاجرہ خاتون زوجہ محمد بدر الدین کے بیٹے نعیم اختر سے ہوئی ہے جن کا تذکرہ پہلے آچکا ہے۔ عبدالوہاب قادری جو گھر میں آفتاب کہلاتے ہیں ان کے بڑے بیٹے کا نام عبدالمطلب ہے۔ ان کے زوجہ اول بنت شاہد فاروقی کے بطن سے ایک بیٹی شفق اور ایک بیٹا محمد علی ہے۔ زوجہ ثانی میری بھتیجی زاد بہن کی بیٹی سہانا بنت فصیح اللہ صدیقی ہے۔ ان کے دوسرے بیٹے محمد جنید ہیں۔ ایک مذہبی شخصیت اور مستند عالم دین ہیں۔ نوجوانی سے ہی رغبت دین کی سعادت حاصل ہے۔ ان کے تین بیٹیاں ہیں جن کے نام سمعیہ، جویریہ اور مریم ہیں۔ تیسرے بیٹے امجد محمود ہیں ان کی شادی یعقوب حسین کی بیٹی تہمینہ سے ہوئی ہے جو خاندان کے بچوں کے ناموں کی "انسائیکلو پیڈیا ہے" ایجوکیشن میں ایم۔ اے کیا ہے اور سارا گھریلو کام سلیقہ سے کرتی ہے۔ اس کے بطن سے ایک بیٹا محمد طلحہ ہے جواد احمد سب سے چھوٹے بیٹے عساکر پاکستان میں ہیں نہایت باصلاحیت اور فعال افسر ہیں ان کی شادی حسنین شاہ کی بیٹی سے ہوئی ہے جس کے بطن سے ایک بیٹی ہادیہ ہے۔ خواجہ صاحب کی اولاد میں ان کی دوسری بیٹی کی اولاد کا تذکرہ اس لئے پہلے آگیا کہ وہ کراچی میں موجود ہیں۔ ورنہ ان کی چار بیٹیاں اور دو بیٹے ہندوستان میں ہیں بڑی بیٹی جن کا نام خالدہ ہے گھر میں امتہ کہلاتی ہیں۔ ان کی شادی شریف احمد کے ساتھ ہوئی ہے۔ ان کے دو بیٹے یوسف جمال اور انور کمال ہیں۔ ان سے چھوٹے خواجہ احتشام الدین ہیں جن کی شادی مولانا عبدالقدیر صاحب کی بیٹی غزالہ سے ہوئی ہے۔ وہ ہندوستان میں خواجہ نظام الدین قادری کے خلیفہ اور ان کی درگاہ کے سجادہ نشین ہیں۔ ان کے ایک بیٹا ہے جس کا نام اس کی دادی نے اس کی پیدائش سے قبل ہی غلام خواجہ نصیر الدین رکھ دیا تھا۔ مجوزہ نام میں چراغ دہلوی کا ٹکڑا بھی تھا یا نہیں یہ میرے ذہن

سے محو ہو گیا ہے۔ یہ بات مجھے خود خواجہ احتشام الدین نے بتائی تھی۔ ان کے دو بیٹیاں بھی ہیں شہناز اور فوزی خواجہ نظام الدین صاحب کے دوسرے بیٹے محی الدین ہیں جن کا گھریلو نام صدیق ہے۔ ان کی شادی میری پھپھی زاد بہن اور پروفیسر ظفر احمد صدیقی کی بیٹی عذرا سے ہوئی ہے۔ ان کے ایک بیٹا فرید اور ایک بیٹی تبسم ہے۔ ان سے چھوٹی بیٹی فضہ ہے اس کے شوہر کا نام مبین ہے ان کے چار بیٹے رومی، جامی، عرفی اور عرشی ہیں (میری نظر میں اس دور کے بے معنی ناموں کے مقابلے میں یہ چاروں بہت اچھے نام ہیں) فضہ سے چھوٹی بہن شمسہ ہے اس کی شادی جمال مرحوم سے ہوئی تھی اس کے ایک بیٹی پیکر جمال ہے اور سب سے چھوٹی بیٹی یاسمین ہیں۔ ان کے شوہر کا بھی جوانی میں انتقال ہو گیا ان کے ایک بیٹی شبنم اور ایک بیٹا خرم ہے۔

میرے دادا کی پانچویں بیٹی کا نام غفورہ تھا۔ واقعی معاف کرنے والی اور درگزر کرنے والی مسکین خاتون جن کی زندگی صبر کا اعلیٰ ترین نمونہ تھی۔ ان کے شوہر محمد یونس کا جوانی میں ہی انتقال ہو گیا۔ ایک بیٹا اور ایک بیٹی دو چھوٹے بچے سرمایہ حیات رہ گئے۔ بیٹا اسلم بھی نوجوانی کے عالم میں انتقال کر گیا۔ صرف ایک بیٹی رہ گئی ہاں ایک میں تھا مجھے بھی بیٹے کی طرح پالا تھا میں پاکستان چلا آیا اب ان کی دنیا ان کی آرزوئیں ان کی تمنا صرف ایک بیٹی سے وابستہ تھیں میرے عمہ زاد بھائی طبیب ہاشمی سے بے حد جذباتی وابستگی رکھتی تھیں وہ بھی پاکستان چلے آئے اس عالم میں ان کی ذہنی کیفیت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے مگر کمال ہے کہ نہ زبان پر حرف شکایت نہ پلکوں سے آگے آنسو یہ الگ بات کہ کرب چہرے سے جھلک جائے مگر الفاظ ہمیشہ ان کے جذبوں کے اظہار کو ترستے رہے۔ آخر زمانے میں ایک بار پاکستان آئیں مجھ سے مل کر خوش تھیں کہ جیسے غم کبھی قریب سے گزرا ہی نہیں۔ بار بار مجھے گلے لگاتیں اور دعائیں دیتی تھیں میری بیوی کو پہلی بار دیکھا تھا مگر اسے بھی گلے لگا کر دعائیں دیتی تھیں اور کیسی خوش ہوتی تھیں کچھ نہ پوچھیے۔

معلوم ہوتا تھا کہ دنیا جہان کی مسرتیں ان کے دامن میں سمٹ آئی ہیں۔ ناممکن ممکن ہوگیا ہے۔ زندگی رنج و غم سے آشنا ہی نہیں ہے۔ دکھ کبھی قریب سے گزرا ہی نہیں ہے۔ مسرت ہی مسرت ہے راحت ہی راحت ہے۔ دل کو سرور ہے آنکھ کو ٹھنڈک ملی ہے۔

آنکھ کہتی ہے کہ بس آج ہی دیکھا ہے تمہیں
دل یہ کہتا ہے کہ صدیوں کی شناسائی ہے

بقول فراق عجیب کشمکش ہے!

تم مخاطب بھی ہو قریب بھی ہو
تم کو دیکھوں کہ تم سے بات کروں

یا بقول محب عارفی کیفیت یہ تھی کہ

کل میں نے محب اس کو عجب طور سے دیکھا
آنکھوں نے تو کم دل نے بڑے غور سے دیکھو

خوش ہو ہو کر کہتی تھیں کہ اپنے تصور کو متشکل دیکھ رہی ہوں میری دعاؤں کی تعبیر سامنے ہے۔ "آ میری دلہنیا گلے لگ جا" کبھی مجھے کبھی میری بیوی کو گلے لگا لگا کر اپنے سالوں کے کرب کا ازالہ کرتی تھیں۔ مجھے ان کی بچپن کی شفقتیں خوب یاد ہیں جب میں بیمار یا بے چین ہوتا تو کیسے مجھے گلے لگا کر ٹہلتی تھیں۔ اگر میری والدہ کبھی مجھے ڈانٹ ڈپٹ کرتیں تو یہ میری والدہ کے آتشیں مزاج کے سامنے سینہ سپر رہتی تھیں اور ان کی ناراضگی یا غصہ کا رخ میری طرف سے تبدیل کرا کے اپنی طرف موڑ لیتی تھیں میری والدہ مرحومہ خاصی تیز مزاج تھیں مگر کبھی بھی ان کے مزاج کی تندی کا جواب میرے

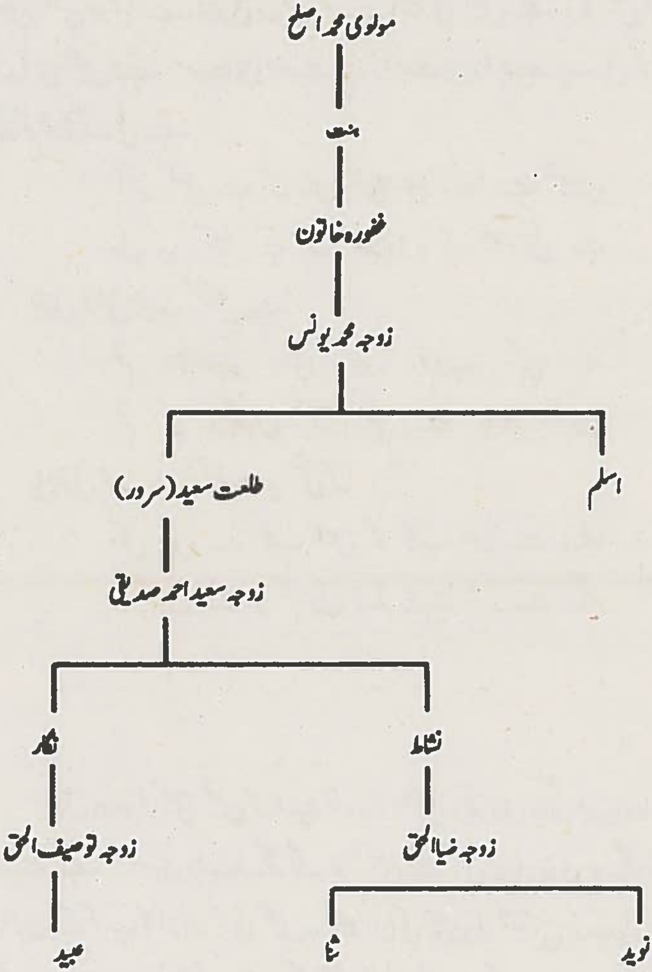
مولوی محمد اصلح
بنت
غفورہ خاتون
زوجہ محمد یونس
طلعت سعید (سرور)
اسلم
زوجہ سعید احمد صدیقی
نگار
نشاط
زوجہ توصیف الحق
زوجہ ضیاالحق
عبید
ثنا
نوید

معاملے میں ناگواری سے نہ دیتی تھیں بعض نقشے تو مجھے یاد ہیں کہ سردی کی ٹھٹرتی راتوں میں میری حاجتوں کی تسکین کے لئے کس مستقل مزاجی اور خنداں پیشانی کا مظاہرہ کرتی تھیں۔ میری محبت کی راہ میں نہ تو ان کی نیند حائل ہوتی تھی نہ سردی یہ حال صرف شادی سے پہلے ہی نہیں شادی کے بعد بھی رہا مجھے اپنے خاندان کی تقاریب میں سب سے پرانی تقریب ان کی شادی ہی یاد ہے۔ اول تو اس وجہ سے کہ ان سے میری جذباتی وابستگی تھی دوم یہ کہ ان کی شادی بھی بڑے دھوم دھام سے ہوئی تھی اور پورے خاندان میں ایک مثال تھی مگر اس کا مآل بہت غم انگیز تھا۔ اب ماشاء اللہ ان کی بیٹی طلعت جسے ہم سرور بھی کہتے تھے اپنے شوہر سعید احمد کے ساتھ خوشگوار زندگی گزار رہی ہے۔ یہ سعید احمد علی گڑھ یونیورسٹی میں نفسیات کے مشہور پروفیسر ظفر احمد صدیقی کے بیٹے ہیں اور ظفر احمد صدیقی صاحب جناب ضیا احمد صدیقی صاحب صدر شعبہ فارسی علی گڑھ یونیورسٹی کے حقیقی بھانجے تھے۔ طلعت سعید کے اس وقت دو بیٹیاں ہیں۔ ایک کا نام نشاط ہے اور دوسری گھریلو نام سے پہچانی جاتی ہے۔ اسے نکی کہتے ہیں اصل نام نگار ہے۔ سطور ہذا کی تکمیل کے ساتھ ہی دبئی سے محمد شائق کی جانب سے موصول شدہ ای میل کے ذریعہ معلوم ہوا کہ نشاط اور نگار دونوں کی شادی ہو چکی ہے اور دونوں کے ماشاء اللہ اولاد ہے۔ نشاط کے شوہر کا نام رضا الحق ان کے بیٹا نوید اور بیٹی ثنا ہے اور نگار کے ایک بیٹے کا نام معلوم نہو سکا۔ شوہر کا نام توصیف الحق اور بیٹے کا نام عبید ہے۔

میرے دادا کی سب سے چھوٹی بیٹی میری چھوٹی پھوپی حلیمہ خاتون ماشاء اللہ بقید حیات ہیں۔ اس وقت ان کی عمر ۷۳ سال ہے مجھے یہ ۱۸ سال کی یاد ہیں اس وقت میری عمر ۸ سال تھی۔ یہ مجھ سے عمر میں دس سال بڑی ہیں۔ اپنے گیارہ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی چہیتی لاڈلی اور ہر دلعزیز اب پورے گھرانہ کی سب سے معمر خاتون بن کر زندگی کا دوسرا رخ دیکھ رہی ہیں۔ چھوٹا ہونے کے سبب ویسے تو سب بہن بھائی ان کی انتہائی دلداری کرتے تھے مگر بالخصوص میرے چچا محمد یونس ان کے خصوصی نگراں تھے۔ خود غیر

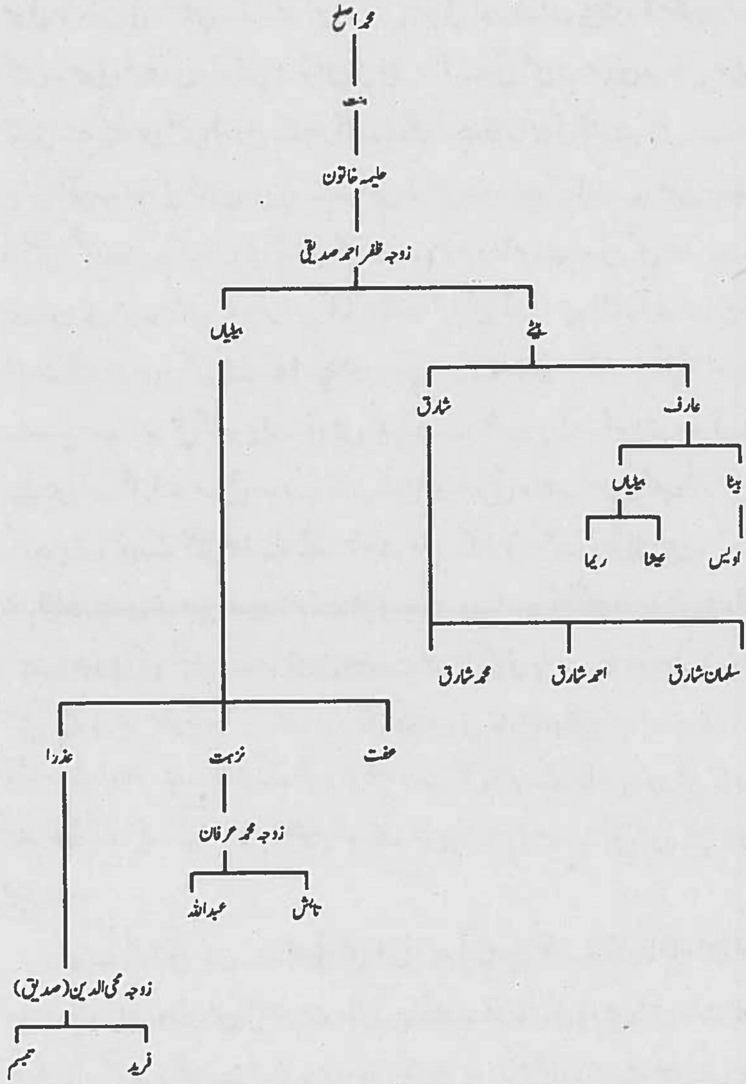
محمد اصلح
بنت
حلیمہ خاتون
زوجہ ظفر احمد صدیقی
بیٹیاں
بیٹے
شارق
عارف
بیٹیاں
بیٹا
ریما
عیشا
اویس
محمد شارق
احمد شارق
سلمان شارق
عذرا
نزہت
عفت
زوجہ محمد عرفان
عبداللہ
تابش
زوجہ محی الدین (صدیق)
تبسم
فرید

شادی شدہ تھے مگر انہیں بیٹی کی طرح رکھتے تھے بلکہ ان کی شادی میں بھی انہوں نے اپنی روایتی کشادہ دستی کا ثبوت دیتے ہوئے خاصی دھوم دھام سے اہتمام کیا تھا۔ دم تحریر یہ دبئی میں مقیم ہیں۔ ویسے بدایوں سے ترک سکونت کر کے بہت پہلے علی گڑھ چلی گئی تھیں اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے شوہر جناب ظفر احمد صدیقی علی گڑھ یونیورسٹی میں نفسیات کے پروفیسر تھے ظفر احمد صاحب کا نفسیات میں جو مقام تھا وہ تو اہل مضمون ہی جانتے ہیں مگر ویسے بھی ایک عمیق النظر انسان تھے۔ حافظہ نہایت عمدہ تھا بعض لوگوں سے سنا تھا کہ انہیں کم و بیش انگریزی ڈکشنری پوری یاد تھی اللہ جانے اس بیان میں کتنا مبالغہ اور کتنا حسن ظن تھا مگر یہ بیان درست ہونا بھی کوئی بعید از قیاس بات نہیں اس لئے کہ ان کا تعلق ایک بہت پڑھے لکھے گھرانہ سے تھا جناب ضیا احمد صاحب جو برصغیر میں فارسی کے علماء میں ایک منفرد مقام رکھتے تھے ان کے حقیقی ماموں تھے اور ضیا احمد صاحب کی بصیرت و علمیت کا یہ حال تھا کہ جو ان کے شاگرد تھے اس نسبت پر ناز کرتے تھے جو شاگرد نہیں تھے۔ وہ شاگردی کی آرزو رکھتے تھے بلکہ ایک بات جو کہنے کی نہیں وہ بھی کہے دیتا ہوں کہ ان کے لائق اور شریر شاگرد فارسی دانی کی نسبت سے ان کے لئے "خلیج فارس کے مگرمچھ" کا کنایہ استعمال کرتے تھے تو کم و بیش ظفر صاحب کا یہی حال نفسیات میں تھا۔ ویسے علوم دینوی پر بھی ان کی نظر گہری تھی اور خود اپنی وضع قطع، عادات و اطوار اور رہن سہن میں ایک خالص مذہبی شخصیت تھے۔ ان کے پہلی بیوی سے ایک بیٹے سعید احمد اور ایک بیٹی ام ہانی ہے۔ سعید احمد کی شادی میری عمہ زاد بہن طلعت کے ساتھ ہوئی ہے جس کا تذکرہ پہلے آچکا ہے۔ میری چھوٹی بھابی جنہیں میں عمی کہتا ہوں ان کے دو بیٹے عارف ظفر صدیقی اور شارق ظفر صدیقی ہیں۔ عارف غالباً" لیبیا میں بسلسلہ ملازمت رہائش پذیر ہیں ان کے ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے۔ دوسرے بیٹے محمد شارق ہیں یہ دبئی میں ہیں ان کے تین لڑکے ہیں بڑی بیٹی عذرا ہے جس کی شادی خواجہ نظام الدین قادری کے چھوٹے بیٹے محی الدین کے

ساتھ ہوئی ہے جو گھریلو نام صدیق سے پہچانے جاتے ہیں ان کے ایک بیٹا فرید اور ایک بیٹی تبسم ہے۔ عذرا سے چھوٹی بیٹی نزہت ہے اس کے دو بیٹے ہیں اور سب سے چھوٹی کا نام عفت ہے۔ شائق نے دبئی میں مقیم شارق ظفر صدیقی سے حاصل شدہ معلومات کی بنیاد پر بذریعہ ای میل اطلاع دی ہے کہ شارق کے تین بیٹوں کے نام سلمان، احمد اور محمد ہیں۔ نزہت کے دو بیٹوں کے نام تابش اور عبیداللہ ہیں اور عارف کے بیٹا اویس اور بیٹی عیشا اور ریما ہیں اور عارف اپنا پورا نام عارف ظفر صدیقی اور شارق پورا نام شارق ظفر صدیقی لکھتے ہیں۔ نیز یہ کہ ام ہانی کے دو بیٹے ندیم اور حلیم ہیں۔

تیسرا باب

کراچی میں میرے والد کی اولاد اور قرابتیں

کراچی میرا دوسرا بدایوں ہے اس لئے کہ اس میں میرے والد' والدہ' میری ایک بہن اور خاص کر میرے شیخؒ اور میرے دوست دفن ہیں۔ اس میں ہزار خدشات اور پریشانیاں سہی' حادثات' تشدد' گرانی' فضاء کی آلودگی' عدم ملکیت' کوٹہ' تعصب' سب کچھ تسلیم مگر میرے اوپر اس شہر کے جو احسانات ہیں انہیں کیسے نظرانداز کرسکتا ہوں۔

محبوب ہے یہ شہر ہر اک خاص و عام کا
ہمرتبہ میرے واسطے دارالسلام کا

ہوسکتا ہے کہ یہ آواز بہت سے لوگوں کے لئے اجنبی اور نامانوس ہو۔ شاید بہت سے لوگ میری ہمنوائی نہ کریں مگر یہ حقیقت ہے اسے جذبات کی دھند میں چھپایا نہیں جاسکتا۔ اس وقت ہندوستان کے جو حالات ہیں اور جس طرح مسلمان ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں اپنا دینی تشخص کھو رہے ہیں۔ ہندو معاشرے کا تسلط ہو رہا ہے۔ دینی کے بجائے زندگی کا نقطہ نگاہ سیکولر ہو رہا ہے۔ غیر مسلم خاندانوں میں مسلم لڑکیاں جارہی ہیں۔ مسلمان لڑکے ہندو لڑکیوں سے شادی کررہے ہیں۔ غیر متعصب ہندو بھائی بن کر اور بنا کر گھروں میں دخیل ہو رہے ہیں۔ متعصب ہندو ہر طرح درپے آزار ہیں ان حالات کا کراچی سے موازنہ کیجئے کیا میں نے اسے "دارالسلام" غلط کہا ہے۔ یہ سچ ہے کہ تقسیم کے بعد ہجرت کرکے آنے والے لوگ اپنا سب کچھ گنوا بیٹھے جو عشرت کی زندگی گزار رہے تھے۔ اب عسرت کی زندگی گزار

رہے ہیں۔ بے یارومددگار ہیں۔ بعض کی زندگیاں درس عبرت بن رہی ہیں مگر یہ سب کچھ کراچی کا قصور نہیں انقلاب کا نتیجہ ہے اور تاریخ کے آئینہ میں کوئی نئی بات بھی نہیں مگر اسے کراچی کا قصور نہیں کہا جاسکتا۔ کراچی نے ایسے ہزاروں جوانوں کو تعلیم کی دولت سے مالا مال کیا جو اپنے گاؤں میں مڈل یا میٹرک سے آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔ ہزاروں ایسے لوگ جو کچی زمین اور ناپختہ مکانوں میں رہتے تھے آج موزیک اور ٹائلز کے مکانوں میں رہتے ہیں۔ کتنے ہیں جو ہندوستان میں خادم تھے اب مخدوم بن گئے۔ نئی نسل کے کتنے جوان ہیں جو انجینئر ڈاکٹر پروفیسر وکیل اور افسر ہیں کیا ہندوستان کے مسلمانوں کا بھی حکومت ملازمت اور تعلیم میں یہی تناسب ہے۔ مہاجر تو بنگلہ دیش والے بھی ہیں اندرون سندھ بھی مہاجر ہیں کیا اہل کراچی ان سب سے بہتر نہیں؟ تو پھر کراچی کو اس کا حق ستائش کیوں نہ دیا جائے کہ جس نے ہزاروں نہیں لاکھوں بے خانما لوگوں کے لئے اپنا دامن آغوش وا کردیا۔

آغوش وا ہے ہرکس و ناکس کے واسطے
سب پر کھلے ہیں شہر کراچی کے راستے

کراچی سے میرا پہلا رابطہ ۲ مئی ۵۲ء کو ہوا جب میں اپنے والدین اور بہن بھائیوں کے ہمراہ کراچی پہنچا۔ بدایوں سے ہمارا رابطہ ۲۶ اپریل ۵۲ء کو ختم ہوا تھا اس وقت میری کاغذی عمر پندرہ سال اور حقیقی عمر ۱۶ سال تھی مجھے یاد ہے جب ہم تانگے میں سوار ہو کر اسٹیشن کی طرف جارہے تھے چلتے چلتے میں جامع مسجد کی بلند و بالا دیواروں کو احساس جدائی کے ساتھ بڑے غور سے دیکھ رہا تھا سڑک اور گلیوں پر آخری نظر ڈال رہا تھا بعض ساتھی اور اقارب ہاتھ ہلا کر الوداع کہہ رہے تھے آنے والے وقت کا حول گزرے ہوئے وقت کی یادوں پر غلبہ کررہا تھا۔ غرض یہ کہ ہم اسٹیشن پہنچے گاڑی آئی اس میں سوار ہوئے اور آگرہ پہنچ گئے جناب طیب ہاشمی ہمیں چھوڑنے کے لئے آگرہ تک آئے۔ آگرہ کے پلیٹ فارم پر ایک دو راتیں گزارنی

پڑیں جب اسپیشل وہاں سے روانہ ہوئی ہم اس میں ٹھونس دیئے گئے اور بالآخر بارڈر پر پہنچ گئے وہاں سے ایک اور اسپیشل کے ذریعہ مونا باؤ تک آئے مونا باؤ پر تلاشی ہوئی ہمارے پاس گزری ہوئی زندگی کی یادوں اور آنے والی زندگی کے حوصلہ کے سوا کیا تھا۔ بے دھڑک اس منزل سے گزر گئے۔ ٹرک میں سوار ہوئے اور "نومین زلینڈ" میں داخل ہوئے۔ ہاں مونا باؤ پر تلاشی کے وقت ہمارے پاس کچھ بھی نہ تھا البتہ والد مرحوم پان کے ساتھ خوردنی تمباکو کے عادی تھے۔ لہٰذا بدایوں سے چلتے وقت ایک بڑی بوتل میں وہ ایک خاص قسم کی تیز اور خوشبودار تمباکو بھر کر لے آئے تھے۔ مونا باؤ کا ظالم کسٹم انسپکٹر بھی پان کا عادی تھا اس نے والد صاحب سے ایک چٹکی تمباکو چکھنے کے لئے مانگی اور منہ میں ڈال لی وہ اسے اتنی پسند آئی کہ اس نے وہیں آدھی بوتل خالی کروالی نہ معلوم یہ اس کی خوش ذوقی تھی یا کسٹم کی ملازمت کی روایت برقرار رکھنی تھی غرض جو کچھ بھی کیا اس نے خنداں پیشانی سے کیا۔ یہ ہمارے لئے بڑی بات تھی کہ ہم سب مسلمان تو سہمے ہوئے تھے ہندو چپڑاسی اور جمعدار کی خوش اخلاقی کو بھی اپنی خوش قسمتی سمجھتے تھے غرض یہ کہ "خطہ لاوارثاں" میں داخل ہوگئے۔ یہ میں نے "نومین زلینڈ" کا ترجمہ کیا ہے۔ خیر ٹرک ریت پر دھنستا ہوا آہستہ آہستہ چل رہا تھا مگر ہمارے دلوں کی دھڑکنیں تیز تھیں کہ اچانک فضاء نعرۂ تکبیر سے گونج اٹھی۔ نظر اٹھا کے دیکھا تو سبز ہلالی پرچم لہرا رہا تھا۔ جس کی سربلندی کے لئے ہم جب بھی دعا گو تھے اب بھی دعا گو ہیں۔ غرض یہ کہ ٹرک نے اپنی آخری منزل پر ہمیں اتار دیا اور ہم اس تپتے ہوئے صحرا میں پاپیادہ تیز رفتاری سے چل کر سرزمین پاکستان تک پہنچے۔ ہمارے قافلے میں کتنے ہی ایسے لوگ تھے جنہوں نے اس پاک سرزمین پر اپنے قدم سے پہلے اپنا سر رکھ کر سجدہ شکر ادا کیا تھا۔ یہ اس لئے کہ ہمارے نزدیک ہجرت سیاسی سے زیادہ دینی عمل تھا اور آج ہم بحمد اللہ اس مہاجر اعظمؐ کی ایک سنت کی تکمیل کرنے میں کامیاب ہوئے تھے جس

نے ہجرت کو وطنیت سے بڑا اعزاز بنا دیا تھا۔

اس زمانے میں کھوکھراپار کی سرحد پر نہ تو کوئی کسٹم چوکی وغیرہ تھی نہ کوئی استقبالیہ نہ کسی فلاحی انجمن کا دفتر نہ کارکن صرف عساکرِ پاکستان کے کچھ نوجوان جو قریبی چوکی پر موجود تھے اپنی انفرادی حیثیت میں خستگان کی دلداری کے لئے آجاتے تھے۔ پینے کے پانی کا محدود انتظام تھا اور ایک جگھی میں ایک خستہ سا ہوٹل تھا جس پر صرف چائے اور ایک دو قسم کے بسکٹ موجود تھے دور دور تک کوئی آبادی تھی نہ کوئی عمارت چند گھاس پھونس کی جگھیاں بنی تھیں جن میں بے گھروں کو ایک رات کے لئے پناہ مل جاتی تھی۔ آنے والے اس میں ایک بے چراغ رات گزارتے تھے۔ اس لئے کہ چراغ تو کجا اگر سگریٹ بھی جلتا ہوا دکھائی دیتا تو فوراً" دشمن کی سرحد پار سے آنے والی گولی اسے نشانہ بنا لیتی تھی۔ اس ضمن میں فوجی نوجوان بے حد چوکنا تھے اور ہمیں ہدایت دیتے رہتے تھے پاکستان کا آخری اسٹیشن بلکہ پہلا کہنا زیادہ بہتر ہے۔ یہاں سے تقریباً" پانچ میل دور تھا مگر کسی گاڑی کے آنے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ریلوے لائن ضرور بچھی تھی۔ اس پر صرف ریل کا انجن دن میں ایک مرتبہ اپنے فوجیوں کے لئے پانی لے کر آتا تھا مگر اس کے ذریعے کوئی آمدورفت نہیں تھی۔ طریقہ یہ تھا کہ روزانہ صبح سویرے کسی مقامی قریبی بستی سے مزدور اور قلی آتے تھے وہ سامان اپنے سر پر رکھ کر کھوکھراپار تک پہنچاتے تھے اور انہی کی رہنمائی میں مہاجرین کے قافلہ پانچ میل ریگستانی سفر طے کر کے پاپیادہ وہاں پہنچتے تھے مگر اس ریگستان میں تو سورج صبح سے ہی تمازت دینا شروع کر دیتا تھا۔ اس لئے وہ لوگ جن کے ساتھ چھوٹے بچے اور خواتین ہوتی تھیں قدرے طویل فاصلہ طے کرنا پسند کرتے تھے اور صبح صادق جگھیوں سے نکل کر ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ سفر شروع کرتے اور دھوپ میں شدت آنے تک کھوکھراپار پہنچ جاتے تھے۔ مگر یہ سفر بے سروسامانی کا ہوتا تھا جس کے ساتھ جو بھی

مال اسباب ہوتا وہ سرحد پر ہی پڑا رہتا تھا اور ایک آدھ نوجوان اپنے اپنے سامان کی حفاظت کے لئے وہاں ٹھہر جاتا تھا جب صبح کو مزدور اور قلی آتے تو وہ پیسے طے کر کے سامان اپنے سروں پر رکھ کر کچے راستہ سے ٹیلوں اور ڈھلوانوں پر چڑھتے اترتے کھوکھراپار جاتے تھے اور اپنے اپنے سامان کے ساتھ ہر گھر کا ایک ایک نگران ہوتا تھا مگر ہمارے ساتھ کوئی ایسا جوان بھی نہ تھا جس کے سپرد سامان کر کے چل دیتے۔ چار چھوٹی بچیاں اور ایک دو سال کا بیٹا اور میں سب سے بڑا سولہ سال کا بیٹا۔ بالاخر والد صاحب نے دل کڑا کر کے میرے حوصلہ کا امتحان لیا اور مجھے خاصہ حوصلہ مند پاکر ان کی بھی ہمت بڑھی اور وہ صبح سویرے مجھے اس بیابان میں مع سامان چھوڑ کر ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ چھوٹے دو سالہ بیٹے کو گود میں لئے بمع اہل و عیال پاپیادہ روانہ ہوگئے۔ جب صبح صادق کے وقت روانہ ہونے والے یہ قافلے نظر سے اوجھل ہوئے تو وہ رات بھر کی "صحرائی گہما گہمی" ختم ہوئی اور ایک عجیب سی خموشی چھاگئی مگر ابھی تھوڑے تھوڑے فاصلے پر رکھے ہوئے مال و اسباب کے ساتھ ایک ایک آدمی نظر آرہا تھا۔ جونہی سورج طلوع ہوا مزدور اور قلی آئے اور ہر ایک کا مال و اسباب دیکھ کر اجرت طے کر کے سامان اپنے سروں پر رکھ کر روانہ ہونے لگے۔ ہم نے بھی اپنے سفر کے لئے دو چار سے بات کی جو آتا اور سامان کے وزن کا اندازہ کر کے سامان چھوڑ دیتا اور لے جانے پر رضامند نہ ہوتا ہم نے عام ریٹ سے زیادہ اجرت کی بھی پیش کش کی مگر کسی نے قبول نہ کی وجہ یہ تھی کہ ہماری والدہ مرحومہ نے نگوں کی تعداد کم کرنے کے خیال سے سامان وزنی کر لیا تھا۔ بہت سا سامان بستر بند میں خلاف روایت رکھ لیا تھا۔ اللہ انہیں جنت نصیب کرے۔ مرحومہ زندگی میں اکثر ایسی غیر معتدلانہ ذہانت کا مظاہرہ کرتی رہتی تھیں جس کے نتائج سے بصیرت پیدا ہوتی تھی یہاں بھی یہی ہوا کہ سامان اتنا وزنی ہوگیا کہ اسے سر پر رکھ کر پانچ میل چلنا عملاً" ممکن نہ تھا انجام کار یہ کہ تمام اہل قافلہ سوئے منزل روانہ

ہوگئے اور ہم لق و دق صحرا میں اکیلے رہ گئے۔ خیر انسان تو کوئی دوسرا نہ تھا مگر اللہ اور اس کا رسول بہت قریب محسوس ہو رہے تھے۔ وقت گزرتا گیا اور ویرانیاں بڑھتی گئیں۔ ہم تھے تو بے سرے مگر با آواز بلند ترنم سے یہ شعر پڑھنا شروع کیا

غوث اعظم بہ من بے سرو ساماں مددے
قبلہ دیں مددے کعبہ ایماں مددے

جب کبھی سامان پر نظر پڑتی تو "بہ من بے سرو ساماں" کے بجائے "بہ من ایں سرو سامان مددے" کہنے لگتا پھر کچھ خیالات آتے تو شعر میں کچھ ترمیم کرلیتا اور یوں پڑھنے لگتا کہ

یا محمد بمن بے سرو ساماں مددے
قبلۂ دیں مددے کعبہ ایماں مددے

اس لق و دق میدان میں کوئی آدم نہ آدم زاد چنانچہ ہم اپنے "بے سرے پن" پر شرمائے بغیر اور زور زور سے پڑھ رہے تھے۔ یہ یقین تھا کہ سرکارؐ "سر" نہیں دیکھتے وہ تو جذبوں کی آواز سنتے ہیں۔ چنانچہ مدد کرنے والے نے مدد کی اور ایک سمت سے ایک فوجی جوان ہمارے پاس آیا اور پورا احوال سن کر ہمیں تسلی دی اور کسی کو با آواز بلند پکارا ایک اور نوجوان آیا دونوں میں کچھ بات چیت ہوئی تھوڑی دیر بعد دو مزدور تین گدھے لئے ہوئے ہمارے پاس آئے سامان ان پر لادا اور کھوکھرا پار کی طرف روانہ ہوئے۔ چونکہ گدھے تین تھے اور مزدور دو اس لئے ایک گدھے کو ہانکنے کا کام ہمارے ذمہ رہا ہم گدھا ہانکتے ہوئے کھوکھرا پار کی طرف روانہ ہوئے اور بار بار یہ خیال آتا رہا کہ پاکستان آکر اپنے جد امجد شیخ مطیع اللہ کی سنت پوری کرنی پڑی وہ بھی جب بدایوں آئے تو گدھے پر سوار تھے اسی لئے خرسوار کہلائے تو ہم نے بھی پاکستان آکر اپنی بدایونی نسل کے تسمیہ کی تجدید کردی۔ لوگ کچھ بھی سمجھیں مگر ہمارے بزرگ تو خرسوار ہونے پر فخر کرتے تھے اور لکھنے والوں

نے خرسواروں کو نجیب الطرفین صدیقی لکھا ہے بلکہ بدایوں کے بعض خاندان تو اپنا نسب نامہ خرسواران سے ملاتے ہیں مگر خرسوار انہیں اپنے نسب میں شامل نہیں کرتے جیسا کہ "نسب نامہ شیوخ صدیقی عبدالرحمانی" کے مصنف نے ابتدائیہ میں لکھا ہے "خاندان مولوی اکرام اللہ چاہ نونی پر آباد ہے یہ بھی اپنے کو اولاد مطا خرسوار سے کہتے ہیں لیکن نسب نامہ نہ ملا۔ لہٰذا معذوری ہے ان کی اولاد میں شیخ نیاز احمد ظہور احمد اور تنویر حسین تھے اولاد ان کی موجود ہے مگر حافظ عبدالستار صاحب (جو میرے پردادا کے بھائی تھے) ان صاحبوں کو اپنے خاندان سے ہونا تسلیم نہیں کرتے نہ ان کے نسب نامہ میں ان کا ذکر ہے۔ علاوہ اس کے ان کی قرابتیں بھی مشہور شرفا خاندانوں میں بالفعل نہیں ہیں۔" اس حوالے سے بھی خاندان خرسواران کا شرفائے بدایوں میں ہونا ثابت ہے۔ تو میں نے پاکستان کی سرحد پر آتے ہی خرسواری کی روایت تازہ کی مگر تھوڑی کسر رہ گئی۔ اگر میرا کھوکھراپاری گدھا بت لاغر نہ ہوتا تو شاید میں بھی اس کے ہانکنے پر اکتفا نہ کرتا بلکہ لغوی معنوں میں خرسوار ہو کر کھوکھراپار پہنچتا۔ بہر حال جس طرح بھی ہم کھوکھراپار پہنچے وہ تو اپنی جگہ مگر وہاں پہنچنے کے بعد جو استقبال ہوا ہے وہ ہمیشہ یاد رہے گا۔ میری والدہ نے ریگستان میں میرے اکیلے رہ جانے پر پورا اسٹیشن سر پر اٹھالیا تھا۔ پھر ان کا اثر انگیز طرز کلام اور آہ و بکا کہ ہر شخص میرا منتظر اور مشتاق دید بلکہ اس اسپیشل کے گارڈ بیچارے نے یہ کہہ کر میری والدہ کو تسلی دی کہ "جب تک آپ کا بچہ نہیں پہنچ جاتا میں گاڑی کو ہلنے نہیں دوں گا چاہے میری ملازمت چلی جائے" اور اس صاحب عزم رحمدل انسان نے واقعی میرے کھوکھراپار پہنچنے تک گاڑی کو روکے رکھا اور تاخیر پر کسی نے اعتراض بھی نہیں کیا۔ چونکہ سب کو معلوم تھا کہ ایک بچہ اکیلا ریگستان میں رہ گیا ہے اس کے آنے کے بعد گاڑی چلے گی۔ بہر حال ہم وہاں پہنچ کر ہر ایک کا مرکز نگاہ تھے اور ہماری وجہ سے ہمارے گھر والوں کو بھی مال گاڑی کے

ایک ڈبہ کے فرش پر بیٹھنے کی لوگوں نے جگہ دیدی تھی۔ بہرحال اس مست خرام ریل میں بیٹھ کر ہم میرپور خاص پہنچ گئے۔ میرپور خاص میں جناب شاہد حسین صدیقی بدایونی ریلوے گارڈ تھے۔ رات کو ان کے گھر اسٹاف کوارٹرز میں قیام کیا پورے ہفتہ میں یہ پہلی رات تھی جو چین سے گزری۔ یہ شاہد حسین صدیقی وہ ہیں جن کے بیٹے آصف حسین صدیقی سے بعد میں میری چھوٹی بہن فہیمہ خاتون کی شادی ہوئی۔ میرپور کے اسٹیشن پر ہماری ملاقات اپنے پھوپی زاد بھائی علی حاکم سے ہوئی یہ ہمیں لینے کے لئے کراچی سے میرپور پہنچے تھے طیب ہاشمی کے جدا ہونے کے بعد سے علی حاکم کے ملنے تک میں اپنے والد مرحوم کو حوصلہ دیتا رہا مگر علی حاکم کے ملنے کے بعد میں بھی بہت ریلیکس ہوا۔ آخر ان کے ہی ساتھ ہم حیدر آباد تک آئے پھر وہاں سے کراچی تک قیادت علی حاکم کے ہی پاس رہی۔ انہوں نے اس زمانے کی رہائشی قدروں کے مطابق ہمارے لئے رہائش کا انتظام کر رکھا تھا۔ اس زمانے میں کراچی بہت چھوٹا شہر تھا۔ صدر ایمپریس مارکیٹ کے بعد آگے گرجا گھر اس کے بعد فوجی بیرکیں تھیں جسے اب لائنز ایریا کہتے ہیں۔ گورا قبرستان ویران علاقہ تھا ایک طرف لسبیلہ ہاؤس دوسری جانب جیل روڈ' ادھر تین ہٹی یہ شہر کی آخری حدود تھیں بلکہ تین ہٹی کا پل بننا شروع ہو چکا تھا جس کے بعد لالو کھیت آباد ہوا اور وہ بھی ڈاکخانہ تک تھا۔ دس نمبر کے بعد سب ویران جنگل تھا۔ اسی گز کے ایک کمرہ والے لالو کھیت کے مکانات اس وقت بڑی چیز تھے۔ ورنہ پورے شہر میں جھگیاں' کپڑے کے خیمے' المونیم کوارٹرس' یہی شرفاء کی رہائش تھی۔ الغرض یہ کہ ہم جناب علی حاکم کی جھگی میں جٹ لینڈ لائنز میں آکر اترے یہ ۲ مئی ۵۲ء کی رات تھی۔

جس جھگی میں ہمارا قیام تھا اس کے برابر والی جھگی میں جناب مزمل حسین صاحب اور ان کی اولاد تھی۔ یہ مزمل حسین صاحب وہی ہیں جو ڈپٹی کلکٹر ابراہیم حسن کے بیٹے اور میرے والد کے رضاعی بھائی تھے بدایوں میں ان کا بڑے پھاٹک

والا گھر دیکھنے کے لائق تھا۔ اس کے مقابلے میں یہاں جھگی کیا تضاد تھا۔ ہمارے ان کے درمیان ایک چٹائی کی دیوار حائل تھی۔ دوسری جانب رامپور کے معززین تھے ایک طرف دہلی کے کچھ خاندان اور ایک طرف گندا بدبودار نالا۔ رہائش کے لئے اس جگہ کا انتخاب اس لئے کیا گیا تھا کہ یہاں کی ملٹری بیرکس میں جو رہائشی کوارٹر بنائے گئے تھے ان میں سے ایک میں جناب مصوّر حسین صدیقی رہتے تھے۔ یہ مزمل حسین کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے۔ ان کی قربت سے بڑی ڈھارس تھی۔ انتہائی سر توڑ کوشش کے باوجود دو سال تک پکی دیواریں اور چھت نصیب نہ ہو سکی۔ اسی جھگی میں ہم نے کراچی کے طوفانی سیلاب کا بھی مقابلہ کیا۔ جب زوردار سیلابی ریلا آتا تھا اسٹول پر رکھے ہوئے پانی سے بھرے مٹی کے مٹکے تیرنے لگتے تھے پھر خس و خاشاک کا تو پوچھنا کیا جب اسٹیل بکس تیر رہے ہوں تو چٹائی کی دیواریں کہاں رہی ہوں گی۔ کمر کمر تک پانی اور ہم کھلے سمندر میں بے یارومددگار بہرحال "مرگ انبوہ جشن دارد" چند گھنٹوں بعد اس "جشن" سے فارغ ہوئے بارش تھمی ضائع ہونے والے سامان کا جائزہ لیا جو تھوڑے بہت "زیورات یا نقد اثاثہ تھا" پلاسٹک کی ایک تھیلی میں وہ بحمد اللہ محفوظ رہا۔ سورج نکلا دھوپ نکلی پانی خشک ہوا اور رفتہ رفتہ زندگی معمول پر آگئی۔ اسی جھگی میں رہ کر میں نے انٹر کا امتحان پاس کیا مٹی کے تیل کی لالٹین کی روشنی میں پڑھائی کی غرض یہ کہ دو سال اسی کشمکش میں گزارے کہ جسم کی طرح کہیں ذہن جھگی نشینی کی سطح پر مطمئن نہ ہو جائیں بہرحال اس جھگی نے مجھے دو چیزیں دیں ایک تو انٹر کا سرٹیفکیٹ اور ایک چھوٹا بھائی اشفاق جس کی ولادت اس جھگی نشینی کے زمانے میں ہوئی۔ دو سال بعد لالوکھیت کے ایک چھوٹے سے مکان میں آگئے پھر مالی مجبوریوں کے سبب یہ گھر فروخت کر کے ملیر میں ایک کوارٹر میں آگئے وہاں سے کھوکھراپار رہائش اختیار کرنی پڑی غرض یہ کہ تکمیل تعلیم اور حصول ملازمت تک انتہائی تنگ دستی کی زندگی گزارنی پڑی والد مرحوم کو واٹر

بورڈ میں کلرکی کرنی پڑی میں پڑھتا بھی رہا پڑھاتا بھی رہا یعنی پڑھائی کے ساتھ ٹیوشن بھی کرتا تھا ایک والد ایک والدہ دو چھوٹے بھائی چار چھوٹی بہنیں سب کی تعلیم و تربیت اور شادیاں میرے ایم اے کرتے ہی والد صاحب کی چھوٹی سی ملازمت بھی ختم ہوگئی میں نے ایم اے اس طرح کیا ہے کہ میرے پاس ایک بھی نصابی کتاب نہیں تھی یونیورسٹی پرانی عمارت میں تھی۔ سرکلر ریلوے کا ماہانہ ٹکٹ ساڑھے چار روپیہ میں بنتا تھا اسی ٹکٹ کے سہارے ماڈل کالونی ریلوے اسٹیشن سے کراچی سٹی تک وہاں سے یونیورسٹی پیدل پھر یونیورسٹی سے اسٹیشن پیدل بعض دن ایسے بھی گزرے ہیں کہ جیب میں ایک آنہ لے کر گھر سے نکلا ہوں اور وہی خرچ کئے بغیر واپس آگیا ہوں ریلوے کے ساڑھے چار روپیہ ماہانہ والے ٹکٹ اور کلاس روم نوٹس پر یونیورسٹی کی تعلیم چلی ہے۔ پیراشوٹ کے کپڑے کی دو بش شرٹس اور ٹیڑون کی دو پتلونوں نے ستر پوشی کی ہے ملازمت کے بعد بھی تصنیف و تالیف کا بیشتر کام لالٹین کی روشنی میں کیا ہے اور بحمد اللہ گریڈ بیس کی آخری حد پر ریٹائر ہوا ہوں اور بہت سے پیشہ ورانہ اعزازات حاصل کئے ہیں۔

کشتیاں سب کی کنارے پہ پہنچ جاتی ہیں
ناخدا جن کا نہ ہو ان کا خدا ہوتا ہے

اس داستان کو مختصر کرکے یہیں ختم کرتا ہوں۔ شاید کتاب کے آخری باب میں کچھ تفصیلات اپنی ذات سے متعلق پیش کرسکوں بہرحال اس پر مطمئن ہوں کہ حتی الامکان حقوق العباد کی ادائیگی کی پوری کوشش کی اور خدا کا شکر ہے کہ والدین اور بھائی بہنوں کے ساتھ بھی اور پھر بیوی اور بچوں کے ساتھ بھی دونوں اننگز میں فیلڈنگ ہی کی ہے۔ کبھی اسٹروک کھیلنے کا موقع نہ ملا۔ غربت افلاس اور تنگدستی کا بحمد اللہ کردار پر کوئی منفی اثر مرتب نہ ہوا بلکہ کچھ یوں ہوا جیسا کہ میں نے ایک شعر میں کہا ہے کہ

مرے غم کے اندھیرے جس قدر بھی بڑھتے جاتے ہیں
تری شمع محبت بھی فروزاں ہوتی جاتی ہے

میرے والد مرحوم ۲۳ مارچ ۷۴ء کو اس دارفانی سے کوچ کر گئے اور والدہ مرحومہ ۷۵ء میں ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئیں والد مرحوم کے انتقال کے وقت میری چھوٹی بہن فہیمہ خاتون غیرشادی شدہ تھی۔ والدہ اس کے خیال سے بہت بوجھل رہتی تھیں۔ چنانچہ والد صاحب کے انتقال کے فوراً" بعد اس فرض سے بھی فراغت حاصل کرلی۔ اب دو چھوٹے بھائی رہ گئے وہ دونوں زیر تعلیم تھے۔ فہیمہ کی شادی کے بعد والدہ کا انتقال ہو گیا اور تھوڑے ہی عرصہ بعد دونوں بھائی بھی فارغ التحصیل ہو گئے اور خدمتوں کا رخ اب نئی نسل کی جانب ہو گیا۔ وہاں بھی اللہ تعالیٰ نے سرخرو کیا۔

میری سب سے بڑی بہن سلیمہ خاتون جو مجھ سے دو سال چھوٹی ہے اس کی عمر ہمارے پاکستان آنے کے وقت ۱۴ سال تھی۔ والدہ کے نزدیک اب شادی میں تاخیر کی گنجائش نہیں تھی۔ چنانچہ جب بات چلی تو چلتے چلتے اس گھرانے تک پہنچی جو ہمیشہ کے لئے اس کا گھر ہونا تھا۔ چنانچہ ماسٹر شاکر حسین کے چھوٹے بھائی جناب ظفر حسین کے بڑے بیٹے جناب داور حسین حمیدی سے رشتہ طے ہو گیا۔ جناب ظفر حسین بدایوں کے ایک معزز و معروف صدیقی حمیدی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی والدہ محترمہ اور میری دادی آپس میں رشتہ کی بہنیں تھیں چنانچہ کسی تشویش یا تحقیق کی طرفین میں سے کسی کو بھی ضرورت محسوس نہ ہوئی اور پھر اس زمانے میں جو صفات کوئی رشتہ قبول کرنے کے لئے لڑکے میں مطلوب ہوتی تھیں وہ بحمد اللہ دوار حسین حمیدی میں موجود تھیں اور اب تو "اولڈ از گولڈ" دوار حسین بعض خصوصیات کے لحاظ سے بہت منفرد شخصیت ہیں۔ ان میں بعض خوبیاں ناقابل یقین حد تک موجود ہیں۔ مثلاً" فرض شناسی میں وہ بے مثال آدمی ہیں۔ حقوق

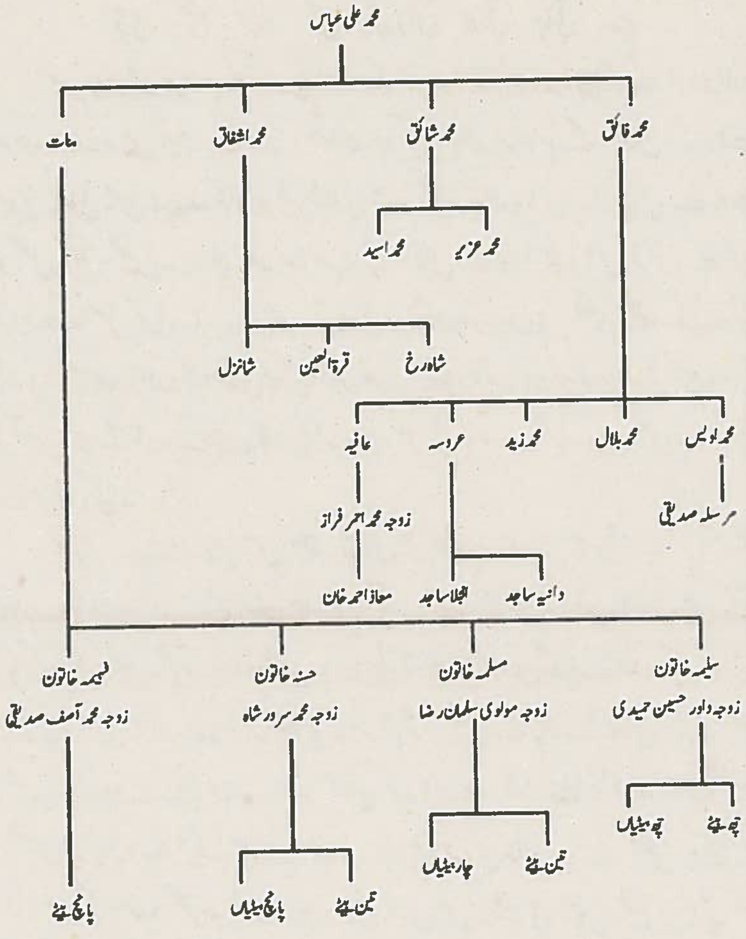
محمد علی عباس
محمد فائق
محمد شائق
محمد اشفاق
بنات
محمد عزیر
محمد اسید
شاہ رخ
قرۃ العین
شائزل
محمد اویس
محمد بلال
محمد زید
عروسہ
عافیہ
مرسلہ صدیقی
زوجہ محمد احمر فراز
معاذ احمد خان
انجلا ساجد
دانیہ ساجد
سلیمہ خاتون
زوجہ داور حسین حمیدی
مسلمہ خاتون
زوجہ مولوی سلمان رضا
حسنہ خاتون
زوجہ محمد سرور شاہ
نسیمہ خاتون
زوجہ محمد آصف صدیقی
چھ بیٹے
چھ بیٹیاں
تین بیٹے
چار بیٹیاں
تین بیٹے
پانچ بیٹیاں
پانچ بیٹے

العباد ادا کرنے میں کبھی پیچھے نہیں رہتے۔ غیر ضروری معاملات میں کبھی مداخلت نہیں کرتے۔ دیکھتے اور سمجھتے سب ہیں بولتے کم ہیں۔ ان کی فرض شناسی کی ایک مثال خود ان کا سرکاری نوکری کا کارڈ ہے وہ نیشنلٹی آفیسر کی حیثیت سے سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہوئے اور آغاز ملازمت کمشنر سیکریٹریٹ سے کیا تھا چالیس سال سے زیادہ ملازمت مگر چالیس سال میں چالیس دن بھی چھٹی نہیں لی ان کی "کیجول لیو" ہمیشہ جوں کی توں رہتی تھیں۔ دفتر کے ساتھی ان کی فرض شناسی کا بڑا احترام کرتے تھے اس طویل مدت میں کبھی کوئی ایسی لغزش نہیں ہوئی جس پر باز پرس ہوئی ہو۔ سرخ روئی اور آبرومندی کے ساتھ ساتھیوں کو آبدیدہ کر کے دفتر سے رخصت ہوئے مگر گھر پر بیٹھ کر آرام کرنے کا سوال ہی نہیں حالانکہ عمر میں مجھ سے خاصے بڑے ہیں مگر اب بھی مجھ سے زیادہ فعال اور مستعد ہیں۔ ان کے ماشاء اللہ چھ بیٹے اور چھ بیٹیاں ہیں سب سائنس میں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں ایک بیٹی نے پی ایچ ڈی کیا ہے ایک کالج میں پروفیسر ہے۔ بڑا لڑکا انجینئر اور دوسرے بھی اعلیٰ اسناد کے حامل اور برسرکار ہیں۔ ویسے یہ حق تلفی ہوگی اگر میں اپنی بہن سلیمہ خاتون کو اس بات کا کریڈٹ نہ دوں کہ اولاد کی پرورش اور تعلیم کی تکمیل میں اس کی محنت اور توجہ کا بڑا دخل ہے جس کفایت شعاری اور سلیقے سے اس نے خانہ داری اور شوہر کی خدمت اور اولاد کی پرورش کی ہے کاش اس زمانے کی لڑکیوں پر بھی اس کا پرتو پڑ جائے۔

داور کی سب سے بڑی بیٹی شائستہ محمود ہے اس کا نام شائستہ میں نے ہی رکھا تھا اور اس کے اوپر نام کا بھرپور اثر ہوا۔ وہ کم عمری سے ہی بردبار اور سلیقہ مند ہے۔ ایس ایم سائنس کالج میں جو مشترکہ تعلیم کا ادارہ ہے ابتداء کے چند سال بڑے باوقار انداز میں تدریس کر چکی ہے اور اب ایک سرکاری گرلز کالج میں تدریس کے فرائض انجام دے رہی ہے۔ اس کی شادی بدایوں کے ایک معزز

خاندان میں محمود بخش صدیقی کے ساتھ ہوئی ہے اس کے دو لڑکے وقاص محمود اور عمید محمود ہیں تین لڑکیاں ہیں اصفیہ' عائشہ ردا اور وجیہہ شائستہ سے چھوٹا بیٹا آشکار داور ہے اس کا نام آشکار بھی میرا ہی تجویز کردہ ہے اور اس پر بھی نام کا اثر نمایاں ہے۔ اپنے دور طالب علمی سے ہی آشکار رہا ہے جب وہ ریڈیو پر بزم طلبہ کے پروگراموں میں حصہ لیتا تھا تو ریڈیو والے کہتے تھے کہ فائق صاحب آشکار تو براڈ کاسٹنگ میں بھی آپ کا بھانجا معلوم ہوتا ہے۔ لہجہ انداز تخاطب اور زبان لوگ کہتے تھے کہ مجھ سے مشابہت رکھتی تھی۔ اب ماشاء اللہ سول انجینئر ہے اور اپنے پیشے اور پیشہ ور ساتھیوں میں بھی آشکار ہے۔ اس کے تین لڑکیاں ہیں رمشا آشکار' ارم آشکار اور انوشہ آشکار۔ آشکار کی دلہن ایم ایس سی ہیں اور کراچی کے ایک کالج میں تدریسی خدمات انجام دے رہی ہیں۔ نام عائشہ آشکار ہے۔ تیسری بیٹی شہناز یہ نام بھی میری ہی تجویز ہے۔ مگر اس میں ناز سے زیادہ نیاز کا پہلو اجاگر ہے واقعی بڑی نیاز مند کم سخن اور باحوصلہ لڑکی ہے۔ زندگی کے دوسرے معاملات تو چھوڑیئے تعلیم کے میدان میں بھی ایسی کارکردگی کا مظاہرہ خاندان کی کسی دوسری لڑکی نے نہیں کیا۔ اتنی کم عمر میں نباتیات جیسے مضمون میں پی ایچ ڈی کرنا اور سورج مکھی کے بیج میں کینسر پیدا کرنے والے جرثومے تلاش کرنا اوسط درجہ کے ذہن کی بات نہیں۔ شائستہ کی طرح شہناز میں بھی یہ خوبی ہے کہ وہ اپنے فرائض منصبی کے ساتھ اولاد کی پرورش پر بھی خاص توجہ دے رہی ہے اس کے ایک بیٹا محمد شایان اور بیٹی ہمنہ انعم ہے۔

یہ تین داور حسین حمیدی کی صاحب اولاد اولاد تھی باقی اب زندگی کی دوسری منزل پر پہنچنے والے ہیں ان میں پانچ بیٹے تین بیٹیاں ہیں۔ ایک بیٹے کا نام غفار داور ہے۔ کامرس میں گریجویشن کے علاوہ ایل ایل بی بھی کیا ہے مگر پیشہ قانون نہیں انتظامی ہے۔ ٹیلی ویژن میں ایڈمنسٹریٹو آفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے

ہیں۔ اس سے چھوٹا بیٹا اسد داور انہوں نے بین الاقوامی تعلقات میں ماسٹر کی سند لی ہے اور ایک سرکاری شعبہ میں خدمات انجام دے رہے ہیں ان سے چھوٹا بیٹا آصف داور جس کا ایک گھریلو نام شعیب بھی ہے جس نے میتھمیٹکس میں ایم ایس سی کیا ہے۔ ان سے چھوٹا بیٹا عاطف داور ہے فزکس میں ایم ایس سی ہے سب سے چھوٹا بیٹا کاشف داور کمپیوٹر ٹریننگ کررہا ہے۔ بی ایس سی ہے۔ شہناز سے چھوٹی بیٹی بھی شہناز کی ہی طرح نباتیات میں پی ایچ ڈی ہے نام روبینہ داور ہے اس سے چھوٹی بیٹی شاذیہ داور نے تاریخ عام میں ماسٹر کی ڈگری لی ہے اس سے چھوٹی دو بیٹیاں فرناز داور اور افشین داور زیر تعلیم ہیں۔ فرناز بی اے کرچکی ہیں اور افشین داور نے ابھی انٹر کامرس کا امتحان پاس کیا ہے۔ میری دانست میں اتنی بہت سی آرٹس' سائنس اور کامرس کی تمام ڈگریاں ایک ہی شخصیت نے حاصل کی ہیں اور وہ ہے میری بہن سلیمہ داور اس وقت ماشاء اللہ داور حسین حمیدی کی تیسری نسل چل رہی ہے۔ وہ نانا بھی ہیں اور دادا بھی۔ داور حسین حمیدی کے والد اور والدہ کا انتقال ہوچکا ہے ان کے پانچ بھائی اور ایک بہن ہے۔ بہن کا نام سلمہ ہے داور سے چھوٹے بھائی انوار حسین حمیدی ہیں ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ بیٹے کا نام مجیب ظفر اور دوسرے کا نوید ظفر ہے۔ بیٹی بشرہ انوار ہے۔ ان سے چھوٹے بھائی مظفر تفرد کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان سے چھوٹے منظر حمیدی ہیں ان کے تین لڑکے اور ایک لڑکی ہے۔ لڑکوں کے نام احمر علی حمیدی' فہد علی حمیدی اور اشعر علی حمیدی ہیں۔ بیٹی کا نام فائزہ ہے ان سے چھوٹے بھائی سہیل حمیدی ہیں ان کے ایک بیٹا جنید سہیل ہے بیٹیاں حرا سہیل اور فاطمہ سہیل ہیں۔ یہ داور حسین حمیدی کے والد مرحوم کا پورا خاندان یا ان کی تین نسلیں ہیں۔ سب کراچی میں ہیں اور ماشاء اللہ خوش و خرم زندگی گزار رہے ہیں۔

میری دوسری چھوٹی بہن کا نام مسلمہ ہے۔ گھریلو نام یا ایک اور نام غیور فاطمہ

ہے۔ میری ددھیال والے اکثر غیور فاطمہ کے ہی نام سے اسے پکارتے ہیں۔ میں نے اس نام کے اعداد نکالے جو ۱۳۵۱ ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ نام تاریخی بھی نہیں ہوسکتا چونکہ اس کی پیدائش مجھے یاد ہے۔ وہ مجھ سے تقریباً ۴ سال چھوٹی ہے اور میرا تاریخی نام "مظفر اقبال" ہے جس کے اعداد ۱۳۵۴ ہوتے ہیں اس رو سے اس کا سنہ پیدائش ۱۳۵۸ بنتا ہے اس لئے ۱۳۵۱ اعداد والا نام تاریخی نہیں ہوسکتا۔ ویسے اس نام کی معنویت کا اس پر اثر گہرا ہے۔ واقعی "غیور" ہے اور صابر و شکر گزار بھی ہے۔ اس کی شادی کے بعد کا ابتدائی زمانہ کچھ ناہمواریوں کا زمانہ تھا کچھ اقتصادی مسائل بھی تھے یہ دور اس نے جس عزم و ہمت، صبر و شکر اور سلیقہ سے گزارا وہ واقعی قابل تعریف ہے۔ اب شکر کا زمانہ ہے بحمد اللہ زندگی کی ساری سہولتیں میسر ہیں اس کے اپنے کہنے کے مطابق یہ اس کا حق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ بے شک بندے کو ہر حال میں یہی کہنا چاہئے اس کی شادی میرے پھوپھی زاد بھائی مولوی سلمان رضا سے ہوئی ہے جن کا اپنا اور ان کے خاندان کا ذکر کئی بار ہوچکا ہے وہ اپنے زمانہ میں بڑے بانکے ترچھے نوجوان تھے۔ ہمیشہ اپنی عمر سے دس سال پیچھے دکھائی دیئے شاید اس کا راز جوانی میں ہاکی کھیلنا اور اب پیدل چلنا ہے۔ میں جب نیا نیا پاکستان آیا تھا اس زمانے میں مجھے خوب تفریح کرائی ہے بالکل اپنے حقیقی چھوٹے بھائی کی طرح بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ تقریبات اور محفلوں میں بڑی پابندی سے شرکت کرتے تھے۔ اعزاء و اقارب کے غمی اور خوشی میں ہر وقت شریک رہتے تھے بہت وسیع روابط کے آدمی ہیں مگر اب ان میں چڑھتے ہوئے دریا کے شور کے بجائے کچھ سمندر کا سا سکوت محسوس ہوتا ہے شاید زندگی سب کو آخری سبق یہی سکھاتی ہے۔ بہرحال بفضلہ انہوں نے زندگی کامیاب گزاری ہے اور اس وقت بھی اکل حلال میں محنت اور مشقت سے گریز نہیں کرتے۔ حال ہی میں عمرہ کی سعادت حاصل کرکے آئے ہیں۔ شاید اس سے اور زیادہ ٹھنڈک آگئی ہے۔ زیر نظر کتاب

کی تصنیف میں میرے بڑے مددگار رہے ہیں۔ ان ہی کی معرفت مجھے اپنے اسلاف کے شجرے دستیاب ہوئے ہیں ان کے ماشاء اللہ تین بیٹے اور چار بیٹیاں بڑی بیٹی شاہینہ ہے اس کا نام میں نے ہی رکھا تھا اس کی شادی طارق جمیل کے ساتھ ہوئی ہے جو اے جی سندھ کے دفتر میں ہونے کے سبب بہت سے سرکاری افسروں کی حاجت روائی کرتے رہتے ہیں۔ شاہینہ خود بھی درس و تدریس کے پیشہ سے وابستہ ہے ان کے ایک بیٹا کاشان طارق ہے اس سے چھوٹا اور بھائیوں میں سب سے بڑا بیٹا کامران رضا ہے اس نے جامعہ کراچی سے معاشیات میں ماسٹر کی ڈگری آنرز کی معرفت حاصل کی ہے اور اب حکومت سندھ کے کنٹریکٹ ملازم کی حیثیت سے گورنمنٹ کالج ناظم آباد میں تدریسی فرائض انجام دے رہا ہے۔ بی ایڈ ہونے کی بنیاد پر ابتدائی زمانے میں کالج سے پہلے اسکول میں بھی تدریس کی ہے۔ آغاز ملازمت سے ہی بورڈ کے امتحانی کاموں میں زیادہ دخیل ہے۔ اس سے چھوٹا بھائی برسرروزگار ہے اس کا نام فرحان ہے اور سب سے چھوٹا بیٹا عفان حصول ملازمت کے قریب ہے۔ دوسری بیٹی ثمینہ ہے اس کا نام بھی میں نے ہی رکھا تھا وہ بھی تدریس کے پیشہ سے وابستہ ہے۔ اس کی شادی جناب سعید الدین کے ساتھ ہوئی ہے جن کے والد محترم ذکی الدین صاحب جو بدایوں کے چھوٹے گھریلو نام رکھنے کی روایت کے مطابق "تلن" کہلاتے تھے بدایوں کی معروف ترین بلکہ محبوب ترین شخصیات میں تھے۔ وہاں شادی بیاہ کے موقع پر "خرمہ" تقسیم نہیں ہوتا تھا بلکہ سنت کے مطابق لٹایا جاتا تھا مگر لٹانے والوں سے لوٹنے والے جوان زیادہ مستعد ہوتے تھے۔ ان میں جناب ذکی الدین صاحب سب میں سبقت کرنے والے ہوتے تھے اور کیسی ہی محفل ہو پہلا ہاتھ ان ہی کا پڑتا تھا۔ مجھ سے بڑی شفقت سے ملتے تھے اس لئے کہ میرے بزرگوں سے ان کے قریبی مراسم اور روابط تھے ان میں خاص بات یہ تھی کہ ہر عمر کے لوگوں میں گھل مل جاتے تھے اور یہ اس لئے نہیں کہ

ہر شخص سے اس کے مزاج کے مطابق بات کرتے تھے بلکہ ہر شخص اور ہر وقت ان کے مزاج کی بات سننے کے لئے تیار رہتا تھا یہ ان کی پر کشش شخصیت کا خاصہ تھا ان کے بیٹے سعید الدین ثمینہ کے شوہر ہیں۔ ان کے دو بیٹے رضی الدین اور سمیر الدین ہیں ثمینہ سے چھوٹی بیٹی عظمیٰ ہے جو منی کہلاتی ہے جب منی کے بعد ایک اور منی پیدا ہوئی تو اسے گڑیا کہہ کر پکارا اس کا نام تزینہ ہے۔ غرض یہ کہ شاہینہ' ثمینہ' عظمیٰ اور تزینہ چاروں نام میرے تجویز کردہ ہیں۔ اللہ انہیں سلامت رکھے اور نیک نصیب کرے۔

مسلمہ کے بعد اس سے چھوٹی بہن حسنہ ہے اس کے نام کا سیرت و کردار پر نمایاں اثر ہے۔ انتہائی متحمل' بے ضرر' رفع شر' خاموش مزاج اور بڑی صبر و ضبط والی ہے۔ یہ خاموشی اور خوئے صبر حالات کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ افتاد طبع بچپن سے ہی ایسی ہے کم عمری کے زمانہ میں بالکل بچپن میں بھی اس کی یہ خصوصیات نمایاں تھیں بعد کی تعلیم و تربیت نے اور نمایاں کردیں۔ اسلامک اسٹڈیز میں ایم۔ اے کیا ہے اور جو اسلامی تعلیمات حاصل کی ہیں وہ صرف کتاب تک محدود نہیں رکھیں بلکہ عمل پر بھی نافذ کی ہیں۔ شادی کے چند ہی سال بعد حج کی سعادت نصیب ہوئی اس کے بھی مثبت اثرات نمایاں رہے نہ کسی سے شکوہ نہ شکایت اللہ پر بھروسہ اور تشکر اس کے مزاج میں داخل ہے۔ شادی بھی سادات کے خاندان میں ہوئی اس کے شوہر محمد سرور شاہ ویسے تو مقامی تھے لیکن ان کے آباؤ اجداد بخارا سے آئے تھے اور تحصیل ہری پور کے ایک قصبہ غازی میں رہائش پذیر رہے۔ سرور شاہ نے ابتداء پولیس کی ملازمت سے کی تھی اور پھر انسپکٹر پولیس کی حیثیت سے اس شعبہ کو خیرباد کہہ کر پی سی ایس آئی آر سے وابستہ ہوگئے تھے۔ میں نے اچھے خاصہ سینئر پولیس افسران کو ان کے سامنے مودب اور محتاط دیکھا ہے شروع میں پولیس کے ملازمت کے تقاضے پورے کئے ہوں گے مگر آخر میں انتہائی مذہبی اور پابند صلوٰۃ و صوم تھے۔

ان کی آرزو تھی کہ ان کی اولاد میں کوئی حافظ قرآن ہو ان کی اس آرزو کو ان کے چھوٹے بیٹے فہد نے تکمیل تک پہنچایا۔ ان کے انتقال نے حسنہ کے مزاج پر گہرا اثر کیا یعنی غم زبان پر نہیں آیا تحمل میں ڈھل گیا۔ اس کے تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں ہیں ایک بیٹا اور بیٹی غیر شادی شدہ ہیں باقی سب کے گھر آباد ہو چکے ہیں۔ بڑا بیٹا محمد اطہر شاہ ہے جس کا گھریلو نام احسن ہے وہ پاکستان آرمی میں میجر کے عہدے پر فائز ہے۔ اس میں بھی اپنی والدہ کی بہت سی خصوصیات موجود ہیں۔ ایک خاموش اور محنتی سپاہی ہے۔ اس کی شادی مانسہرہ کے ایک مقامی خاندان میں ہوئی ہے۔ اس کی بیوی بین الاقوامی پروازوں کی فضائی میزبان ہے جس کے بطن سے ایک بیٹی اور ایک بیٹا ہے۔ بیٹی کا نام عیشا اور بیٹے کا رامس ہے۔ اطہر شاہ سے چھوٹا بھائی محمد مظہر شاہ ہے جس کا گھریلو نام مستحسن ہے۔ اس کی شخصیت میں خود اعتمادی کا عنصر بہت نمایاں ہے۔ کسی کمپنی میں برسرکار ہے۔ خوش قسمتی سے بیوی بہت نیک طبع ملی ہے جس کے بطن سے بیٹی "ارمہ" ہے۔ سب سے چھوٹا بھائی جس کا نام محمد احمد شاہ ہے گھر میں فہد کہلاتا ہے اس نے دوہرے نام کا جھگڑا ختم کرنے کے لئے اپنا پورا نام محمد احمد شاہ فہد رکھا ہے۔ انتہائی خوش مزاج اور محنتی لڑکا ہے نو عمر ہے۔ کمپیوٹر کی ٹریننگ حاصل کر رہا ہے۔ حافظ قرآن ہے۔ اپنے محلہ میں رمضان شریف میں تراویح پڑھاتا ہے اور اگر فرصت کے کچھ لمحات مل جائیں تو اسی کمپاؤنڈ میں کرکٹ بھی کھیلتا ہے۔ قرآن کریم کی برکات "بردباری اور تحمل اور خوش مزاجی" کے ساتھ عمر کے تقاضے بھی صاف نظر آتے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی بیٹی صالحہ خاتون ہے اس کا نام بھی میں نے رکھا تھا مجھے اپنے پردادا کا نام صالح بہت پسند تھا اسی سے مشتق صالحہ اس کا نام ہے۔ صالحہ نے بوٹنی میں ایم فل کیا ہے اس کے شوہر محمد خالد یوسف بٹ کشمیری ہیں ان کے ساتھ ابتدائی عرصہ صالحہ نے مدینہ منورہ میں گزارا مگر اب وہ جدہ میں قیام پذیر ہیں مزاج کے سادہ اور سوجھ بوجھ والے آدمی ہیں۔ ان کے ایک

بیٹا محمد شہروز بابر ہے۔ دوسری بیٹی قدسیہ ہے اس کی شادی خالد پرویز کے ساتھ ہوئی ہے۔ یہ پی ایس او میں افسر ہیں۔ ان کے بیٹا محمد عمر خالد ہے۔ قدسیہ نے کیمسٹری میں ایم ایس سی کیا ہے اور اس وقت ڈی ایچ اے کالج میں کیمسٹری کی لیکچرار ہے دونوں ماشاء اللہ خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں اس سے چھوٹی تین بہنیں اور ہیں۔ سعدیہ' رافعہ اور عارفہ۔ رافعہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی شادی بہت کم عمری میں یعنی آغاز نوجوانی میں ہی ہو گئی۔ اپنے سب بہن بھائیوں سے پہلے ہوئی ان کے شوہر کا نام محمد سلمان ہے۔ یہ طبعاً" نہایت ملنسار اور سادہ مزاج اپنا بننے والے اور اپنا بنانے والے آدمی ہیں ان کے دو بیٹیاں علینہ اور علیزہ ہیں۔ سب سے چھوٹی بیٹی عارفہ ہے جو ایک اسکول میں تدریسی فرائض انجام دے رہی ہے نکاح ہو چکا ہے شوہر محمد عرفان ریاض میں بسلسلہ ملازمت رہائش پذیر "حصول اقامہ" کی کارروائی جاری ہے جس کی تکمیل پر عارفہ کی رخصتی ہو جائے گی۔ بیٹے فہد اور بیٹی سعدیہ ابھی غیر شادی شدہ ہیں جو حسنہ کے ساتھ کراچی میں مقیم ہیں۔

حسنہ سے چھوٹی میری چوتھی بہن کا نام فہیمہ خاتون ہے اس میں میری تین خصوصیات موجود ہیں۔ اول یہ کہ اونچا سنتی ہے دوم یہ کہ بلڈ پریشر کی مریضہ ہے اور تیسری بات یہ کہ میری طرح کرائے کے مکان میں رہتی ہے۔ سب سے چھوٹی ہونے کے سبب فرمانبرداری بہت آگئی ہے مجھ سے بہت مانوس ہے۔ انتہائی نامساعد حالات میں زندگی گزاری ہے اور انتہائی صبر و ضبط سے کام لیا ہے نامساعد حالات سے مراد اقتصادی ناہمواری ہے ورنہ زوجین کے باہم تعلقات بہت اچھے ہیں۔ ماشاء اللہ پانچ بیٹے ہیں۔ ہر طرح سے اور ہر زاویئے سے مطمئن اولاد انتہائی فرمانبردار ہے۔ شوہر خوش مزاج ہے خود بڑوں کا پورا احترام کرتی ہے۔ بہنوں میں یہ حسنہ سے اور حسنہ اس سے بہت زیادہ قریب ہیں۔ دونوں چھوٹے بھائی اس کا بہت احترام کرتے ہیں۔ خود ہنس مکھ ہے مشکل وقت اس طرح گزارا ہے کہ کبھی حرف شکایت زبان پر

نہ آیا۔ اب حالات نے پلٹا لیا ہے بیٹا برسر روزگار ہوگیا ہے۔ تمام ضروریات زندگی میسر آگئی ہیں۔ قدرت حال سے ماضی کا ازالہ کررہی ہے اور حالات بتارہے ہیں کہ بہتری روز افزوں رہے گی۔ دوسرا بیٹا بھی ملازم ہوگیا ہے۔ شوہر پہلے سے برسر روزگار ہیں۔ شوہر کا نام محمد آصف صدیقی ہے۔ بدایوں کے ایک معزز و معروف گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ سرزمین پاکستان پر قدم رکھنے کے بعد جس پہلے خاندان سے رابطہ ہوا تھا وہ ان ہی کا خاندان تھا۔ محمد آصف صدیقی کے والد بزرگوار شاہد حسین صدیقی پاکستان ریلوے میں گارڈ تھے اور میرپور خاص میں پوسٹنگ ہونے کے سبب وہاں کے اسٹاف کوارٹر میں مقیم تھے۔ ہم جب کھوکھراپار سے میرپور خاص کے اسٹیشن پر پہنچے تو انہوں نے سب سے پہلے پذیرائی کی تھی۔ شاید ایک رات اور ایک دن ان کے گھر ہی گزارا تھا ان کی اس وقت کی میزبانی ہمیشہ یاد رہے گی۔ شاہد حسین صدیقی کے والد یعنی آصف کے دادا کا نام زاہد حسین صدیقی تھا ان کے چھ بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں ایک شاہد حسین صدیقی دوسرے مشاہد حسین صدیقی تیسرے قاسم حسین صدیقی چوتھے معنبو حسین صدیقی پانچویں قیصر حسین صدیقی اور چھٹے جعفر حسین صدیقی ان کے علاوہ دو بیٹیاں یعنی آصف کی دو پھپھیاں تھیں۔ شاہد حسین کے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی ہوئی یعنی آصف کے چار بھائی اور ایک بہن چاروں بھائیوں کے نام ذاکر حسین صدیقی اظہر حسین صدیقی واصف حسین صدیقی اور عارف حسین صدیقی ہیں۔ بہن کا نام شاہدہ پروین تھا جو اب شاہدہ شیخ ہیں اور امریکہ میں سکونت پذیر ہیں۔ ذاکر حسین کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے۔ اظہر حسین صدیقی کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں ان کا گھریلو نام سلیم ہے اور دہلی کالج کے پرنسپل ہیں۔ ابتداء میں اندرون سندھ لیکچرار رہے کالجوں کے قومی تحویل میں جانے کے بعد کراچی تبادلہ ہوا اور دہلی کالج میں پوسٹنگ ہوئی اب وہیں پرنسپل ہیں۔ ان سے چھوٹے بھائی واصف حسین صاحب ہیں ان کے ایک بیٹا اور

تین بیٹیاں ہیں سب سے چھوٹے عارف حسین صدیقی ہیں ان کے تین بیٹے تین بیٹیاں ہیں۔ محمد آصف صدیقی کے پانچ بیٹے ہیں بڑا بیٹا محمد عدیل ہے جو بسلسلہ ملازمت اس وقت اسلام آباد میں ہے اس سے چھوٹے چاروں کراچی میں ہیں ایک محمد نوید آصف جو ابھی ملازمت کے تازہ گرفتار ہیں دوسرے محمد علی آصف محمد دانش آصف اور محمد تابش آصف زیر تعلیم ہیں آنکھ بند کرتے وقت گزرتا ہے۔ کل انشاء اللہ پانچوں برسرکار ہوں گے تو فہیمہ کے ماضی کا خوب ازالہ ہوگا۔ ویسے بحمد اللہ اس وقت بھی یہ خاندان ایک مطمئن اور شکرگزار خاندان ہے۔

فہیمہ سے چھوٹے دو بھائی محمد شائق اور محمد اشفاق ہیں۔ شائق نام میرے والد مرحوم نے رکھا تھا مگر میری والدہ نے گھریلو نام محمود رکھا تھا میں والدہ کی زندگی میں اسے محمود کہتا رہا اب شائق کہتا ہوں۔ شائق کی پیدائش بدایوں میں ہی ہوئی۔ ۵۰ء یا ۵۱ء کی پیدائش ہے۔ اغلب یہ ہے کہ سنہ پیدائش ۵۰ عیسوی ہے۔ یہ مجھ سے پندرہ سال چھوٹا ہے جب ہم پاکستان آئے تو اس نے صحرائی سفر میرے والد مرحوم کی گود میں طے کیا تھا اس وقت اس نے پیدل چلنا شروع کردیا تھا۔ عمر ڈیڑھ دو سال تھی اور میں پاکستان آتے ہی بوجہ حالات کچھ زیادہ ہی ذمہ دار ہوگیا تھا اگر عملاً" نہیں تو احساس کی حد تک ایسا ضرور تھا۔ ویسے میں نے میٹرک کرنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ٹیوشن پڑھانی شروع کردی تھی اور پڑھانے کا شوق مجھے بچپن سے ہی تھا اپنے عمہ زاد بہن بھائیوں کے ساتھ کھیل میں بھی اسکول قائم کرکے ماسٹر بنتا تھا یا پھر والد صاحب کے پاس ایک فرسٹ ایڈ بکس تھا اس پر قبضہ کرکے ڈاکٹر بنتا تھا اللہ تعالیٰ نے عملی زندگی میں دونوں شوق پورے کردیئے غرض یہ کہ بچپن سے ہی مزاج میں کھلنڈرا پن نہیں تھا اور یہ بات آخر تک رہی۔ ۵۴ء میں جب لالوکھیت میں رہائش اختیار کی تو میرے حلقہ نشست میں مولانا سید محمد سہیل، حکیم نظام القادری، مولانا اختر دہلوی، حضرت قیس رامپوری، جناب مختار سہارنپوری، صوفی

ثناء اللہ' حضرت مہر پیلی بھیتی اور چوہدری صدیق جیسے بزرگ شامل تھے یہ سب میرے والد کے ہم عصر تھے۔ انہیں دیکھ کر میرے ماموں مرحوم امیر حسنین جلیسی کہتے تھے کہ فائق نانا دادا کے ہم نشینوں سے دوستی کرتا ہے۔ ان بزرگوں کی صحبت نے بھی نوجوانی کے بہت سے تقاضوں کو کنٹرول کیا تھا غرض یہ کہ عمر میں شائق سے پندرہ سال بڑا ہونے کے باوجود احساس میں اس سے بہت زیادہ بزرگ تھا۔ شاید یہ کہنا بے جا نہ ہو کہ شائق کے ساتھ میرا رویہ بڑے بھائی والا نہیں بلکہ باپ والا تھا اور علیٰ ھٰذہ شائق کا رویہ بھی میرے ساتھ آج تک بیٹوں والا ہے فرق یہ ہے کہ میں نے باپ بن کر اقتصادی ذمہ داریاں بھی پوری کیں مگر اسے بیٹا بن کر اقتصادی بوجھ اٹھانے سے آزاد کردیا۔ شاید یہ ۵۵ء کی بات ہے کہ میں نے انجمن اسلامیہ سیکنڈری اسکول کے پرائمری سیکشن میں اس کا داخلہ کرایا تھا ابتدائی چند جماعتیں پاس کرنے کے بعد وہ ملیر کے گورنمنٹ اسکول میں داخل ہوا وجہ یہ تھی کہ ۵۸ء میں ہم لوگ ملیر منتقل ہوگئے تھے وہاں میں نے ڈاکٹر شفقت لکھنوی کے ساتھ مل کر ایک بزم "دارالادب" کے نام سے قائم کی اس کے زیر اہتمام بہت سے اجتماعات منعقد ہوئے ان میں ایک اجتماع "یوم اہلبیت" کا بھی منعقد ہوا اس میں بین المدارس مقابلہ تقریر بھی ہوا اس کے لئے میں نے ایک تقریر لکھ کر شائق کو یاد کرائی اور کافی محنت سے تقریر کی مشق کروائی حافظہ ہم سب بھائیوں کا اچھا ہے اس نے تقریر بہت جلد یاد کرلی ساتھ ہی الفاظ کے زیروبم لہجہ تلفظ اور اسٹائل کی بھی خوب مشق کرائی اس کی عمر اس وقت آٹھ سال تھی یعنی نروس ہونے کا بھی شعور نہیں تھا۔ انجام یہ ہوا کہ اس نے بڑی عمدگی کے ساتھ تقریر کی مجمع سے خوب داد لی اور انعام بھی حاصل کیا۔ اس جلسہ کی صدارت اس وقت اخبار نئی روشنی کے ایڈیٹر جناب عبدالحمید شملوی نے کی تھی دیگر اخباروں میں بھی اس کی خبریں چھپیں مگر نئی روشنی نے شائق کی تصویر بھی چھاپی اور تقریر بھی ساتھ ہی تعارف بھی اور تعریف بھی۔

اس بچپن کی ہمت افزائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ شائق باقاعدہ مقرر ہو گئے۔ مقابلوں اور مباحثوں میں اسکول سے جو انعامات حاصل کرنے شروع کئے کالج اور جامعہ تک یہ سلسلہ جاری رہا بلکہ ایل ایل بی کے طالب علم کی حیثیت سے اس نے شاید اس سال کی تمام ٹرافیاں جیت کر اردو کالج کو دلوائیں اور الماری بھر کے کپ حاصل کئے۔ اس اعلیٰ کارکردگی پر اسے کالج سے بہت سی مراعات اور خصوصی انعامات بھی ملے۔ غرض یہ کہ وہ کراچی کے بہترین طلبہ مقررین میں شامل ہو گیا اور اس کی اس کارکردگی کی وجہ سے مقررین حلقہ میں ایک نئی اصطلاح "فائق برادران" استعمال ہونے لگی اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا "لہجہ اسٹائل اور پٹ اپ" بالکل میرا ہی جیسا تھا۔ دوسرے تو کجا کبھی کبھی مجھے بھی دھوکا ہونے لگتا تھا۔ غرض یہ کہ شائق نے اردو کالج سے بی ایس سی اور ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا اور اپنے پس منظر میں یہ شہرت لئے ہوئے جب جامعہ پہنچا تو وہاں بھی اعلیٰ ترین پذیرائی اعلیٰ ترین کارکردگی کا موجب ہوئی اور ایم ایس سی معاشیات بدرجہ اول کامیابی حاصل کر کے ملازمت کی تلاش شروع کی۔ ابتداء بلوچستان یونیورسٹی میں بحیثیت لیکچرار تدریس کی پھر بیرون ملک جانے سے پہلے "انجم ابرار" سے شادی ہوئی یہ بھی اسی دور کی مقرر اور شائق کے مداحوں میں تھیں ان کے متعلق تفصیلات آئندہ سطور میں تحریر کروں گا۔ شائق نے سعودی عرب میں ملازمت کے دوران تجارتی تنظیم خاص کر لوجسٹکس میں خصوصی مہارت حاصل کر کے خود کو اس اجنبی حلقہ میں تسلیم کروالیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوبئی کے ایک بڑے تاجر نے "منہ مانگے داموں" خدمات حاصل کر کے شائق کو دبئی بلوالیا۔ اس وقت وہ اپنی بیوی اور دو بچوں کے ساتھ وہیں مقیم ہیں۔ ان کے بڑے بیٹے کا نام عزیر ہے اور چھوٹے کا نام اسید ہے۔ بہ لحاظ جسامت دونوں ماشاء اللہ مجھ سے اور شائق سے نکلتے ہوئے ہیں۔ ایک لمبائی میں اور دوسرا چوڑائی میں میری دعا ہے کہ یہ زندگی کے ہر شعبہ میں ہم سے آگے رہیں۔ شائق کی

بیوی جو اب انجم شائق کے نام سے پہچانی جاتی ہیں کبھی کراچی کے مباحثوں کی مقرر انجم ابرار کے نام سے مشہور تھیں ابرار ان کے والد بزرگوار کا نام ہے ان کے خاندان کا اور ان کی اپنی ذات کا تعارف کرانے سے پہلے انجم شائق سے متعلق یہ عرض کردوں کہ یہ خاصی بھاری بھرکم شخصیت ہیں۔ شادی کے فوراً بعد "نازوادا" کو بھول کر ایک خاتون خانہ کی حیثیت سے جو رخ بدلا ہے وہ قابل تعریف ہے۔ بڑوں کو بڑا اور چھوٹوں کو چھوٹا سمجھتی ہیں۔ یہ میرے زمانے میں اردو کالج میں ہی تدریس بھی کرچکی ہیں۔ تاریخ میں ماسٹر کی ڈگری لی ہے۔ ایم ایڈ بھی کیا ہے اچھی اور باوقار استاد بھی ہیں۔ اب اچھی ماں اور اچھی بیوی ہیں۔ ان کے والد کا نام ابرار الحسن بھی ہے اور محمد ابرار بھی۔ ان کا تعلق بلگرام کے ایک مشہور و معروف زیدی خاندان سے ہے یعنی سید ہیں اور ایک طویل عرصہ سیاست میں رہنے کے باوجود سیاست کے خدوخال اخلاق و کردار میں موجود نہیں۔ یہ ہجرت کرکے تشکیل پاکستان کے ساتھ ہی کراچی آگئے تھے غالباً" ایک ماہ بعد ہی ستمبر میں یہاں آنے کے بعد ایک سیاسی پارٹی آزاد پارٹی کے نام سے بنی تھی اس کے سرگرم کارکن رہے اس سے کچھ پہلے یا بعد عوامی لیگ سے بھی متعلق رہے پھر نیشنل عوامی پارٹی میں شرکت کی۔ پی آئی بی کالونی سے ملحق ایک مہاجر بستی میں جس کا نام لیاقت بستی تھا بی ڈی کے چیئرمین رہے پھر لانڈھی کورنگی منتقل ہونے کے بعد وہاں بھی چیئرمین رہے پھر پیپلزپارٹی میں شرکت کی مگر کچھ اختلافات ہونے کے سبب اسے بھی ترک کردیا اور معراج محمد خان کے ساتھ قومی محاذ آزادی میں سرگرم عمل ہوگئے۔ ان کی شادی آگرہ کے ایک خاندان میں ہوئی تھی۔ ان کی بڑی بیٹی انجم شائق ہیں ان سے چھوٹے بیٹے سہیل ابرار ہیں۔ ایم اے کے علاوہ ایل ایل بی بھی کیا ہوا ہے مگر وکالت کے پیشہ سے وابستہ نہیں ہیں ہاں سیاست میں ضرور دخیل ہیں۔ ان سے چھوٹی بیٹی کا نام ناہید ابرار ہے۔ دو مضامین یعنی سوشل ورک اور سیاسیات میں ایم

اے کیا ہے۔ بی ایڈ بھی ہیں اور اردو کالج میں تدریسی خدمات انجام دے رہی ہیں۔ انجمن اساتذہ کی سرگرم کارکن اور ایک فعال استاد ہیں۔ یہاں آکر شائق اور ان کے بیوی بچوں کی بات مکمل ہوجاتی ہے نیز نئی قرابت کی تفصیلات بھی واضح ہوتی ہیں اس نئی قرابت کے نتیجہ میں عزیر اور اسید ایک جانب سے زیدی سید اور دوسری جانب سے صدیقی بلکہ خرسوار قرار پاتے ہیں۔

ہم سب بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے بھائی کا نام محمد اشفاق ہے۔ سب سے چھوٹا ہونے کے ساتھ اس میں دوسرے بہن بھائیوں کے مقابلے میں ایک امتیاز ہے اور وہ یہ کہ باقی سب تو ہندوستان سے آئے ہوئے ہیں اور بوجہ ہجرت پاکستانی ہیں مگر اشفاق پیدائشی پاکستانی ہے اس کی پیدائش کراچی میں ۵۳ء میں ہوئی۔ سب سے چھوٹا ہونے کے بعض فوائد بھی ہیں اور بعض پہلو ایسے بھی ہیں جن کی وجہ سے کہا گیا ہے کہ "برادر خورد مباش" اس ضرب المثل پر وہ لطیفہ نما واقعہ یاد آیا کہ ایک مرتبہ پطرس بخاری نے اپنے چھوٹے بھائی ذوالفقار علی بخاری سے بڑے بھائی ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پے در پے دو چار مسلسل کام لئے چھوٹے بخاری صاحب نے تعمیل تو کی مگر چہرے سے کچھ ناگواری کے تاثرات ظاہر ہوئے۔ پطرس بخاری نے ان اثرات کو زائل کرنے کے لئے زیڈ اے بخاری سے مخاطب ہوکر پوچھا کہ "ذوالفقار وہ سگ باش والا کیا محاورہ ہے" چھوٹے بخاری صاحب ویسے ہی تپے ہوئے تھے سوال نے اس تپش کو مزید تیز کردیا انہوں نے فوراً" جواب دیا "سگ باش برادر سگ مباش" کم و بیش تمام ہی مہذب خاندانوں میں چھوٹی اولاد کو چھوٹا ہونے کی بنیاد پر کچھ خسارے برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ بالخصوص چھوٹے لڑکے کو اس کا مجھے کوئی ذاتی تجربہ نہیں مجھے تو سب سے بڑا ہونے میں بھی کچھ منفی پہلو نظر آئے ہیں۔ ہوسکتا ہے اس کا تعلق ترتیب ولادت سے نہ ہو اپنے مزاج کی بات ہو مگر یہ ضرور ہے کہ خاص کر کثیرالاولاد والدین اپنے چھوٹے بیٹے یا بیٹی پر اتنی

توجہ نہیں دے سکتے جو بیٹوں کو ملتی ہے۔ بہر حال وجہ کچھ بھی ہو اشفاق کو بھی چھوٹا ہونے کے کچھ خسارے بھگتنے پڑے ہیں۔ شاید میں بھی اس کے ساتھ اتنا نہ کرسکا جو شائق کے ساتھ کیا ہے اس کی جزوی وجہ میرا بیوی بچوں میں منہمک ہوجانا بھی ہے۔ برخلاف اس کے اشفاق نے صرف میرے ساتھ ہی نہیں بلکہ شائق کے ساتھ بھی چھوٹا بھائی ہو کر بیٹے والا رویہ اختیار کیا اور بیٹا بھی نیاز مند مجھے خوب یاد ہے کہ اشفاق جب پہلے پہل اسسٹنٹ جیولوجسٹ کی حیثیت سے سرحد کے شعبہ ارضیات میں ملازم ہوا اور ایبٹ آباد میں اس کی پوسٹنگ ہوئی تو اس نے اپنی پوری کی پوری تنخواہ میرے نام منی آرڈر یا چیک کی شکل میں ارسال کی تھی اور ساتھ ہی اپنے آئندہ مہینے کے اخراجات کا ایک تخمینہ بھی ارسال کیا تھا۔ چودھویں صدی ہجری کے اکثر بیٹے بھی ایسا نہیں کرتے۔ یہ الگ بات کہ اشفاق پر یہ مرتبات میرے کس رویہ کا نتیجہ تھے۔ بہر حال میں نے کسی تاثر کا اظہار کئے بغیر آئندہ ماہ کا انتظار کیا کہ دیکھوں یہ رویہ مستقل ہے یا صرف پہلی تنخواہ ملنے کی خوشی میں اسی کی حد تک ہے۔ دوسرے مہینہ پھر اس نے مجھے پوری تنخواہ بھیج دی پھر میں نے اس کے عمل پر اپنی انتہائی خوشی کا اظہار کرکے اسے تاکید کی وہ آئندہ ایسا نہ کرے اپنے پیسے اپنے پاس ہی رکھے۔ البتہ شائق جو اپنی تعلیم کی تکمیل کے آخری مراحل میں تھے اور ان کا اپنا کوئی ذریعہ آمدنی نہ تھا ان کے لئے میں نے اشفاق کو لکھا کہ وہ کچھ پیسے باقاعدگی سے ہر ماہ ان کی ضروریات پوری ہونے کے لائق انہیں بھیجتا رہے۔ اشفاق نے پوری مستقل مزاجی سے اس پر عمل کیا اور جب تک وہ ملازمت چلتی رہی یہ عمل جاری رکھا۔ اس کے نتیجہ میں شائق نے اور میں نے اس کے ساتھ کیا کیا یہ سب باتیں بیان کرنی ضروری نہیں ہیں بہر حال کچھ دن بعد اشفاق کو یہ ملازمت ترک کرکے اپنا ایم ایس سی جیالوجی مکمل کرنے کے لئے کراچی واپس آنا پڑا۔ اشفاق نے بھی اپنے دور طالب علمی میں شعرو ادب اور تقریر و تحریر کے میدان میں میرے اور شائق کے

قائم کئے ہوئے نقوش کو دھندلانے نہیں دیا بلکہ طلبہ پروگراموں سے ہٹ کر شہر کی بڑی عام تقریبات کے پروگراموں کی کمپیئرنگ بھی بڑے زور شور سے کی۔ انعامات اور ٹرافیاں بھی لیں اردو کالج سے ارضیات کے ساتھ بی ایس سی کر کے جامعہ کراچی سے ایم ایس سی بھی تقریباً" مکمل کرلیا مگر سند کی راہ میں اس کے دور طالب علمی کی سیاست حائل رہی۔ میں تو اپنے زمانے میں طلبہ کی سیاست سے بہت دور رہا تھا۔ شائق قدرے قریب رہے تھے مگر اشفاق نے اس میں بھرپور حصہ لیا اس کے فوائد تو وقتی شہرت و تکریم کے سوا کیا ہوتے ہیں البتہ نقصانات کبھی کبھی بہت زیادہ ہو جاتے ہیں۔ یہی اشفاق کے ساتھ ہوا کہ طلبہ سیاست کے علاوہ کچھ "استاد طالب علم" کے رشتوں میں بھی تناؤ آگیا اور اسی سیاست کے نتیجہ میں ایک استاد نے یہ عہد کرلیا کہ وہ اشفاق کو ایم ایس سی کی سند کسی قیمت پر نہیں ملنے دیں گے۔ ظاہر ہے کہ سمسٹر سسٹم میں کسی استاد کا ایسا فیصلہ بہت اہم ہوتا ہے چنانچہ اشفاق ان استاد کے پرچہ کے علاوہ تمام امتحانات پاس کر کے ایم ایس سی کی سند حاصل نہیں کر سکے۔ میں ان استاد پر سخت دباؤ ڈلوا سکتا تھا مگر میں نے ایسا نہیں کیا اس لئے کہ پھر مجھ میں اور ان استاد میں کیا فرق رہتا۔ غرض یہ کہ اشفاق نے پھر کراچی میں سخت دن گزارے کچھ چھوٹا موٹا کاروبار کرتے رہے۔ بالاخر اپنے ہی مراسم سے قبرص میں ایک ملازمت حاصل کی کچھ دن بعد وہ بھی ختم ہوگئی۔ بالاخر شائق کی وساطت سے انہیں سعودی عرب میں ایک مستقل سی ملازمت مل گئی جس کی بنیاد پر وہ اس وقت اپنے بیوی بچوں کے ساتھ جدہ میں مقیم ہیں۔ جہاں تک شادی کا تعلق ہے تو ہم تینوں بھائیوں کی شادیاں ایک طور پر "کوکیریکولر ایکٹیوٹی یعنی ہم نصابی سرگرمی کی حیثیت سے ہوئی ہیں۔ میں اس مبہم سے جملہ کی وضاحت سے پہلو تہی کرتے ہوئے عرض کروں کہ اشفاق کی بیگم غزالہ اشفاق ماشاء اللہ ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں اور عہد طالب علمی میں ایک فعال طالبہ رہی ہیں۔ وہ "گائنی اور پیڈس" کے شعبہ میں خاص

مہارت رکھتی ہیں۔ ان کے والد نگینہ کے اور والدہ بجنور کی رہنے والی تھیں۔ ۱۹۴۷ء میں تشکیل پاکستان کے فوراً بعد ہجرت کر کے یہاں آگئے تھے ان کے والد صاحب شعر و ادب سے گہرا شغف رکھتے تھے شعر کے معاملے میں کافی صاحب بصیرت تھے۔ زبان کی نزاکتوں اور شعر گوئی کی دقتوں کا پورا ادراک اس لئے رکھتے تھے کہ خود ایک معروف شاعر تھے نام سید محمد ایوب علی تھا تخلص کوکب اور شعری نسبت شادانی تھی۔ عندلیب شادانی کے استاد بھائی تھے کراچی کے شعری حلقوں میں بلکہ پورے پاک و ہند میں کوکب شادانی کوئی اجنبی نام نہیں ہے۔ انہوں نے تین شادیاں کی تھیں زوجہ اول سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے۔ بیٹے کا نام سید اویس زیدی ہے اور بیٹی کا نام ثریا ہے۔ زوجہ ثانی سے کوئی اولاد نہیں۔ تیسری بیوی غزالہ کی والدہ ہیں۔ ان کے بطن سے چار بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں بڑے بیٹے سید قمر رضا زیدی بسلسلہ کسب معاش دبئی میں ہیں ان سے چھوٹے بیٹے جنھوں نے مجھے معلومات فراہم کی ہیں سید فرخ رضا زیدی ہیں ان کا کاروبار کاروں کا کام ہے یعنی ہر دو معنی میں "برسرکار" ہیں دو بھائیوں سے چھوٹی اور سب بہنوں میں بڑی ڈاکٹر غزالہ اشفاق ہیں۔ ان سے چھوٹے بھائی سید سہیل رضا زیدی ہیں۔ یہ پاکستان اسٹیل مل کے ملازم ہیں۔ ان سے چھوٹے بھائی سید شاداب رضا اس وقت بی کام کے طالب علم ہیں اور سب سے چھوٹی بیٹی رعنا سید بھی طالبہ ہیں۔ یہ محمد اشفاق کی سسرال کا مختصر سا تعارف ہے خود اشفاق کے دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔ بیٹے کا نام شاہ رخ ہے اور بڑی بیٹی قرۃ العین ہے چھوٹی بیٹی کا نام شانزل ہے۔ تینوں اپنے والد اور والدہ کے ساتھ جدہ میں مقیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو ہر طرح کی کامیابیاں عطا کرے۔ آمین۔

یہ تھا میرے والد کی اولاد اور ان کی قرابتوں کا تذکرہ اس باب میں میں نے اپنی اور اپنی اولاد اور اس کی قرابتیں اس لئے بیان نہیں کی ہیں کہ وہ مل کر اس

باب کی طوالت بہت زیادہ ہو جاتی۔ اس کے لئے میں نے علیحدہ باب مختص کیا ہے جسے عنوان دیا ہے "کراچی میں میری اولاد اور قرابتیں" اس میں اپنی اولاد کے ذکر کے بعد نئی قرابتیں اور ان کے نانا' نانی اور خالہ ماموں کے علاوہ تھوڑا سا خاندانی پس منظر بھی بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد آخری باب میں کچھ اپنے بارے میں بھی لکھا ہے خدا کرے یہ خودبینی نہ ہو۔

چوتھا باب

کراچی میں میری اولاد اور قرابتیں

میری شادی کراچی میں ۱۲ نومبر ۱۹۶۶ء کو ہوئی تھی اور شادی کی تاریخ حضرت جام نوائی بدایونی نے یوں نکالی تھی

کہوا ے جام اعداد محمد درمیاں رکھ کر

۱۹۶۶ = ۹۳۷+۹۲+۹۳۷

"مبارک خانہ آبادی مبارک خانہ آبادی"

میری بیوی کا نام شادی سے پہلے ثمینہ کوثر تھا شادی کے بعد ثمینہ فائق لکھا جانے لگا۔ ثمینہ فائق کے اعداد ۷۸۶ ہوتے ہیں جو بسم اللہ شریف کے اعداد ہیں اس طرح تاریخ شادی کی تبریک میں تکرار کے درمیان نام محمدؐ کے اعداد اور میاں بیوی کے نام مل کر بسم اللہ کے اعداد بابرکت آغاز کی علامتیں تھیں جو بحمد اللہ درست ثابت ہوئیں۔ شادی کے کچھ دن بعد حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر لاہور جاکر حاضری دی۔ شادی کے بعد طرفین کے دل میں بیٹے کی آرزو ہونا ایک فطری بات ہے۔ داتا گنج بخش کے مزار اقدس پر جہاں خلق خدا دعائیں کرتی اور منتیں مانتی ہے اسی جذبہ یا خواہش کا وفور تھا۔ ایک جانب مردانہ حصہ میں میں فاتحہ خوانی کر رہا تھا اور نہ جانے کیا کیا دعائیں دل میں امنڈ رہی تھیں ادھر خواتین والے حصہ میں میری بیوی کا بھی یہی عالم تھا۔ یعنی ایک بزرگ کامل کا مزار اور وسیلہ درمیان میں

اور دونوں طرف سے ایک جیسی دعائیں۔ انہماک کا یہ عالم تھا کہ ادھر ادھر کی کچھ خبر نہ تھی۔ آنکھیں بند سر جھکا ہوا یقین کرم لئے محو التجا کھڑے تھے۔ اچانک میری گردن پر کچھ نمی اور کچھ مس کا احساس ہوا۔ آنکھ کھول کر دیکھا کہ ایک صاحب نے مزار اقدس سے تازہ پھولوں کا ایک ہار اٹھا کر میری گردن میں ڈال دیا۔ کچھ نہ پوچھئے کس قدر خوشی ہوئی اس کے پس منظر میں ایک اور احساساتی معاملہ چل رہا تھا وہ یہ کہ جب ہم داتا دربار کی گلی میں داخل ہوئے تو دو رویا مہکتے ہوئے لاہوری گلاب کی نہ جانیں کتنی دکانیں تھیں کہ پوری گلی مہک رہی تھی نئے شادی شدہ جوڑنے کا اس مہکتی ہوئی فضا میں سے گزرنا کہ میری بیوی نے یا تو پھولوں کی خریداری کی خواہش کی یا مجھے از خود خیال آیا کہ بیوی کے لئے بھی گجرے خریدلوں اس خیال کے ساتھ ہی عقیدت بلکہ حسن عقیدت کی ایک لہر آئی کہ داتا کے ہار خریدنے کے ساتھ بیوی کے لئے گجرے! لاحول ولا قوۃ الا باللہ فوراً" قبلہ درست کیا اور ندامت و شرمندگی طاری ہوئی اس احساس کا جواب قدرت کی طرف سے ایک مہکتے ہار کی شکل میں ملا اس سرفرازی پر طبیعت بہت خوش تھی واپس روانہ ہوتے وقت سوچا کہ بیوی کو داتا کے اس فیضان کا پورا حال سناؤں گا جونہی مزار شریف سے واپس ہوا کہ خواتین کی سمت سے آتی ہوئی بیوی پر نظر پڑی کیا دیکھا کہ وہ بھی خنداں خنداں ایک ایسا ہی ہار پہنے ہوئے چلی آرہی ہیں۔ اس طرح دونوں کو علیحدہ علیحدہ داتا صاحب کی طرف سے ہار ملنا اتفاق نہ تھا۔ بلکہ آئندہ ہونے والے کرم کی بشارت تھی جس کا ہمیں اس وقت کوئی اندازہ نہ تھا بہرحال ہم دونوں کو یہ یقین ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح العقیدہ سعادت مند بیٹا عطا فرمائے گا اور بفضلہ ایسا ہی ہوا۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

اپنی نئی قرابتوں پر کچھ لکھنے سے پہلے اپنی بیوی سے متعلق کچھ باتیں بیان کردوں مختصر یہ کہ میری بیوی کا شمار اچھی نیک سادہ مزاج اور بچوں کی پرورش میں اپنا سکون برباد کرنے والی بیویوں میں ہوتا ہے وہ طبعاً" خوش مزاج اور نیک خو ہیں لڑائی جھگڑوں سے دور رہتی ہیں۔ گھرداری میں خاص سلیقہ مندی ہے۔ بالعموم نرم گفتار اور مہذب ہیں آپ اور جناب کا تخاطب کبھی ترک نہیں کرتیں۔ شاید میں نے انہیں خود بین و خود پسند بنادیا ہے۔ تنقید کی برداشت بہت کم ہے۔ تعلقات مفید مطلب رکھتی ہیں احساس انا قدرے بڑھا ہوا ہے ان کا اصول ہے کہ جو ہماری عزت کرے گا اس سے ملیں گے جو نہیں کرے گا اس سے نہیں ملیں گے۔ میرے اہل خاندان کے ساتھ میری گوشہ نشینی کی عادتوں کی بنیاد پر ٹوٹ سکنے والے تعلقات کو اپنی کوشش سے قائم رکھا ہوا ہے اور ابتدائی دور میں میرے ساتھ گزارا کرنے میں انتہائی فرمانبرداری' اطاعت شعاری اور صداقت و صبر کا مظاہرہ کیا ہے۔ اوائل زندگی میں جو میری مالی حالت اور مصروفیات کی نوعیت تھی اس میں ثابت قدمی سے ہمرہی ہر لڑکی کے بس کی بات نہ تھی۔ پھر کم مدت کے فرق سے تین اولادوں کی پرورش' صحت و صفائی' کھانے پینے اور آرام کا اس طرح خیال رکھنا کہ اپنی راتوں کی نیند اڑادی تھی۔ بہت قابل تعریف ہے شروع کے چودہ سالہ سخت زندگی کے سفر میں ایسی شریک زیست کا ملنا کہ کبھی نہ مجھ سے پردہ داری کی نہ کذب بیانی میری خوش قسمتی تھی اس طرح سخت کوشی کے طویل سفر کی تھکان ۱۹۸۰ء سے اترنی شروع ہوئی۔ اب میری آزمائش کا وقت تھا چنانچہ ان کے معاملات اور ان سے معاملت کے ضمن میں اب عقل بیدار کے سامنے میں نے ہمرہی کا بوجھ اٹھانا شروع کیا بقول سراج الدین ظفر

زہد ہو جنگ آزما تو کھینچے شمشیر شوق
حسن جب مد مقابل ہو سپر رکھ دیجئے

چنانچہ ابتدا کے چودہ سال ان کے نام آخر کے اٹھارہ سال ہمارے نام زندگی اللہ کے فضل و کرم سے کامیاب و کامران گزری کبھی کسی ثالث کو دخل اندازی کی گنجائش نہیں ہوئی۔ ایک بار ایک صاحب نے مجھ سے میری بیوی کے متعلق رائے لی۔ میں نے کہا میری بیوی بہت اچھی ہے اور اچھی بیوی کی پہچان یہ ہے کہ اس کا شوہر "سمجھدار ہو"۔

ویسے میری بیوی میری شاگرد بھی رہی ہیں ان کی "استادی کا شرف" مجھے دو طرح حاصل ہے۔ اول یہ کہ انٹر میں انہوں نے میری نفسیات کی کتاب پڑھی تھی جو ان کے نصاب میں داخل تھی اور دوم یہ کہ بی اے میں وہ میرے استاد محترم پروفیسر خواجہ آشکار حسین مرحوم کی معرفت براہ راست میری شاگرد رہی تھیں۔ یعنی میں نے انہیں نفسیات بھی پڑھائی ہے۔ بی اے میں جب ان کا نصاب تکمیل کے قریب تھا میں نے ان سے پوچھا تھا کہ آپ کو روٹی پکانی آتی ہے انہوں نے اس بات کا اثبات میں جواب دیا تھا پھر میں نے ان سے پوچھا کیا آپ مجھے روزانہ روٹی پکا کر کھلا سکتی ہیں انہوں نے مجھے غور سے دیکھا اور سر جھکا کر خاموش ہو گئیں البتہ اس بات کا تذکرہ انہوں نے اپنی بہن شاہینہ سے کیا جو عمر میں ان سے بڑی مگر بے تکلف تھیں۔ انہوں نے اپنے شوہر سے گفتگو کی ادھر میں نے یہ واقعہ اپنے مرحوم دوست نفسیات کے پروفیسر بشیر احمد کو سنا دیا جنہوں نے مرحوم خواجہ آشکار حسین تک یہ بات پہنچائی۔ خواجہ صاحب نے مسکرا کے فرمایا میں تو اس خبر کا انتظار کر رہا تھا۔ خواجہ آشکار حسین مرحوم بڑے نیک دل انسان اور ہر ایک کے پھٹے میں پاؤں ڈال کر مدد کرنے والے آدمی تھے۔ شاید ہی ان کا کوئی ملاقاتی ایسا ہو جو ان کا زیر بار احسان نہ ہو۔ ثمینہ کے والد صاحب سے بھی ان کے قریبی مراسم تھے ان کے ہی فرمانے پر انہوں نے ثمینہ کی پڑھائی کا اپنے کالج میں خصوصی اہتمام کیا تھا۔ میرے والد صاحب نے بھی خواجہ صاحب سے ایک بار فرمایا تھا کہ آپ نے فائق کی تعلیم

اور ملازمت میں ہر جگہ ان کی مدد کی ہے اب ان کے لئے کوئی اچھا سا رشتہ بھی تلاش کریں ادھر ثمینہ کے والد مرحوم نے بھی بر بنیاد قربت کچھ ایسی ہی گفتگو کی تھی چنانچہ خواجہ صاحب نے ایک پنتھ دو کاج کا لطف لیا اور ہماری منگنی کروادی۔ خواجہ صاحب بہت اچھے شاعر بھی تھے۔ اتفاق یہ ہوا کہ ہماری منگنی کے دن رات میں انشورنس کمیٹی آف پاکستان کی جانب سے خالقدینا ہال میں ایک بڑے مشاعرے کا اہتمام تھا۔ مسلم ضیائی مرحوم نے مجھ پر اپنی بزرگی کا دباؤ ڈال کر اس مشاعرے میں کچھ مزاحیہ کلام سنانے پر مجبور کیا تھا۔ جناب پروفیسر خواجہ آشکار حسین بھی اس مشاعرے میں شریک تھے۔ وفا ان کا تخلص تھا چنانچہ ہم نے منگنی والے دن کی نسبت سے خواجہ صاحب کے تخلص کو صرف کرتے ہوئے انشورنس کی اصطلاحات میں چند قطعات کہے۔ ایک قطعہ آپ بھی سن لیجئے اس میں ترکیب "وفا کی پالیسی" قابل غور ہے۔

جتنے تھے رسک ہجر کے سارے کور ہوئے
اب تو شب وصال بھی انشیور ہوگئی
امکان وصل یار قوی تر ہوا ہے اب
شاید "وفا کی پالیسی" میچور ہوگئی

اس قطعہ پر شاید سب سے زیادہ داد خود خواجہ صاحب نے ہی دی چونکہ وہ پس منظر سے پوری طرح واقف تھے۔ خیر یہ بات تو برسبیل تزکرہ نکل آئی اور تفریح طبع کے طور پر میں نے یہ قطعہ عرض کردیا۔ ورنہ ذکر شادی یعنی ایک نئے خاندان سے قرابت کا تھا۔ یہ خاندان میرے مرحوم خسر جناب نوابزادہ ظفر احمد انصاری ایوبی الہراتی کا خاندان ہے۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت ایوب انصاریؓ سے ملتا ہے ان کے جد امجد ہرات سے ہندوستان آئے تھے اور پانی پت میں سکونت اختیار کی تھی۔ ان کے اجداد کو "خان اور نواب" کے خطابات ملے تھے اس لئے اس خاندان کے

افراد نوابزادہ اور انصاری یا ایوبی کے ساتھ "خان" بھی لکھتے ہیں۔ ان کے والد بزرگوار کا نام نواب زادہ ممتاز احمد خان تھا وہ شادی کے چار پانچ سال بعد ہی فوت ہوگئے ان کے تین بیٹے نوابزادہ مشتاق احمد انصاری' نوابزادہ ظفر احمد انصاری اور نواب زادہ منصور احمد انصاری تھے ان کے والد کے انتقال کے وقت ان کی والدہ کم عمر ہی تھیں چنانچہ اعزاء و اقارب نے ان کا عقد ثانی نواب زادہ ممتاز احمد کے بھائی نوابزادہ شاکر احمد خان کے ساتھ کردیا۔ ان سے دو بیٹے ہوئے۔ ایک نوابزادہ افتخار احمد انصاری اور دوسرے نوابزادہ مشکور احمد انصاری۔ یہ پانچوں بھائی چونکہ ایک ہی ماں کی اولاد تھے اس لئے ان میں باہم تفریق ولدیت کا کبھی احساس نہ رہا۔ بالخصوص نوابزادہ ظفر احمد انصاری اپنے سب بھائیوں سے بے لاگ اور ایک جیسی محبت کرتے تھے۔ یہ خاندان ہجرت کے بعد آکر جھنگ میں آباد ہوگیا پھر بدلتے ہوئے حالات کے تحت دو بڑے بھائی کراچی آگئے دوسرے دو جھنگ میں ہی رہے اور سب سے چھوٹے نوابزادہ مشکور احمد انصاری لاہور میں مقیم ہوگئے۔ ان میں نوابزادہ افتخار احمد انصاری جو گریجویٹ اور ایل ایل بی ہونے کے علاوہ حافظ قرآن بھی تھے جھنگ میں ہی رہے۔ وہاں ان کی وہ زمین اور جائیداد اور مکان بھی تھا جو انہیں ہندوستانی جائیداد کے کلیم میں ملی تھیں۔ نوابزادہ ظفر احمد انصاری میرے خسر اور ان کے بڑے بھائی نوابزادہ مشتاق احمد انصاری نے "نوابزادگی" کا روایتی مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی جائیدادیں گنوادیں جبکہ نوابزادہ افتخار احمد انصاری نے دانشمندی کے ساتھ نہ صرف اپنی جائیداد کی حفاظت کی بلکہ اس میں اضافہ بھی کیا۔ وکالت کے پیشہ کے ساتھ عملی سیاست میں بھی رہے۔ کئی مرتبہ اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور مرحوم ضیاء الحق کابینہ میں وفاقی وزیر امور مذہب کے عہدے پر فائز رہے۔ پورے جھنگ میں ان کا طوطی بولتا تھا اور وہاں کی معروف و معزز ترین شخصیت تھے۔ بڑے بھائی نوابزادہ مشتاق احمد انصاری کے مزاج میں سیاحت پسندی

تھی اس لئے کبھی ایک جگہ نہ ٹھہرے۔ بیوی کا انتقال ہوگیا تھا یا علیحدگی یہ راز سربستہ آج تک واضح نہیں ان کے بطن سے ایک بیٹا ہوا جس کا نام نوابزادہ نجم اقبال ہے۔ بیٹے کے مزاج پر بھی باپ کا اثر ہے۔ کبھی یہاں کبھی وہاں بلکہ اکثر خشکی سے بھی باہر سمندر میں "شپ پر" کبھی کبھی کراچی آنے کا اتفاق ہوا تو ملاقات ہوگئی ورنہ سالوں غائب۔ دوسرے بھائی نوابزادہ ظفراحمد انصاری ابتداء میں جھنگ میں رہے پھر کچھ دن بھوراوالا میں بسلسلہ تجارت ٹھہرنے کا اتفاق ہوا پھر کراچی آگئے۔ یہ میری بیوی کے "ابوؒ" یعنی میرے بھی "ابوؒ" تھے۔ ان کی شخصیت کے عمق کو ان کے اہل خاندان بھی نہ پہچان سکے۔ مزاج و کردار میں اور معمولات میں وہ سب باتیں موجود تھیں جو راہ دین کے چلنے والوں میں ہوتی ہیں۔ بظاہر تو دیکھنے والوں کے نزدیک آخر میں اوقاف کے ایک کارکن کی حیثیت سے حضرت عالم شاہ بخاریؒ کے مزار کے نگراں تھے اور ان کی ہی مسجد میں پنج وقتہ نماز کی امامت کرتے تھے۔ رات کو زمین پر سوتے تھے۔ شب بیدار تھے صبح کے وقت بعد فجر گھر آتے بیوی بچوں کے ساتھ کچھ دیر رہتے کچھ آرام کرتے پھر قبل از ظہر واپس چلے جاتے۔ صلوٰۃ و سلام کے پابند درود شریف کا ورد سرکار کے ذکر پاک پر آبدیدہ۔ اعزاء و اقارب کے ساتھ حسن سلوک' صلہ رحمی اور شفقت کا برتاؤ میں نے ان کی زندگی کے آخر بارہ پندرہ سال دیکھے ہیں میرے نزدیک ان کی اوقاف کی ملازمت ایک بہانا اور کسب حلال کی تعمیل تھی ورنہ حقیقت میں انہوں نے عالم شاہ بخاریؒ کے مزار پر ایک بارہ سالہ چلا کیا تھا۔ حضرت مہر علی شاہؒ کے مرید تھے آخر میں پھوڑوں کے سرطان سے انتقال ہوا اور جب آپریشن کے لئے تھیٹر میں پہنچے تو حضرت مہر علی شاہ صاحبؒ کا دیدار ہوا وہ اس دیدار کے معنی بخوبی سمجھ گئے تھے اور مجھ سے دیدار کا تذکرہ بھی کیا تھا۔ بالاخر ڈاکٹروں نے جواب دیدیا گھر آگئے آخر وقت میں جب طبیعت خراب ہونے لگی بیوی سے یٰسین شریف پڑھنے کو کہا عالم نزع میں بھی یہ حال تھا کہ اگر زیر

زیر پیش کوئی غلطی ہوتی تھی تو تصحیح کر دیتے تھے۔ اسی عالم میں دو چار مرتبہ میرا تذکرہ کیا اور منتظر رہے۔ جب کوئی رکشہ رکنے کی آواز آتی تو فرماتے "دیکھو بیگم فائق تو نہیں آیا" مجھے آخری لحات میں ان کے پاس نہ رہنے کا آج تک افسوس ہے۔ بہرحال اسی عالم میں سانس آہستہ ہوتی گئی اور بالآخر وہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے۔ ان کی زندگی بھی ایک ولی اللہ کی زندگی تھی اور موت بھی۔ زندگی کے اواخر میں جب ریٹائر ہو گئے تو صرف ایک شوق تھا "شطرنج"۔ میں اکثر ان کے ساتھ کھیلتا تھا جب میں گھر جاتا تو فرماتے تھے "میرا یا ڑھی" آگیا۔ مراد ساتھی سے تھی۔ اور اکثر کہتے تھے کہ فائق میرا بیٹا ہے ان کی شفقتیں ہمیشہ یاد رہیں گی۔ ویسے ان کی ایک یادگار میری زندگی کے ساتھ ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ انہوں نے ماشاء اللہ اپنی بہت یادگاریں چھوڑی ہیں ان کے پانچ بیٹیاں اور چار بیٹے ہیں۔ سب سے بڑے بیٹے نوابزادہ مظفر احمد انصاری ہیں۔ بہت صاف ستھری طبیعت کے آدمی ہیں۔ بے باک اور حق گو ہیں۔ بڑے کو بڑا اور چھوٹے کو چھوٹا سمجھتے ہیں۔ میری طرح کم عمری سے ہی خاندان کا بوجھ اٹھانے کے لئے مستعد رہے ہیں۔ زندگی میں سوجھ بوجھ کی منصوبہ بندی کرنے والے صاحب بصیرت اور محنتی آدمی ہیں اور اس وقت زندگی کی جس منزل پر کامیابی سے پہنچے ہیں اس میں ان کی بصیرت اور محنت کے علاوہ صحیح وقت پر صحیح فیصلہ کرنے کے شعور کا بڑا دخل ہے۔ امریکہ میں بیوی بچوں کے ساتھ رہائش پذیر ہیں۔ بیوی بھی پڑھی لکھی اور سمجھدار لڑکی ہے جس کے طرفداروں میں وہ میرا شمار کرتے ہیں اور کہہ بھی چکے ہیں کہ فائق بھائی آپ ہمیشہ ہما کی طرفداری کرتے ہیں۔ میں انہیں کیا جواب دیتا کہ اس کا طرفدار صرف اس لئے رہتا ہوں کہ وہ تمہاری بیوی ہے۔ مظفر کی ابتدائی تعلیم کراچی میں ہوئی میری طرح پڑھا پڑھا کے پڑھا۔ نیشنل کالج سے انٹر کرنے کے بعد باہر چلے گئے۔ انقرہ یونیورسٹی ترکی سے بی آرک کیا پھر کراچی واپس آکر کچھ دن داؤد کالج آف انجینئرنگ میں تدریس بھی کی یہ

وہ زمانہ تھا جب آغا خان ہسپتال زیر تعمیر تھا۔ یہاں ملازمت اختیار کر کے اس ہسپتال کی تعمیر میں اپنے فن کا بہترین مظاہرہ کیا اور آخر بیوی بچی سمیت امریکہ چلے گئے۔ اس وقت ان کے ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں۔ سب سے بڑی بیٹی کا نام ایمن مظفر ہے۔ اس کی پیدائش کراچی کی ہے۔ باقی دونوں پیدائشی امریکی ہیں۔ بیٹا عظیم مظفر اور بیٹی آمنہ مظفر ہے۔ ان سے چھوٹے بھائی نوابزادہ طارق احمد انصاری ہیں۔ یہ فرینکفرٹ جرمنی میں مقیم ہیں اور وہیں کے نیشنل ہو گئے ہیں۔ ازروئے پیشہ بینکار ہیں کامرس کی تعلیم اور بینک کی ملازمت کے باوجود شعر و ادب سے خاصی دلچسپی ہے۔ ادبی کتب کا اکثر مطالعہ کرتے ہیں۔ ادب کے علاوہ دینی مطالعہ بھی ان کا شغف ہے۔ قومی اور بین الاقوامی سیاست کا بھی ادراک رکھتے ہیں۔ جرمن قومیت مل جانے کے باوجود پاکستان سے جذباتی رشتے ٹوٹے نہیں ہیں۔ اکثر اس کے سیاسی اور اقتصادی معاملات نیز اندرونی چپقلشوں اور اخلاقی پسماندگی پر آزردہ رہتے ہیں۔ طبعاً" نرم خو اور کار خیر میں حصہ لینے والے آدمی ہیں۔ رشتوں کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ اعزاء و اقارب سے محبت بے تکلفی اور اپنائیت میں والد کا ورثہ ملا ہے۔ طبیعت میں مزاح پسندی ہے۔ مزاحیہ شاعری اور لطائف میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ دوسروں کے احساسات و جذبات کا بہت خیال رہتا ہے۔ لہجے اور گفتگو میں بے ساختگی ہے۔ تصنع ان کے قریب ہو کر نہیں گزرا ہے۔ زندگی پرسکون گزار رہے ہیں۔ ان کی زوجہ اول جو جرمن نژاد تھیں "گابی" ان کے بطن سے ایک بیٹی روبینہ طارق اور ایک بیٹا ممتاز احمد خان ہے جو اپنے پردادا کا ہم نام ہے۔ ان کی دوسری بیوی ایرانی النسل ہیں ان سے ایک بیٹا مہتا طارق ہے۔ طارق سے چھوٹے نوابزادہ خالد احمد انصاری ہیں۔ یہ بڑے ذہین آدمی ہیں۔ طالب علمی کے زمانہ میں ہمیشہ اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں۔ ہمیشہ اچھے نمبروں سے کامیابی حاصل کی ہے۔ اپنے دور طالب علمی میں پڑھائی ان کا کام تھا۔ گھریلو تقریبات تک کو اپنی

پڑھائی پر اثر انداز نہیں ہونے دیتے تھے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے کراچی سے باہر گئے اور انقرہ یونیورسٹی سے کیمیکل انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی۔ سند کے ساتھ لیاقت اور مخصی اوصاف کی بنیاد پر ملازمت کے حصول میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ بغرض ملازمت چند سال مشرق وسطیٰ میں رہے۔ اب مع بیوی بچوں کے کینیڈا میں رہائش پذیر ہیں۔ ان کی شادی ان کے بڑے بہنوئی ابراہیم رشید کی بھتیجی اور عمران الرشید کی بیٹی فرحانہ سے ہوئی ہے۔ یہ بھی گریجویٹ ہیں۔ انہوں نے بڑی خوبی کے ساتھ خود کو خالد کے رنگ میں ڈھالنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ خالد طبعاً حساس آدمی ہیں مگر مزاج میں تحمل ہونے کی وجہ سے اکثر لوگ اس کا اندازہ نہیں کرسکتے۔ اعزاء و اقارب سے حتی الامکان مربوط رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر خود دوسروں کے معاملات میں دخیل نہیں ہوتے۔ بہت سی مزاجی کیفیات کو دینی احکام کے تابع کئے رہتے ہیں۔ صلواۃ و صوم کے سخت پابند ہیں۔ مگر بیوی بچوں کے علاوہ کسی پر اپنے رویئے نافذ نہیں کرتے۔ بچوں کی پرورش خالص اسلامی مزاج کے ساتھ کررہے ہیں۔ محتاط انسان ہیں۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بچہ کو عبدالاحد کے بجائے آج تک "احد" کہہ کے مخاطب نہیں کیا۔ تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ بیٹوں کے نام محمد احمد، عبدالاحد اور محمد اسد ہیں۔ بیٹی کا نام ثناء خالد ہے۔

ان سے چھوٹے نوابزادہ شاہد احمد انصاری ہیں۔ ان کی طبیعت میں نوابزدگی جس طرح دخیل ہے دوسرے کسی بھائی میں نہیں ہے۔ دوسرے سب حالات اور وقت کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ مگر سب سے چھوٹا ہونے کے سبب ان کے مزاج میں جو بے نیازی ہے وہ ان کا ہی حصہ ہے۔ اپنی موج اور ترنگ میں خوش رہتے ہیں۔ آواز میں بہت لوچ ہے۔ موسیقی سے خاص شغف رکھتے ہیں۔ حلقہ احباب میں اور بعض مخصوص محفلوں میں اپنی آواز کا جادو جگاتے ہیں۔ ہر قسم کے حالات کا خنداں پیشانی سے مقابلہ کرتے ہیں۔ جب خود اعتمادی کا جوش ہوتا ہے تو کسی کی پروا نہیں کرتے۔

بچپن سے کرکٹ کھیلنے کا بہت شوق رہا ہے اب بھی اگر دو تین بھانجے ساتھ مل جائیں اور کھیلنے کا میدان دستیاب نہ ہو تو کمرے میں بھی کرکٹ کھیل سکتے ہیں۔ یہ بھی ان کی فطری سادگی کا ایک مظہر ہے۔ طبیعت میں مزاح بہت رچا بسا ہے۔ اکثر لطیفہ سنا کر محفل کو زعفران زار بنا دیتے ہیں۔ خود بھی لطیفے گڑھ لیتے ہیں۔ زندگی کے ایسے بہت سے تجربہ حاصل کئے ہیں جو بالعموم چھوٹے بیٹے کا حصہ ہوتے ہیں۔ کبھی حالات ان کے مزاج کی شگفتگی پر منفی اثرات نہیں ڈال سکے۔ اب خوردگی کا طلسم ٹوٹنے والا ہے۔ اولاد کا بوجھ بہت سی کیفیات میں اعتدال پیدا کردے گا۔ فی الوقت تو ہاتھ بہت کھلا ہے۔ ان چار بھائیوں کے علاوہ پانچ بہنیں بھی ہیں۔ انمیں سب سے بڑی قمر سلطانہ ہیں۔ یہ بہت سے معنوں میں سب سے بڑی ہیں۔ ایک نوابزادے کی بیٹی دوسرے نوابزادے کی پروردہ آغوش۔ خوبرو خوش وضع و خوش پوش اور خوش مزاج بھی مگر نزاکت کے ساتھ ان پر لکھتے وقت مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے مرزا غالب تجمل حسین خان پر کچھ لکھ رہے ہوں۔ ان کو نوابزادہ افتخار احمد انصاری نے بیٹی بنایا تھا۔ اس لئے ان کی پرورش واقعی نوابزادیوں کی طرح بڑے ناز و نعم کے ساتھ ہوئی ہے۔ اس کا ان کے مزاج پر اثر نمایاں ہے۔ اپنے سب بہن بھائیوں میں سب سے بڑی ہونے کے سبب بڑی ہونے کا شعور بھی رکھتی ہیں اور چاہتی ہیں کہ چھوٹے بھی اس کا شعور رکھیں۔ ان کے بڑے پن میں شفقت اور محبت کا عنصر بہت واضح ہے۔ یہ شاید ان کے والد مرحوم کا ورثہ ہے۔ بایں ہمہ قابل تعریف بات یہ ہے کہ تمام سہولتیں میسر ہونے کے باوجود خانہ داری کے کام اپنے ہاتھ سے کرتی ہیں۔ دعوتیں کرنے کی شوقین ہیں۔ بعض ڈشیں اپنے ہاتھ سے تیار کرتی ہیں اولاد کی پرورش میں بھی اسی محنت لگاؤ اور سلیقہ کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان کے شوہر جناب ابراہیم الرشید خوش مزاج اور ملنسار آدمی ہیں۔ ایک طویل عرصہ افسری کرنے کے باوجود بیوی کے ساتھ نرم ہیں۔ شاید یہ بات افسران بالا کی خوشنودی حاصل رہنے

سے آئی ہے وزارت خارجہ سے ایک طویل عرصہ وابستہ رہنے کے سبب بین الاقوامی سیاست پر گہری نظر ہے۔ روزمرہ گھریلو معاملات میں بہت کم دخیل ہوتے ہیں اولاد کی پرورش و تربیت میں ان کا ایک خاص حصہ ہے۔ ان کی بڑی بیٹی نعمہ رشید نے ایم بی بی ایس کیا ہے۔ ان کی شادی سلمان رشید سے ہوئی ہے۔ یہ بھی ڈاکٹر ہیں خوش مزاج اور نیک طبع ہیں۔ ان کے تین بیٹیاں ہیں ماہا سلمان، زوہا سلمان (یا ضلحی سلمان) اور شیزہ سلمان دوسری بیٹی عظمیٰ رشید ہیں جو اب عظمیٰ حسن ہیں۔ ان کی شادی نوابزادہ افتخار احمد انصاری کے چھوٹے بیٹے نوابزادہ ابوالحسن انصاری سے ہوئی ہے۔ یہ ازروئے پیشہ ڈاکٹر ہیں۔ مگر عملی سیاست میں بھی سرگرم ہیں۔ حالیہ انتخابات میں جھنگ سے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب قرار دیئے گئے تھے۔ مگر نظرثانی شدہ نتائج میں ان کے حریف کو ایک دو ووٹوں سے برتری حاصل ہوگئی۔ یہ جھنگ کی ایک محبوب و معروف شخصیت ہیں اور اپنے والد مرحوم کے حلقہ انتخاب کے وارث بھی ہیں۔ ان کے دو بیٹے احمد حسن اور سعد حسن ہیں۔ عظمیٰ حسن سے چھوٹی بہن شاذیہ رشید ہیں جو اب شاذیہ علی ہوگئی ہیں۔ ان کے شوہر کا نام شعیب علی خان ہے۔ ان کے دو بیٹیاں ہیں۔ ایک تانیہ علی اور دوسری نتاشا علی۔ بیٹا فیض علی خان ہے۔ ان سے چھوٹی بیٹی ارم رشید ہیں۔ انہوں نے ڈی ایچ اے کالج سے گریجویشن کیا ہے آگے پڑھنے اور بڑھنے کا حوصلہ رکھتی ہیں۔ ان چار بیٹیوں کے علاوہ ابراہیم رشید کے تین بیٹے ہیں۔ ایک نعمان رشید دوسرے عثمان رشید اور تیسرے عمر رشید۔ نعمان رشید تینوں بیٹوں میں بڑے ہیں اور کراچی میں والدین کے ساتھ ہی مقیم ہیں۔ عثمان رشید امریکہ میں ہیں۔ بی سی ایس کیا ہے۔ کمپیوٹر سے متعلق کسی کمپنی میں ڈائریکٹر ہیں۔ اپنا بزنس بھی کمپیوٹر سے ہی متعلق ہے۔ چھوٹے بیٹے عمر رشید ابھی طالب علم ہیں سخت محنت کر رہے ہیں۔ انتہائی خوش مزاج اور ملنسار ہیں۔ قمر سلطانہ سے چھوٹی بیٹی اور میری بیوی سے بڑی

شاہینہ انصاری ہیں۔ علم و ادب کا ذوق رکھتی ہیں۔ کبھی شاعرہ بھی تھیں اردو ادب کی کتب کا بڑا ذخیرہ تھا جو اب دینیات اور اسلامی کتب کے ذخیرے میں متبدل ہو چکا ہے۔ گریجویشن کے بعد ڈی ایچ ایم ایس بھی کیا ہے اور معلمہ کے نصاب کی باقاعدہ سند حاصل کی ہے۔ اس وقت عملاً" بھی معلمہ ہیں۔ اپنا مدرسہ قائم کیا ہے جس میں کم عمر طالبات کو دینی اور اخلاقی تعلیم دیتی ہیں اور سیرت سازی پر خاص زور ہے۔ خدمت خلق کا جذبہ رکھتی ہیں۔ بچوں کی پرورش سے فارغ ہو چکی ہیں۔ ایک بیٹی عدیلہ ندیم اور بیٹا فیصل انصاری امریکہ میں مقیم ہیں۔ صلوٰۃ و صوم کے علاوہ دیگر شعار اسلامی کی بھی سخت پابند ہیں۔ دوسروں کے کام آنے اور وقت ضرورت خدمت کرنے میں بہت فعال ہیں۔ خوش مزاجی کے ساتھ مزاج میں خموشی ہے مگر کبھی محفل پر بوجھ نہیں بنتیں مجھ سے عمر میں کچھ کم اور رشتہ میں بڑی ہیں۔ آج تک یہ فیصلہ نہیں ہو سکا کہ ہم دونوں میں کون بزرگ ہے۔ کبھی بزرگ بن کر رشتہ کے پیش نظر مجھے عیدی دیتی ہیں اور کبھی عمر میں چھوٹی بہن بن کر عیدی لیتی بھی ہیں۔ سخت ناموافق حالات کو حسن تدبر سے اپنے حق میں کرلیا ہے اور بحمد اللہ اطمینان و سکون کی زندگی گزار رہی ہیں۔ ان کی بیٹی عدیلہ مبشر شادی کے بعد عدیلہ ندیم ہو گئی ہیں اور گزشتہ بارہ سال سے نیویارک میں اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ رہائش پذیر ہیں۔ ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ بیٹوں کے نام زہیر ندیم اور انشا ندیم ہیں بیٹی ایناس ہے۔ شاہینہ کے بیٹے کا نام فیصل مبشر ہے اس نے کمپیوٹر انجینئرنگ میں ڈگری لی ہے۔ امریکہ میں مقیم ہے۔ حال ہی میں شادی ہوئی ہے۔ بیوی کا نام صدف تاتاری فیصل ہے۔ شادی چونکہ امریکہ میں ہی ہوئی ہے اس لئے فیصل کی بیوی سے ابھی تک رسمی سی واقفیت ہے جس کے سبب رائے زنی مشکل ہے۔ ویسے سنا ہے کہ بہت اچھی لڑکی ہے نوابزادہ ظفر احمد انصاری کی تیسری بیٹی میری بیوی ہیں۔ ان سے چھوٹی شہناز مجیب ہیں۔ یہ پہلے غزالہ شہناز تھیں۔ گورنمنٹ کالج

برائے خواتین سے گریجویشن کیا ہے۔ اقدار کے معاملے میں یہ جدید و قدیم کا سنگھم ہیں۔ دونوں لہریں یکساں بلندی کے ساتھ اٹھتی ہیں۔ مذہبی معلومات اچھی خاصی ہیں اور ہمیشہ ان میں اضافہ کی خواہاں رہتی ہیں۔ سلوک اور تصوف میں بھی دلچسپی ہے حضرت سلطان باہو کے سلسلہ میں بیعت ہیں۔ دینی اور باطنی رموز کو سمجھنے کا شوق ہے۔ فی الوقت ایبٹ آباد میں اقامت گزیں ہیں جب کبھی کراچی آتی ہیں یا میرا ان کے گھر جانے کا اتفاق ہوتا ہے تو بڑی دلچسپی کے ساتھ طریقت و تصوف پہ گفتگو کرتی ہیں۔ اولیائے کرام اور بزرگان دین سے خاص عقیدت رکھتی ہیں۔ گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ متاع غرور سے کوئی دلچسپی نہیں مگر عملی زندگی میں بھی انہماک بہت ہے۔ اپنا اسکول قائم کیا ہے جس میں چھوٹے بچوں کی تدریس کا انتظام ہے۔ اسکول کی نگرانی عمدگی اور باقاعدگی سے کرتی ہیں۔ ایبٹ آباد کی سماجی زندگی میں ایک معروف شخصیت ہیں اور ساتھ ہی ایک اچھی خاتون خانہ' اچھی ماں اور اچھی بیوی ہیں۔ ذہانت کے ساتھ طلب علم رکھتی ہیں۔ زبان سیکھنے میں خاص ملکہ ہے۔ پشتو اتنی روانی سے بولتی ہیں کہ انہیں کوئی غیر مقامی کہہ ہی نہیں سکتا۔ برطانیہ میں قیام کے دوران انگریزی بھی خاصی رواں کرلی ہے۔ اعزاء و اقارب کا لحاظ پاس اور قرابتوں کا احترام ان کی شخصیت کا اہم عنصر ہے۔ مجھ سے خصوصی موانست رکھتی ہیں جس کا رد عمل مجھ پر بھی ہے۔ ان کے ہاں مہمان داری بڑے زور شور سے ہوتی ہے جو اعزاء اقارب ایبٹ آباد جاتے ہیں ان کے ہی مہمان رہتے ہیں۔ شدید سردی کے علاوہ باقی تمام سال یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ان کے شوہر جناب عبدالمجیب عثمانی کی مہمان نواز طبیعت' اپنائیت اور محبت نے ہمیشہ مہمانوں کے حوصلے بلند کئے ہیں۔ مجیب بہت نیک طبع' خوب سیرت اور قرابتوں کا لحاظ کرنے والے انسان ہیں۔ میرے دل میں ان کے لئے بہت عزت و احترام ہے۔ ان کے والد مرحوم منہاج الاسلام عثمانی بھی بڑے وضع دار بزرگ تھے۔ جو ابتداء سے ہی

نوشہرہ میں اقامت گزیں رہے۔ ان کے مکان اور زمینداری بھی اسی علاقے میں تھی۔ اپنے حلقے کی محبوب شخصیت تھے۔ دور دور کے رشتوں کا بھی لحاظ پاس رکھتے تھے۔ مذہبی آدمی تھے اسی لئے اپنے اکلوتے بیٹے کی تربیت خاص توجہ اور محنت کے ساتھ کی جس کے اثرات مجیب کے کردار و سیرت سے نمایاں۔ یہ میرے خسر نوابزادہ ظفر احمد انصاری کے رشتہ میں چچا ہوتے تھے مگر تعلقات بالکل حقیقی بھائیوں جیسے تھے۔ آپس میں بے تکلفانہ دوستی تھی۔ انتہائی نیک اور صحیح العقیدہ انسان تھے۔ جب میں وہاں جاتا خاص شفقت فرماتے تھے۔ مجیب نے آغاز ملازمت بحیثیت لیکچرار کیمسٹری جہاں زیب کالج کے پر فضا کیمپس سے کیا۔ وہ آغاز ملازمت میں ہی ایک محنتی اور دیانتدار استاد تھے۔ طلبہ میں ہمیشہ مقبول رہے۔ تصنیف و تالیف کا عمل بھی کیمسٹری سے ہی وابستہ رہا۔ اپنے پریکٹیکل جرنل کی وجہ سے صوبہ کے تمام طلبہ میں ان کا نام معروف تھا۔ اب ایبٹ آباد میں بحیثیت پروفیسر کیمسٹری کی تدریس سے وابستہ ہیں۔ ان کے بڑے بیٹے سلمان عثمانی اپنی تعلیم کے تکمیلی مراحل میں ہیں ان کی بیٹی حمیرہ مجیب کی شادی گریجویشن کی تکمیل کے بعد خالد کے ساتھ ہوئی جو پاک فضائیہ کے ایک ماہر اور سرگرم کارکن ہیں۔ چھوٹی بیٹی درصدف ایم بی بی ایس کر رہی ہے اور سب سے چھوٹی صبا اسکول میں ہے۔ اپنے سب بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی بیٹی عبیرہ خاور ہیں جن کی شادی ان کی حقیقی خالہ کے بیٹے جناب خورشید جمال کے ساتھ ہوئی ہے۔ سب سے چھوٹی ہونے کے سبب ننھی کہلاتی ہیں مگر اکثر معاملات میں انہوں نے "ننھی" کے تصور کو بدل دیا ہے اور خود کو خاصہ بالغ نظر اور بڑا ثابت کیا ہے۔ میرے دعوے کی تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ ان کے بڑے بہن بھائیوں نے چھوٹا سمجھ کر انہیں کبھی نظر انداز نہیں کیا بلکہ اپنے اپنے معاملات میں ان سے سنجیدہ مشاورت کی ہے۔ شادی کے بعد کئی سال اپنے شوہر کے ساتھ دوبئی میں رہیں جہاں ان کے شوہر خورشید جمال بسلسلہ تجارت

مقیم تھے۔ چند سال بعد کاروبار ختم کر کے کراچی آگئے اور یہاں "قریشی موٹر" کے نام سے کاروں کا کاروبار اپنے بھائی کے اشتراک سے شروع کیا۔ پھر کراچی میں ایک بوتیک "دھنک" کے نام سے شروع کیا۔ اس مرکز پوشاک کے قیام سے لے کر اختتام تک عبیرہ نے بڑے حوصلہ، محنت، سلیقے اور تجارتی شعور کا مظاہرہ کیا کراچی جیسے شہر میں اتنی محنت اور ایسے سلیقے سے قائم کئے جانے والے بوتیک کا کامیاب نہونا میری سمجھ سے بالاتر ہے اور جو باتیں اسباب کے سہارے بیان نہ ہوسکیں انہیں تقدیر اور مشیت کا نام دے کر تسلیم کرلینا چاہئے۔ عبیرہ اور خورشید دونوں نے ہی ایسا کیا پھر آخر میں عبیرہ کی منصوبہ بندی نے ایک نئی راہ اختیار کی اور وہ راہ کینیڈا کی تھی۔ وہاں روانگی، ویزے اور قیام کی شرائط بھی عبیرہ کے حوصلے نے ہی پوری کیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ دونوں اپنے بچوں کے ساتھ کینیڈا میں اقامت گزیں ہیں۔ عبیرہ کے بڑے بیٹے کا نام عاطف تھا جس کا عہد شیرخواری میں ہی انتقال ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ پہلے بیٹے کا صدمہ کوئی معمولی نہیں ہوتا۔ خواہ اس کی عمر کتنی ہو بہرحال قدرت نے نہ پوری ہونے والی اس کمی کا تدارک انہیں ایک بیٹا اور دو بیٹیاں دے کر کیا جو ماشاء اللہ شاداں و خنداں اپنے والدین کے زیر تربیت ہیں۔ بڑی بیٹی سارا خورشید ہے اس سے چھوٹی تبسم خورشید۔ سارا اسکول کی حد سے نکل چکی ہے۔ تبسم آخری مراحل میں ہے اور ان دونوں سے چھوٹا بیٹا عمیر خورشید ہے۔ کرکٹ کے شوق میں اپنے ماموں شاہد انصاری پر گیا ہے اور شاید اول شب سوجانے کی خصوصیت مجھ سے مستعار لی ہے۔ نوابزادہ ظفراحمد انصاری کی اولاد کا ذکر یہاں مکمل ہوتا ہے جن کے چھوٹے بھائی نوابزادہ منصور احمد انصاری اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ جھنگ میں ہی مقیم رہے اور وہیں مدفون ہوئے ان کے ایک بیٹا تھا اس کا بھی کم عمری میں انتقال ہوگیا اور یہ دونوں غم لئے ہوئے بالاخر نوابزادہ منصور احمد کی زوجہ بھی اس دارفانی سے کوچ کر گئیں ان سے چھوٹے بھائی

نوابزادہ افتخار احمد انصاری تھے جن کا ذکر آغاز باب میں آچکا ہے۔ بڑے شاہی مزاج کے آدمی تھے۔ ایک مرتبہ میں آموں کے زمانے میں ان کے گھر گیا تھا۔ انہوں نے ڈسٹرکٹ کلب میں آموں کی ایک دعوت کی تھی شہر کے اعلیٰ حکام اس دعوت میں شریک تھے۔ بیچ میں سوئمنگ پول اس کے ادھر ادھر سبزہ زار خوشگوار موسم خوشگوار موڈ برف میں لگے ہوئے ٹب میں بھرے ثمر بہشت' انور رٹول' سرولی اور دیگر کئی اقسام کے آم۔ طلب غالب کے مطابق "بہت سے بھی اور میٹھے بھی" بلکہ غالب کی طلب سے کچھ سوا ٹھنڈے بھی تھے۔ ساتھ ہی آئس کریم اور قلفی اور سیخ کباب وہ دعوت اور وہ منظر ہمیشہ یاد رہے گا۔ ان کے ساتھ ہی نوابی وضع داری کا ایک عہد ان کے خاندان سے ختم ہوگیا۔ ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ بڑے بیٹے نوابزادہ ابوالفضل انصاری ہیں جو پاکستان آرمی کے ریٹائرڈ افسر ہیں۔ چھوٹے بیٹے نوابزادہ ابوالحسن انصاری ہیں جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ ان کے والد اور والدہ محبت سے انہیں فضلی اور حسنی کہتے تھے یہ گھریلو نام ہیں ان کی ایک بیٹی طلعت ہے جس کی شادی ہوچکی ہے اور اپنے شوہر کے ساتھ بیرون پاکستان مقیم ہے اس وقت کس جگہ ہے میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا شاید امریکہ میں ہے۔ ان پانچوں بھائیوں میں سب سے چھوٹے نوابزادہ مشکور احمد انصاری ہیں۔ یہ لاہور میں رہتے ہیں۔ علی گڑھ یونیورسٹی سے معاشیات میں ایم اے کیا ہے۔ بڑے اصولی اور سوجھ بوجھ کے آدمی ہیں۔ اپنی جائیداد کی دیکھ بھال میں مصروف رہتے ہیں۔ پہلے لاہور ہوٹل کے قریب میکلوڈ روڈ پر ایک ہوٹل تھا بعد میں اسے ختم کرکے مارکیٹ بنوالی ہے۔ بڑے صاحب جائیداد و صاحب ثروت ہیں۔ ہر کام دیکھ بھال کے کرتے ہیں۔ ابتدا" بیوی بچے کراچی میں تھے مگر اب لاہور میں ہیں۔ بیٹی لبنیٰ ڈاکٹر ہے۔ کبھی کراچی میں کبھی امریکہ اپنے شوہر کے ساتھ بیٹے کا نام نوابزادہ صہیب احمد انصاری لاہور میں اپنے والدین کے ساتھ رہتے ہیں۔ یہاں آکر میری بیوی کے والد چچا اور تایا کا ذکر نیز ان

کی اولادوں کے حوالے مکمل ہو جاتے ہیں۔ اب رہی میری بیوی کی ننھیال اور والدہ مرحومہ وہ بخاری سید تھیں اور دہلی کی رہنے والی تھیں ان کی پرورش علامہ راشد الخیری کی آغوش تربیت میں ہوئی تھی۔ اس طرح انکی شخصیت اور شخصی صفات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ انتہائی صاف دلی سے ملنے والی سادہ مزاج اور انتہائی سلیقہ مند خاتون تھیں گھرداری سے فارغ ہو کر کبھی مطالعہ کرتی تھیں اور کبھی پیڑپودوں کی خدمت اور آب یاری۔ یہ ان کا شوق تھا۔ مزاج میں بے حد نرمی تھی کبھی کسی معاملے میں کسی پر جبر نہیں کیا۔ رشتوں اور قدروں کا احترام کرنے والی خاتون تھیں۔ ان کے والد کو شیر افگن کا خطاب ملا تھا غالباً" کسی عورت کو شیر کے قبضہ سے آزاد کرا کے یہ خطاب لیا تھا۔ انہوں نے کئی شادیاں کی تھیں پہلی بیوی سے دو بیٹیاں تھیں سعیدہ بیگم اور فہمیدہ بیگم۔ سعیدہ میری خوش دامن کا نام تھا اور فہمیدہ ان کی چھوٹی بہن تھیں جن کی شادی جناب عبدالعزیز قیصر سے ہوئی۔ یہ کراچی ایئرپورٹ پر ایرو ڈرم آفیسر رہے ہیں۔ بیرون ممالک بھی بسلسلہ تربیت و ملازمت قیام پذیر رہے ہیں۔ انتہائی خوش اخلاق اور مذہبی شخصیت کے حامل ہیں۔ اپنے چھوٹوں کے ساتھ بہت شفیق ہیں۔ اولاد کی پرورش بہت اچھی کی اب ریٹائرڈ لائف گزار رہے ہیں۔ بیگم کے انتقال کے بعد سے طبیعت میں کچھ اضمحلال آگیا ہے ورنہ باغ و بہار آدمی تھے۔ ان کے چھ بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ بڑی بیٹی بلقیس سلیم ہیں جو اپنے شوہر اور اولاد کے ساتھ بیرون ملک قیام پذیر ہیں۔ ان کے شوہر سلیم پاکستان ایئرفورس کے ایک اعلیٰ عہدے سے ریٹائر ہوئے ہیں خوش طبع اور ذہین آدمی ہیں۔ دوسری بیٹی پروین مدثر ہیں ان کے شوہر جناب مدثر نیک اور ملنسار آدمی ہیں۔ شپ پر کام کرتے ہیں۔ لبنیٰ خالد سب سے چھوٹی بیٹی ہیں فارمیسی میں جامعہ کراچی سے فارغ التحصیل ہیں۔ ڈی ایچ ایم ایس بھی کیا ہے۔ اپنے شوہر کے ساتھ کراچی میں پرسکون زندگی گزار رہی ہیں۔ ان کے شوہر ریٹائرڈ میجر ہیں۔ ایل ایل ایم بھی کیا

ہے۔ صاحب ذوق و مطالعہ ہیں۔ تین بیٹیوں کے علاوہ قیصر خالو کے چھ بیٹے ہیں۔ بڑے انور جمال ان سے چھوٹے اختر جمال اور ان سے چھوٹے خورشید جمال ہیں جو میری سالی عبیدہ کے شوہر ہیں اور کینیڈا میں رہائش پذیر ہیں۔ ان کے دونوں بڑے بھائی اور ان سے چھوٹے قمر جمال تینوں کراچی میں بزنس کر رہے ہیں۔ ان چاروں کا ابتدائی قیام امارات میں بسلسلہ تجارت رہا ہے۔ ان چاروں سے چھوٹے منور جمال ہیں جو از روئے پیشہ انجینئر ہیں اور ایک معتدل مزاج شخصیت کے حامل ہیں۔ ان کی شادی نیشنل کالج کراچی کے سابق مرحوم پرنسپل امتیاز صاحب کی بیٹی سے ہوئی ہے۔ امتیاز صاحب سے از روئے پیشہ میرے بھی قریبی روابط تھے۔ سب سے چھوٹے بیٹے فرخ جمال ہیں وہ امریکہ میں رہائش پذیر ہیں۔ سب ماشاء اللہ صاحب اولاد اور متمول ہیں۔ شیر افگن کی دوسری بیوی سے دو بیٹے سید خلیل الرحمٰن بخاری اور سید جلیل الرحمٰن بخاری تھے۔ سید خلیل الرحمٰن بخاری کے پہلی بیوی سے سید جمیل الرحمٰن بخاری بڑے بیٹے ہیں جو کینیڈا میں مقیم ہیں۔ ان کی بیوی خالدہ میری شاگرد بھی رہی ہیں۔ ایک بیٹی نشاط نسرین اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ کراچی میں ہی مقیم ہیں۔ دوسرے بیٹے سید سعید الرحمٰن بخاری اپنی امریکی بیوی کے ساتھ امریکہ میں قیام پذیر ہیں ان سے چھوٹی بیٹی عذرا قمر کراچی میں ہیں۔ زوجہ ثانی سے سب سے چھوٹی بیٹی سعدیہ ہے۔ سید خلیل الرحمٰن بخاری کے حقیقی بھائی سید جلیل الرحمٰن بخاری کراچی سے باہر قیام پذیر رہے ان کے زوجہ اول سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے۔ باقی زوجہ ثانی سے ہیں۔ شیر افگن کی تیسری بیوی سے تین بیٹیاں مسعودہ، محمودہ اور شاہدہ ہیں۔ چار بیٹے عارف بخاری، ماجد بخاری، عابد بخاری اور ساجد بخاری ہیں۔ جن سے رابطہ کم ہونے کے سبب ان کی اولاد کی تفصیلات کا علم نہیں مگر ان سب میں ایک بات ہے کہ جو بھی ملتا ہے اور جب بھی ملتا ہے انتہائی اپنائیت اور احساس قربت کے ساتھ ملتا ہے۔ خاص کر مسعودہ خالہ اور محمودہ خالہ کوئی بھی محفل ہو بطور

خاص ملتی ہیں۔ مگر کراچی کے حالات کے سبب ملاقاتیں اب تقریبات کی حد تک رہ گئی ہیں۔ ویسے اس پورے خاندان میں سادات کی عمومی طبع کی جھلک یعنی خاص قسم کی نرمی، بے لوثی اور اپنائیت ضرور پائی جاتی ہے۔ یہ بات میری مرحومہ ساس سعیدہ بیگم میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ وہ تو دور کے رشتوں کو بھی قریب کر لینے کا فن جانتی تھیں جو قریب تھے وہ تو تھے ہی دور والے بھی ان سے مل کر اپنائیت محسوس کرتے تھے۔ اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ (آمین)

یہاں آکر میری شادی کی نسبت سے کراچی میں قائم ہونے والی نئی قرابت کا بیان مکمل ہوتا ہے یا یوں کہئے کہ میری اولاد کے خالہ ماموں اور نانا نانی کے اعزاء و اقارب کی گفتگو مکمل ہوتی ہے۔ اب اسی سلسلہ کلام کو آگے بڑھاؤ تو اور کئی نئی قرابتوں کا ذکر آتا ہے۔ اس لئے کہ میرے بڑے بیٹے اویس اس سے چھوٹی بیٹی عروسہ اور اس سے چھوٹی بیٹی عافیہ تینوں کی شادیاں خاندان سے باہر ہوئی ہیں اور ان سے چھوٹے بیٹے محمد بلال ہیں جن کی شادی اپنے ارتقائی مدارج طے کر رہی ہے یعنی ابھی منگنی ہو چکی ہے نکاح باقی ہے۔ یہ رشتہ بھی خاندان سے باہر ہی طے ہوا ہے۔ ہم سات بہن بھائیوں میں تین کی شادیاں خاندان میں اور چار کی خاندان سے باہر ہوئیں مگر اگلی پود میں ابھی تک چاروں شادیاں باہر ہوئی ہیں۔ پانچویں شادی کے آثار ابھی تک اس لئے ظاہر نہیں ہوئے کہ زید ابھی تعلیم مکمل کر رہے ہیں مگر وہ بھی میرا خیال ہے کہ بہن بھائیوں میں استثنا نہیں بنیں گے مختصر یہ کہ میری اولاد تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ سب سے بڑا بیٹا محمد اویس ہے۔ تھوڑی بہت اپنی منصوبہ بندی کے نتائج سے معمولی سا سبق حاصل کر کے باپ سے پردہ داری نہ رکھنے اور تعمیل حکم کے جس نتیجہ پر پہنچا ہے وہ بزرگوں کا فیضان اور عطائے خداوندی ہے۔ اس وقت اس کی سعادت مندی سے متعلق میرا بالکل وہی احساس ہے جس کا اظہار میرے والد مرحوم نے اپنے آخری ایام میں میرے متعلق فرمایا تھا۔ "فائق نے آج

تک میری مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کیا" مجھے امید ہے کہ اویس کے لئے مجھے بھی یہی جملہ دہرانا ہوگا بلکہ اس سے بھی آگے شاید کچھ کہنا پڑے اس لئے کہ اویس نے میرے عقائد و نظریات کو جس طرح اپنایا ہے اور اپنی بیوی کو جس طرح صحت عقائد کی تربیت دی ہے وہ انشاء اللہ اویس کے لئے دونوں جہاں میں موجب برکات و کامیابی و کامرانی ہے اور یہ انداز مجھ سے ہمیشہ تقاضہ دعا گوئی کرتا رہے گا۔ ماں باپ تو سب ہی اپنی اولاد کے لئے بہترین کرتے ہیں مگر اولاد کے لئے والدین کے ساتھ بہترین سلوک کرنا آج کل روش عام نہیں ہے۔ ماں تو ہر بچے کو دعا دیتی ہے مگر خوش نصیب ہے وہ اولاد جسے باپ کی دعائیں نصیب ہوں تو اس لحاظ سے اویس ایک خوش نصیب بیٹا ہے۔ یہ ابتداء سے اپنے دادا دادی کا لاڈلہ پوتا تھا جب پیدل چلنا شروع کیا ہے تو شرارتوں اور گھریلو "تخریب کاریوں" کا طوفان امنڈ آیا تھا۔ سنگھار میز کے شیشے، شیشہ کے برتن، باورچی خانہ کا سامان، اماں کا پاندان، کھانے پینے کی اشیاء غرض کوئی چیز اویس کی دسترس سے باہر نہ تھی۔ ہر قسم کی توڑ پھوڑ، شرارت اور خرابی پر دادی دادا سے محبت ہی ملتی تھی میں کبھی کبھی اس رویہ کو اصول پرورش کے خلاف بھی سمجھتا تھا مگر کرتا کیا۔ "تبسم آگیں برداشت" پھر اویس کی ماں نے بھی اس کی تربیت اور پروش میں جس قدر مشقت برداشت کی ہے وہ قابل داد ہے۔ راتوں کی نیند تو آنکھوں سے نہیں مقدر سے اڑی تھی۔ میں تاخیر سے گھر آتا تھا جب تک میں پہنچ نہ جاؤں میرا انتظار پھر میرے تاخیر سے پہنچنے کے باوجود میرے گھر پہنچتے ہی اویس کا سوتے سے اٹھ جانا جیسے اس کا فرض تھا اور فوراً" یہ سوال "ابو کچھ لائے" اور کچھ نہ کچھ لے کر جانا ابو پر لازم تھا۔ کچھ کیا؟ کھانے پینے کی کوئی بھی ننھی چیز کیک، پیسٹری، نان خطائی یا مٹھائی کچھ نہ کچھ میٹھا کھانے کے لئے لے جانا میرے لئے لازم تھا۔ اسی معمول کی وجہ سے اویس میں جو "شکر خوری" کی عادت پیدا ہوئی وہ شاید آج تک موجود ہے۔ چار پانچ سال کی عمر تک کوئی دن ایسا نہیں

گزرا کہ اویس کا نہانا اور انڈا کھانا ناغہ ہوا ہو پھر جب اسکول جانا شروع ہوا تو صبح سویرے اٹھنا تیار ہو کر اسکول ویگن میں جانا اور واپسی پر دادا کو دروازے پر منتظر رکھنا یہ معمولات تھے۔ مگر اس کم عمری سے طفولیت اور پھر لڑکپن تک اور اس کے بعد آج تک اویس میں سعادت مندی ہمیشہ نمایاں رہی مجھے یاد ہے کہ میں نے پوری زندگی میں شاید ایک بار کسی چھوٹے بہن بھائی کی پٹائی کرنے پر اسے سزا دی ہے اور ماں کو تو ایک مرتبہ بھی یہ نوبت نہ آئی۔ "یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی" میری دعا ہے کہ یہ نظر کرم ہمیشہ اس کا پیچھا کرتی رہے۔ اویس نے امریکہ میں رہ کر کمپیوٹر کے کئی سخت امتحانات پاس کیے ہیں اور اب اسی نسبت سے سلسلہ ملازمت چل رہا ہے۔ فی الوقت رہائش نیو جرسی میں ہے مگر کچھ اسی قبیل کا سلسلہ تجارت نیویارک سے بھی وابستہ ہے۔ بحمد اللہ اپنی بیوی رومانہ اور بیٹی مرسلہ کے ساتھ پرسکون زندگی گزار رہا ہے اور میرے عزیز دوست سید عزیز الحسن اس کی سماجی سرپرستی کرر ہے ہیں۔ ان ہی کی بیگم ڈاکٹر سلمہ حسن کی تجویز پر اویس کی شادی ہوئی ہے۔ اویس کے خسر اور خوش دامن دونوں محبت کرنے والے سادہ دل اور صاف گو انسان ہیں جب کراچی آنا ہوتا ہے گھر پر تشریف لاتے ہیں سادگی اور بے تکلفی سے ملتے ہیں۔ اویس کے خسر سید علیم الحق کا تعلق انبالہ کے ایک سید خاندان سے ہے پرورش کراچی میں ہوئی۔ اپنے دور طالب علمی میں بہت ذہین طالب علم رہیں ہیں۔ ہر امتحان اچھے نمبروں سے پاس کیا ہے۔ عمر میں مجھ سے جتنے چھوٹے ہیں دیکھنے میں اس سے زیادہ چھوٹے نظر آتے ہیں۔ چہرے پر شگفتگی ہے۔ مذہبی رویوں کے آدمی ہیں۔ اختلافی مسائل سے دور رہتے ہیں از روئے پیشہ انجینئر ہیں مگر باغ و بہار آدمی ہیں کبھی کسی کے معاملے میں مداخلت نہیں کرتے۔ خوش رہو اور خوش رکھو شاید ان کا اصول ہے۔ وہ اور ان کی بیگم جب بھی ملتے ہیں اپنی نواسی اور ہماری پوتی مرسلہ کے تذکرے کرتے ہیں وہ اسے دیکھ دیکھ کر اور ہم سن سن کر

خوش ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے بھی ماں باپ کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ کامیاب و کامران کرے۔ جناب علیم الحق ویسے تو شہریت کے لحاظ سے پاکستانی ہیں مگر امریکی شہریت کے حقدار ہو چکے ہیں۔ اس کے لئے صرف ضابطے کی کارروائی ضروری ہے۔ ان کے دو بیٹے ہیں اور ایک بیٹی رومانہ ہماری دلہن ہے وہ ایک بھائی سے بڑی اور دوسرے سے چھوٹی ہیں بڑے بھائی کا نام سید مصطفےٰ حق اور چھوٹے کا سید مرتضیٰ حق ہے۔ بڑے بھائی کا بھی گھر آباد ہونے والا ہے۔ ان کا رشتہ طے ہو چکا ہے۔ خانہ آبادی کی منزل بہت قریب ہے۔ بلال میرا دوسرا اویس ہے میرے خیال میں تو یہ جملہ ہی بلال کے لئے کافی ہے اس لئے کہ اس ایک جملہ سے بلال ان تمام صفات سے متصف ہو جاتے ہیں جو میں نے اویس سے متعلق بیان کی ہیں۔ مگر میں تھوڑی صراحت کے لئے چند جملے اور کہوں گا وہ یہ کہ فطری انفرادی اختلافات کی خصوصیت کی وجہ سے کوئی بھی دو انسان ہو بہو ایک نہیں ہو سکتے بلکہ افراد اپنی بہت سی مشترک صفات کے ساتھ کچھ ذاتی خصلتیں ایسی رکھتے ہیں جو ایک کو دوسرے سے متمیز کرتی ہیں ان میں ایک انفرادی اختلاف ترتیب ولادت کا فرق ہے کہ کوئی عمر میں بڑا ہوتا ہے اور کوئی چھوٹا پیدائش کی ترتیب بھی شخصیت کے تعین میں نفسیاتی لحاظ سے اہمیت کی حامل ہے تو پہلا فرق تو اویس اور بلال میں یہی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے چھوٹے یا بڑے ہیں۔ اویس بلال سے سات سال بڑے ہیں مگر خاندانی روایات کے مطابق وہ اس سے زیادہ بڑے ہونے کی ذمہ داری قبول کرنے کو ہمہ وقت تیار ہیں۔ محبت اور شفقت اور بہی خواہی میں اویس کا رویہ بالکل ویسا ہی ہے جو میرا شائق اور اشفاق کے ساتھ تھا۔ اور علیٰ ھٰذہ بلال بھی عمل اور احساس دونوں زاویوں سے بڑے بھائی کے احترام و محبت میں کسی سے کم نہیں بلکہ وہ اپنے چھوٹے ہونے کی حیثیت پر نازاں بھی نظر آتے ہیں اور اویس کے لئے بالکل ویسے ہی عملی اور احساساتی رویہ رکھتے ہیں جو ہمارے مثالی اخلاقی نظام کا حصہ ہیں

بلکہ بعض باتوں میں تو میں نے یہ بھی دیکھا کہ کبھی کبھی وہ میری تجویز پر بھی یہ کہتے ہیں کہ ابو کہیں ایسا تو نہیں کہ بھیا ناراض ہو جائیں اس دور میں بھیا کا اتنا خیال رکھنے والا بیٹا ماں باپ کے ساتھ جیسا ہوگا اس کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ بلال میں شاید اویس سے کچھ زیادہ ہی استغنیٰ ایثار اور قناعت پسندی موجود ہے اس عہد میں چوبیس پچیس سال کے ایسے کتنے نوجوان ہوں گے جو والدین کی تنہائی یا بڑھاپے کا خیال کر کے امریکہ میں اپنی سکونت سے دستبردار رہ کر پاکستان کی سخت زندگی گزارنا پسند کریں گے۔ بلال ایسا ہی ہے شاید یہ اویس کی دوری کے سبب ان کی والدہ کے جذبات میں گاہے گاہے پیدا ہونے والی کیفیت کے ادراک کا نتیجہ ہے۔ پھر ہر موقع پر میں نے محسوس کیا ہے کہ گھر میں کوئی تقریب ہو یا ہنگامی صورت حال بلال ہر نازک صورت حال میں پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ فعال کردار ادا کرنے پر مستعد نظر آتے ہیں۔ بارہا ضرورت کے وقت بہنوں کے لئے خون دیا ہے بلکہ ہمیشہ سبقت کی ہے۔ یہ بھی شاید بڑے بھائی کے ملک سے باہر ہونے کے احساس کا نتیجہ ہے۔ آج ہی نہیں بلکہ بہت پہلے سے بلال میں ذمہ داری اٹھانے اور پوری کرنے کا حوصلہ ہے۔ مگر صرف ہنگامی حالات میں ورنہ روزمرہ کے معمولات میں خود اپنی چیزوں کی دیکھ بھال میں کتابوں اور کپڑوں اور جوتوں کی پالش کے معاملے میں وہ اگر اپنے چھوٹے بھائی محمد زید سے سبق لے تو آئندہ زندگی بہت آرام وہ گزرے گی۔ بلال اس وقت اپنے تعلیمی کیریئر کی تکمیلی حدود سے گزر رہے ہیں۔ یعنی ایم سی ایس مکمل ہونے والا ہے۔ بحریہ کالج کے طالب علم ہیں اور اچھی تعلیمی کارکردگی کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں۔ بہت سے معاملات میں اپنی نصابی ضروریات سے آگے ہیں اور یہ خاصہ صرف بلال کا ہی نہیں بلکہ "چہار درویش" کا ہے یعنی ایم سی ایس کے سال آخر میں صرف چار طلبہ ہیں چاروں کے روابط بہت اچھے ہیں بڑی حد تک ذہنی ہم آہنگی ہے اور جتنی ہے اس سے زیادہ ظاہر کرتے ہیں۔ اتفاق یہ کہ

رہائشی قربت بھی ہے ہر وقت ایک دوسرے کے شریک رہتے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ بردبار اور سنجیدہ کام سے کام رکھنے والے اور بنیادی قدروں کے حامل عرفان ہیں جو داخلے سے قبل بھی بلال کے ملاقاتی تھے اب دوست ہو گئے ہیں۔ ان میں ایک اور فعال اور مہذب شخصیت رضوان کی ہے۔ عقیدے کے معاملات میں یہ بلال سے ہم رنگ ہیں۔ خاندانی حوالے سے ایک خاص اخلاقی اور تہذیبی پس منظر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ شاید چاروں میں سب سے کم عمر بھی ہیں جس کا کبھی کبھی عملی مظاہرہ بھی کر جاتے ہیں۔ ویسے ایک کامیاب مستقبل کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ بلال عرفان اور رضوان کے ساتھ چوتھا نام فیصل کا ہے۔ سال آخر میں تمام سالوں سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ نسبتاً خاموش طبع اور سنجیدہ نظر آتے ہیں۔ شاید حلقہ احباب میں ایسے نہوں اپنے والدین کے اکیلے بیٹے ہونے کے سبب مزاج میں بعض نزاکتیں بھی داخل ہیں مگر خوش مزاج محنتی اور بہتر مستقبل کے متلاشی اور کامیابیاں حاصل کر لینے والے اطوار کے حامل ہیں۔ میں بلال کی ہی طرح ان تینوں کے لئے بھی دعا گو رہتا ہوں۔ بلال اس وقت تعلیم کے ساتھ ساتھ کچھ سلسلہ ملازمت بھی ایسا قائم کئے ہوئے ہیں جس سے اپنے روزمرہ معاملات میں وہ خود کفیل ہیں۔ میں نے اس دور کی بھاری فیسوں کی ذمہ داری ان پر نہیں ڈالی ہے وہ بوجھ میرا ہی حصہ ہے اور اس کے علاوہ دیگر فنی ضروریات کی کفالت میں اویس ان کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہے۔ اویس نے ابھی اس دور کا جدید ترین کمپیوٹر امریکہ سے بلال کو بھجوایا ہے جس میں ایک کیمرہ بھی ہے اور ایک مائیک بھی جس کے سبب ایسا دوسرا کمپیوٹر رکھنے والے سے بات بھی براہ راست ہوتی ہے اور دونوں ایک دوسرے کی شکلیں بھی حرکات و سکنات کے ساتھ دیکھ سکتے ہیں یہ کمپیوٹر اویس کی والدہ کے لئے سب سے زیادہ کارآمد ہے اس نے فاصلہ کے احساس کو بڑی حد تک کم کر دیا ہے۔ اس پر اویس ان کی بیوی اور بیٹی مرسلہ بیک وقت باتیں کرتے

اور ہنستے بولتے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح اویس بھی اپنے والدین اور بھائی بہنوں کو دیکھ لیتے ہیں۔ اویس کا شادی کے بعد سے ابھی تک کراچی آنے کا اتفاق نہیں ہو سکا ہے۔ اسی لئے ہم اپنی خوش نصیب و خوش خصال و خوش سلیقہ اور خوش عقیدہ دلہن سے نہیں مل سکے ہیں۔ مگر اس کے تخاطب میں اور لہجہ میں جو اپنائیت موجود ہے وہ فاصلوں کا تدارک کردیتی ہے۔ بلال صبح سویرے اٹھ کر کمپیوٹر پر آجاتے ہیں اور اویس شام کو آتے ہیں اس لئے دونوں جلد ہی مربوط ہوجاتے ہیں۔ اور پھر اچھی خاصی ملاقات ہوتی ہے بلال کمپیوٹر کھلا چھوڑ کر دفتر چلے جاتے ہیں جسے بعد میں زید کی فنی آگہی کا شکار ہونا پڑتا ہے ویسے بلال نے ملازمت کے معاملے میں اچھے پیشہ ورانہ رویہ کا مظاہرہ کیا ہے۔ کم سے کم مگر ضروری چھٹیاں' پیشہ ورانہ کارکردگی کے لئے لگاؤ اور دلچسپی ذمہ داری اور فرض شناسی کے عناصر پوری طرح ظاہر ہیں۔ تعلیم اور تربیتی ملازمت کے دوہرے بوجھ کے ساتھ گھر کی طرف بھی توجہ ہے۔ کھیلنے اور تفریح کرنے کا موقع گاہے گاہے میسر آتا ہے ویسے طویل ٹیلی فون کرنا اور اس پر طویل گفتگو کرنا اس کا معمول ہے۔ خدا جانے کس سے بات ہوتی ہے مگر یہ سلسلہ منگنی کے بعد سے شروع ہوا ہے!------ بلال کے سسرال والے بھی بہت اعلیٰ خاندان کے بہت عمدہ لوگ ہیں۔ اس خاندان کے سربراہ ایک نہایت بزرگ و برگزیدہ ہستی الحاج میاں محمود عالم سہروردی ہیں جنہیں توطن کی نسبت لاہور سے ہے سلسلہ طریقت سہروردیہ ہے۔ اس وقت کراچی میں صاحب سجادہ ہیں اور زیادہ مدت دہلی میں بسلسلہ ملازمت گزاری ہے۔ عجب اتفاق ہے کہ ہندوستان میں آکر مقیم ہونے والے ہمارے جدامجد شیخ مطیع اللہ شروانی بھی لاہور کے ایک سہروردیہ سلسلے کے بزرگ سے بیعت ہوئے تھے۔ "مردان خدا" کے حوالے کے مطابق "شیخ مطیع اللہ شروانی سید اعزالدین مکی لاہوری کے مرید تھے سہروردیہ سلسلہ تھا۔ ۸۷۴ء میں حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے وہیں سے پیرو مرشد کے ساتھ ہندوستان تشریف

لائے اور لاہور میں اقامت گزیں ہوئے۔ پیرو مرشد کے وصال کے بعد بسلسلہ تجارت بدایوں تشریف لائے اور عبداللہ مکی کے جنازے کی نماز پڑھاکر ان کی وصیت پوری کی۔ حالات کی یکسانیت اور زمانہ اور مکان کی مماثلت سے اندازہ ہوتا ہے کہ سید اعزالدین مکی لاہوری ان ہی بزرگ کو لکھا گیا ہے جن کا ذکر شریف حضرت خواجہ سید اعزالدین احمد یمنی کے زیر عنوان مردان خدا کے صفحہ نمبر ۱۱۷ پر موجود ہے۔ یہ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر سہروردیؒ سے مشرف بیعت ہوکر داخل سلسلہ سہروردیہ ہوئے۔ عمر بعض حضرات کے خیال سے تخمیناً "ڈیڑھ سو سال تھی تذکرہ الواصلین کے حاشیہ پر مولانا ضیاء القادری صاحب نے باقیات الصالحات کے حوالے سے لکھا ہے کہ سید اعزا الدین والد ماجد حضرت سلطان العارفین صاحب عہد پیری میں داخل سلسلہ سہروردیہ ہوئے۔ ۶۰۴ھ میں مع اہل و عیال بدایوں تشریف لائے ۱۸ رجب ۶۰۵ھ کو وصال ہوا۔ شیخ مطیع اللہ شروانی کے متعلق جامع انساب شرفائے بدایوں میں درج ہے کہ "از ہرات در بدایوں تشریف اور دند در ۶۲۰ھ" یعنی بدایوں میں ان کا توطن سید اعزالدین کے وصال کے پندرہ سال بعد ہوا اور ۱۷ رجب ۶۲۷ھ ملا عبداللہ مکی کا یوم وصال ہے جس دن شیخ مطیع اللہ شروانی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی اور خود شیخ مطیع اللہ شروانی کا یوم وصال ۱۷ شعبان ۶۳۴ھ ہے ان تمام حقائق کو اگر مربوط کیا جائے تو اندازہ یہی ہوتا ہے کہ جنہیں سید اعزالدین مکی لاہوری لکھا گیا ہے یہ درحقیقت وہی سید اعزالدین ہیں جو حضرت سلطان العارفین' حضرت شاہ ولایت اور حضرت خواجہ عثمان سہروردی کے والد ماجد ہیں۔ ان کے لئے لکھا گیا ہے کہ شیخ مطیع اللہ ان کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے اور لاہور میں اقامت گزیں ہوئے غرض یہ کہ آٹھ سو سال بعد شیخ مطیع اللہ شروانی کی نسبت کی تجدید ہوئی کہ بلال پھر لاہور کے سہروردیہ خاندان سے منسوب ہوگئے۔ الحاج میاں محمود عالم صاحب بلال سے بہت محبت فرماتے ہیں۔ وہ

اپنی اولاد کے لئے کہتے ہیں کہ یہ میری تسبیح کے دانے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس تسبیح میں انہیں امام کا رتبہ حاصل ہے اس دنیوی نسبت کے علاوہ بھی ان کی حیثیت اپنے کیریئر کے لحاظ سے ممتاز ہے۔ وہ کبھی ایک اعلیٰ درجہ کے "ڈرافٹس مین" تھے اور اسی نسبت سے انہیں یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ پاکستان کا پہلا ڈاک کا ٹکٹ تیار کرنے والے آرٹسٹ بھی ہیں۔ ان کے بڑے بیٹے میاں مسعود عالم سہروردی پاکستان ایئرفورس سے وابستہ تھے جو ایک حادثہ کی بنیاد پر طبی عذر کے سبب ایئرفورس کی ملازمت سے فارغ ہوکر اپنا ذاتی کاروبار کررہے ہیں۔ ان کے تین بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔ بیٹا چاروں میں سب سے چھوٹا ہے مگر صلوٰۃ وصوم کا پابند اور اپنے دادا کی تربیت اور دعاؤں کے سائے میں ہے۔ نام حمزہ مسعود ہے۔ مسعود عالم صاحب کی بڑی بیٹی رابعہ مسعود عنقریب رابعہ فیصل ہونے والی ہے اس کی نسبت فیصل سے ہوئی ہے جو پاکستان نیوی کے ایک افسر ہیں۔ خود رابعہ نے بی بی اے پاس کیا ہوا ہے اس سے چھوٹی بیٹی مہوش بلال سے منسوب ہے۔ آنے والا وقت انشاء اللہ عنقریب اس تصویر میں رنگ بھرے گا۔ مہوش سے چھوٹی بیٹی کا نام مدیحہ ہے اور وہ زیر تعلیم ہے۔ میاں مسعود عالم سہروردی کے چھوٹے بھائی میاں محبوب عالم سہروردی ہالینڈ میں قیام پذیر ہیں ان کے دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ ان سے چھوٹے بھائی میاں مودود عالم سہروردی ہیں۔ یہ پی آئی اے سے وابستہ ہیں۔ ان کے ایک بیٹا اور تین بیٹیاں ہیں ان سے چھوٹے بھائی میاں مرغوب عالم سہروردی ہیں۔ گاڑیوں کا کاروبار ہے۔ ان کے ایک بیٹا اور تین بیٹیاں ہیں سب سے چھوٹے بھائی میاں بدر عالم سہروردی ہیں۔ ان کے ایک بیٹا تھا جس کا انتقال ہوگیا اور اب ماشاء اللہ تین بیٹیاں ہیں۔ میاں محمود عالم سہروردی کے پانچ بیٹوں کے علاوہ تین بیٹیاں ہیں بڑی فاطمہ اجمل واحد ان کے ایک بیٹا اور تین بیٹیاں ہیں دوسری نگہت خالد زماں ان کے تین بیٹے چار بیٹیاں ہیں تیسری بیٹی نزہت عباس علی

ہیں ان کے ایک بیٹا اور تین بیٹیاں ہیں۔ میاں محمود عالم سہروردی کی سب سے بڑی بہو یعنی میاں مسعود عالم سہروردی کی بیگم کا نام سعیدہ ہے۔ وہ میاں محمد سعید کی بیٹی ہیں۔ ان کے تین بھائی اور تین بہنیں ہیں بڑے میاں منصور احمد تجارت کرتے ہیں ان سے چھوٹے میاں منظور احمد ہیں ان کے ایک بیٹا ہے اور سب سے چھوٹے میاں مشکور احمد ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ سعیدہ مسعود کی ایک بہن شمع شوکت مرحومہ تھیں ان کے ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں دوسری رخسانہ طاہر ہیں ان کے شوہر طاہر محمود واپڈا سے وابستہ ہیں ان کے تین بیٹے ہیں دوسری بہن یاسمین ذکی ہیں ان کے شوہر ذکی رفیع پاکستان اٹامک ریسرچ سے وابستہ ہیں۔ ان کے ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے۔ تینوں میں سب سے چھوٹی شبنم طاہر ہیں ان کے شوہر طاہر محمود ہیں ان کے ایک بیٹی اور ایک بیٹا ہے۔ یہ محمد بلال کے سسرالی اعزاء ہیں یعنی ان کی ہونے والی بیگم کے خالہ خالو اور چچا بھیا محمد بلال سے چھوٹا محمد زید میرا سب سے چھوٹا بیٹا ہے۔ محمد زید اس سال انٹر کا امتحان دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرمائے تو شاید یہ بھی کمپیوٹر کو ہی کیریئر بنائیں گے۔ اس لئے کہ بڑے دونوں بھائی کمپیوٹر سے ہی متعلق ہیں اور بلال کا اندازہ ہے کہ زید میں کمپیوٹر کی مطلوبہ صلاحیتیں موجود ہیں اور پھر یہ کہ یہ میدان زید کی دلچسپی کا بھی ہے۔ وہ اس وقت اس کی خاصی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ ویسے میں نے یہ دیکھا ہے کہ ذہانتی لحاظ سے زید میں سمجھنے اور یاد رکھنے کی دونوں صلاحیتیں موجود ہیں۔ اب دیکھئے عملی زندگی میں کس طرح بروئے کار آتی ہیں۔ ایک کامیاب زندگی گزارنے کے لئے بہت زیادہ ذہین ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ جو بھی سطح ذہانت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اسے عملاً" استعمال کرنا ضروری ہے۔ کامیاب زندگی وہی گزارتا ہے جسے اپنی صلاحیت اور دلچسپی کے مطابق پیشہ دستیاب ہوجائے۔ ویسے زید کی شخصیت ابھی تکمیل کے مراحل سے گزر رہی ہے۔ ابھی نو بلوغ کی منزل طے کی ہے جو نشو نما کے

لحاظ سے نازک ترین موڑ ہوتا ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس منزل سے بغیر کسی نفسیاتی زیاں کے کامیاب گزر گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اگلی منازل بھی آسان اور مبارک کرے ویسے شخصیتی لحاظ سے اس وقت زید میں دو خصوصیات بہت اعلیٰ درجہ کی موجود ہیں۔ ایک تو رہائشی سلیقہ اپنے کپڑے جوتے موزے اور کتابیں وغیرہ نہایت سلیقے سے باقاعدگی کے ساتھ صاف ستھرے انداز میں رکھتا ہے۔ دوم یہ کہ اس کی طبیعت میں فرض شناسی بہت اعلیٰ درجہ پر موجود ہے۔ کالج جانا' ٹیوشن پڑھنا یا سینٹر جانا اتنی باقاعدگی سے کرتا ہے کہ قابل داد ہے۔ اگر کبھی کسی گھریلو کام یا مصروفیت یا تقریب کی وجہ سے معمول ترک کرنے کو کہا جائے تو ایسا منہ بناتا ہے کہ خود شرمندگی ہونے لگتی ہے۔ جو ذمہ داری قبول کرلے اس میں یاددہانی کرانی نہیں پڑتی۔ خود ہی احساس رہتا ہے ویسے مزاج میں کچھ تندی ہے جو انشاء اللہ وقت کے ساتھ ختم ہوجائے گی بلکہ ختم ہورہی ہے۔ زید کو اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ وہ اپنے اندر ایثار اور تحمل پیدا کرے اس لئے کہ کوئی بھی شخص جو خود کو اپنی ذات پر مرکوز رکھے کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ یہ طفلانہ خصوصیت ہے کہ بچہ دوسروں کا مرکز نگاہ تو ہوتا ہے مگر خود اپنا مرکز نگاہ بھی بن جاتا ہے زید میں خود پسندی یا خودبینی تو نہیں ہے مگر "دگر پسندی" بھی ابھی پوری طرح نہیں آئی ہے جو مہذب زندگی کے لئے ضروری ہے۔ ویسے افہام و تفہیم اور سوجھ بوجھ کے معاملے میں بعض صفات انتہائی حیران کن موجود ہیں۔ اس نے خود اس کتاب کی ترتیب و تبویب میں بعض ایسے مشورے دیئے کہ میں حیرت زدہ رہ گیا اس کے دو دوست نما دشمن ہیں ایک موسیقی اور دوسرا کرکٹ وقت کے ساتھ دوست دشمن کی تمیز آئے گی اور طبیعت میں نرمی اور انسان دوستی ایثار اور خدمت کے جذبات پیدا ہوں گے تو زید بھی انشاء اللہ ایک مکمل اور قابل تعریف شخصیت کے حامل ہوجائیں گے۔ سب سے چھوٹی اولاد کی طرف سے بالعموم والدین کو زیادہ خدشات رہتے ہیں خدا کرے کہ زید کو بھی

زندگی میں آسانیاں، سہولتیں اور کامیابیاں حاصل رہیں اللہ تعالیٰ عسرت اور تنگی سے بچائے۔ عشرت اور کشادہ دستی عطا کرے۔ (آمین) ان تین بیٹوں کے علاوہ میرے دو بیٹیاں ہیں یہ دونوں اویس سے چھوٹی اور بلال اور زید سے بڑی ہیں۔ ان میں عروسہ بڑی اور عافیہ چھوٹی بیٹی ہے عروسہ خاموش طبع اور کام سے کام رکھنے والی مزاجاً سنجیدہ اور باوقار ہیں انہوں نے بی اے کے بعد بی ایڈ بدرجہ اول اور ڈی ایچ ایم ایس اعلیٰ نمبروں کے ساتھ پاس کیا ہے۔ اس وقت کمپیوٹر ٹریننگ لے رہی ہیں اور ہمہ وقت اپنی والدہ کی طرح اپنی دو چھوٹی بچیوں کی پرورش میں منہمک رہتی ہیں۔ نہلانا، دھلانا، صفائی ستھرائی ٹھیک ٹھیک غذا اور پوری توجہ سے بچوں کی پرورش کررہی ہیں۔ بچیاں ہر چند کے چھوٹی ہیں مگر ابھی سے کامیاب مستقبل کی نشاندہی کرتی ہیں سنا تھا کہ بچہ کے پاؤں ہنڈولنے میں ہی نظر آجاتے ہیں وہ اب ہم عملاً دیکھ رہے ہیں۔ عروسہ کی شادی میرٹھ کے ایک خاندان میں ہوئی جس کے سربراہ جناب محمد حامد ایک خاموش طبع اور ٹھنڈے آدمی ہیں ان کے بڑے بیٹے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں ان سے چھوٹے محمد ساجد جن سے عروسہ کی شادی ہوئی کمپیوٹر پروگرامر ہیں یہ شادی چونکہ ہماری اولاد میں سب سے پہلی شادی تھی اس لئے ناتجربہ کاری کی بنیاد پر تحقیق و تفتیش میں مجھ سے اور میری بیوی سے کچھ فرد گذاشتیں ہوئیں جس کے نتائج خنداں پیشانی سے بھگت رہے ہیں محمد ساجد ٹی بی کے مریض رہ چکے تھے جس کا ہمیں کوئی علم نہیں تھا پھر انہوں نے شاید اس کا آدھا پونا علاج کروایا تھا جس کے نتیجہ میں دواؤں کے کچھ منفی اثرات ذہن پر بھی مرتب ہوئے تھے اور ان میں رفتہ رفتہ اضافہ ہی ہوتا گیا انجام یہ ہوا کہ ایک دن لیٹے لیٹے اچانک چیخ مار کر بولے "میں نے عروسہ کو طلاق دی" ان کی والدہ نے استفسار کیا پھر یہی جملہ تکرار کے ساتھ کہا پھر اسی عالم میں شرعی علیحدگی کا ایک مراسلہ ارسال کردیا۔ ہم نے اسے مرضی مولا سمجھ کر شکرانے کے ساتھ قبول کیا کہ ہماری بیٹی مزید

کسی دوسرے قسم کے ضرر سے محفوظ رہی وہ بحمد اللہ اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں کے ساتھ خوشگوار زندگی گزار رہی ہے۔ بڑی بیٹی کا نام دانیہ ہے اور چھوٹی کا انجلا دونوں ہر آنے جانے والے کی توجہ کا مرکز بنی رہتی ہیں۔ انتہائی پر کشش اور جاذب نظر بچیاں ہیں۔ اللہ ان کے نصیب بہترین کرے آمین۔ میری دوسری بیٹی جو عروسہ سے چھوٹی ہے بچپن سے ہی ہوش وحواس اور سوجھ بوجھ والی لڑکی ہے۔ بی۔ اے اور بی۔ ایڈ فرسٹ ڈویژن میں پاس کئے ہیں اور ڈی ایچ ایم ایس بھی کیا ہوا ہے اس کا ایک بیٹا معاذ ہے۔ جب غنچہ شگفتہ ہو کر پھول بنے گا تو مہک کا اندازہ ہو گا اس کے لئے ہم سب دعاگو ہیں ویسے عافیہ اپنے شوہر فراز کے ساتھ پر سکون کامیاب زندگی گزار رہی ہے۔ فراز کا پورا نام محمد احمر فراز ہے اور ایک انتہائی معروف فزیو تھراپسٹ ہیں۔ نیکی اور سعادت مندی ان کی طبع میں داخل ہے۔ ذمہ داریاں پوری کرنے والے اور بوجھ اٹھا کر خنداں پیشانی سے چلنے والے اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے ہیں ان کی بڑی بہن کا نام شاذیہ ہے۔ ان کی شادی ہو چکی ہے ان کے شوہر کا نام حامد ہے ان کے ایک اچھی سی چھوٹی سی بیٹی وجیہ ہے۔ فراز کی چھوٹی بہن جاوداں فرحین نے ابھی تعلیم کی تکمیل کی ہے اور عنقریب عملی زندگی میں داخل ہونے والی ہیں۔ فراز کے والدین نے ان کی پرورش بڑے سلیقہ اور محنت سے کی ہے ان کی والدہ ایک گھریلو باوقار خاتون ہیں جو رشتوں کے تقاضے پورے کرنے پر خاص نظر رکھتی ہیں اور فراز کے والد بزرگوار ایک انتہائی نیک نفس اور سادہ مزاج انسان ہیں۔ مذہبی شخصیت ہیں ان کے معمولات اور برتاؤ میں اور اخلاق و آداب میں خاندانی عظمت کے اثرات واضح ہیں ان کا نام کنور اویس احمد خان ہے علی گڑھ کے ایک معزز و مہذب گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ کراچی میں میری اولاد اور قرابتوں کا بیان اس وقت تک میری دانست میں نامکمل رہے گا جب تک میں ایک اور ایسے شخص کا تذکرہ نہ کرلوں جو میرے گھر میں میری اولاد کی طرح ہے۔ خاندانی قربتوں

میں اس سے آبائی تعلقات تو نہیں ہیں مگر اس کی ذات کی ہی وجہ سے اس کے والدین سے بھی روابط تھے اور اس کے بہن بھائیوں اور بیوی بچی سے بھی ہیں۔ یہ ہیں جناب فیروز احمد جناب وجیہہ الدین کے بیٹے ہیں۔ خاندانی لحاظ سے ان کا تعلق پنجابی سوداگران دہلی سے ہے اور رہائش پیر الٰہی بخش کالونی میں ہے از روئے پیشہ تدریس سے تعلق رکھتے ہیں اور ہومیو پیتھک ڈاکٹر بھی ہیں۔ بی۔ اے کے ساتھ چھوٹے بچوں کی تدریس کا تربیتی امتحان بھی پاس کیا ہے اور ڈی ایچ ایم ایس بھی ہیں یعنی جیسے میرے دو پیشے معلمی اور طب ہیں اسی طرح ان کے بھی دو ہی پیشے ہیں مگر فرق یہ ہے کہ میں نے ہومیو پیتھی کا امتحان ڈھلتی ہوئی عمر گزرنے کے بعد پاس کیا جبکہ یہ جوانی سے ہی مستند ڈاکٹر ہیں۔ سرکاری ملازم کی حیثیت سے ایک اسکول میں پڑھا رہے ہیں۔ اپنے شخصی اوصاف کے لحاظ سے بہت اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ روابط پیدا کرنے' انہیں قائم رکھنے اور نبھانے کی صلاحیت قدرت نے عطا کی ہے ان کے حلقہ روابط میں مولانا محمود مکی جیسی شخصیتیں رہی ہیں ملنے والوں میں محترم ہیں کام آنے والے دوسروں کی خدمت کا جذبہ رکھنے والے انسان ہیں اگر خود ان سے رائے لی جائے تو شاید قربت کے لحاظ سے وہ اپنے والدین کے بعد میرا اور میری بیوی کا نام لیں گے یہ ان کی خوئے وفا سپاس گزاری اور شرافت کے سبب ہے۔ ذہین سوجھ بوجھ والے محنتی انسان ہیں انہیں دیکھ کر اکثر اجنبی مجھ سے یہ سوال کرتے ہیں کیا یہ آپ کے بیٹے ہیں۔ میرے ساتھ کلینک میں بیٹھتے ہیں اور آنے جانے والے مریضوں اور ان کے ساتھ آنے والوں سے خوش اخلاقی سے ملتے ہیں۔

ان کی حدود عمل میرے کلینک تک ہی نہیں بلکہ میری بیوی کی وجہ سے میرے گھر کے اندر تک بلکہ ذاتی مسائل اور ان کے حل میں معاونت تک بسیط ہیں میری بیوی نے فیروز کو بیٹوں کی طرح پالا ہے اور وہ اپنے اس طرح قائم ہونے والے حق کو بھرپور طریقہ سے استعمال کرتی ہیں۔ جب کبھی فیروز تنک مزاجی یا برہمی کا مظاہرہ

کرتے ہیں میری بیوی کی ایک دو ڈانٹیں ان کے لئے کافی ہوتی ہیں۔ یہ طرفین پر ایک دوسرے کے حقوق کے ادراک سے متعین ہونے والا رویہ ہے۔ میری بیوی نے فیروز پر بہت محنت کی ہے اس کی پرورش و تربیت میں، صفائی ستھرائی میں، سلیقہ مندی میں، آداب سکھانے میں، طریقے بتانے میں، تعلیم کی تکمیل میں شخصیت کی سجاوٹ میں غرض ہر طرح ایک اعلیٰ کردار ادا کیا ہے جس کا مجموعی نتیجہ فیروز کی باوقار شخصیت ہے۔ فیروز کی شادی کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا ان کے اچھی سی ایک چھوٹی بیٹی ہے جس کا نام خضرہ ہے اور نیک بیوی ہے جس کا نام شگفتہ ہے وہ آج تک ہمارے اور فیروز کے درمیان وجہ فصل نہیں بنی ہے اس لئے پہلے سے کم مگر موجودہ حالات میں مناسب فیروز کا وقت ہمارے ہاں ہی گزرتا ہے۔ بالخصوص کلینک کے اوقات میں چھ بجے شام سے نو بجے رات تک اور کبھی کبھی بلکہ اکثر اس کے بعد بھی کچھ وقت گھریلو مصروفیات کی نذر ہو جاتا ہے۔ فیروز کے سامنے ہمارے گھر کے معاملات اور حالات اور اقتصادی کوائف ایک کھلی کتاب ہیں فیروز ان تمام معاملات میں ہمارے مفادات کی از خود بھرپور نگرانی کرتے ہیں۔ میرے سب بچے بلکہ قریبی اعزاء و اقارب کے بچے بھی سب ان کو فیروز بھائی کہتے ہیں اور فیروز بھی لقب کی قربت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے جذباتی اور عملی ہر دو لحاظ سے بہترین رویئے کا مظاہرہ کرتے ہیں خاص کر دانیہ اور انجلا پر جان چھڑکتے ہیں اور وہ دونوں بھی فیروز سے بہت مانوس ہیں۔ سلسلہ کلام یہاں مکمل کر کے اب میں اگلے باب کی جانب بڑھتا ہوں جو اس کتاب کا آخری باب ہے اور جس میں تمام کے تمام ہی میری ذات کے حوالے شامل ہیں۔

پانچواں بابُ

میں

کچھ بھی نہیں

یہ باب میرے لئے کھٹن ہے اس لئے کہ خود نویسی میں "انا" اور "نفس" کی پر پیچ شرارتوں سے بچنا بہت مشکل کام ہے کوئی شخص کتنا بھی معروضی ہونے کی کوشش کرے اس کی معروضیت بھی موضوعی ہوگی۔ یہ بات اپنی جگہ ہے کہ بعض لوگوں کی نظر میں موضوعیت بھی ایک حقیقت ہے مگر جو لوگ راہ سلوک، روحانیت اور باطن کا ذرا بھی لحاظ رکھتے ہیں کبھی "میں" کے چکر میں نہیں پڑتے۔ راقم الحروف جس سلسلہ طریقت سے وابستہ ہے اس کا پہلا سبق "میں" کی نفی اور "اس" کی اثبات ہے۔ اگر آپ غور فرمائیں تو اسلام کا بھی پہلا سبق "کل" کی نفی اور ایک کی اثبات ہے یعنی لا الہ الا اللہ اور اس حقیقت عظمٰی کے بیان کے ساتھ ہی اس کی سند بھی موجود ہے کہ یہ حقیقت ہماری دریافت شدہ نہیں ہے بلکہ محمدؐ نے ہمیں بتائی ہے جو اللہ کے رسول ہیں۔ اس میں تین بڑے ٹکڑے ہیں یعنی اول کل مخلوق کی نفی ------ دوم ذات باری تعالٰی کی اثبات ------ اور اس کے ساتھ ہی ایک اور اثبات وہ محمدؐ کے رسول ہونے کی اور رسول کے سامنے حکم ہے "امنّا و صدّقنا" کہنے کا یعنی اسکیؐ بات کے سامنے ہماری بات کچھ نہیں اور اسکیؐ ذات کے

سامنے ہماری ذات کچھ نہیں چنانچہ کلمہ توحید کی معنویت میں رسول کی اثبات کے ساتھ اپنی نفی شامل ہے یعنی "میرا ماہی صل علیٰ میں کچھ بھی نہیں" یہی ہمارے سلسلے کا پہلا سبق ہے یہ سلسلہ تبلیغی نہیں ہے دنیا بھر سے انوکھا اور نرالہ سلسلہ ہے۔ اس کی نسبت اویسی ہے اور اویسی نسبت کا یہ خاصہ ہے کہ اس میں "تعلق روحانی" ہوتا ہے کسی شخص کو جس ولی کامل کی روحانی سے باطنی نسبت ہوجاتی ہے اس پر فیض روحانی جاری ہوجاتا ہے اور روحانیاں زمان و مکان کی قید سے آزاد ہیں اس لئے اس نسبت میں طالب اور شیخ کا ایک عہد میں ہونا یا ایک کا دوسرے کو ظاہرہ دیکھنا ضروری نہیں ہے جیسا کہ اویس قرنیؓ نبی کریمؐ سے ظاہر میں ملاقات نہیں کرسکے مگر قرب باطن کا یہ حال کہ دوسری مثال موجود نہیں۔ یہاں شیخ طالب کی دستگیری روحانی طور سے کرتا ہے جیسا کہ سرکار غوث پاکؒ نے فرمایا "بحال وخلو انتمہ رجال" یہی وجہ ہے کہ وہ اولیائے کرام جن کا فیضان اس نسبت سے جاری ہوتا ہے "تبلیغ و وعظ" پر زور نہیں دیتے بلکہ ان کی نظر باطنی اصلاح پر رہتی ہے اور چونکہ یہاں بیعت ظاہری دست بدست لازم نہیں ہے اسی لئے یہ سلسلہ پابوسی و دست بوسی سے آزاد ہے۔ اگر اس سلسلے میں طالب و شیخ ظاہرہ طور سے بھی ساتھ ہوں تو وہ "پیر مرید" کی طرح نہیں بلکہ باپ بیٹے کی طرح رہ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے بانی سلسلہ نے فرمایا کہ پیر تو سرکار غوث پاک ہیں مجھے تم "ابا جی" کہا کرو اور باہم بھائیوں کی طرح رہو۔ فرماتے تھے میں بھی سرکار کا غلام ہوں اور تم بھی ہم نے تو یہاں ایک برادری بنالی ہے کہ باہم ایک دوسرے کے معاون رہیں۔ کبھی نذرانہ نہیں لیتے تھے کبھی اپنے لئے کوئی مسند یا خصوصی نشست نہیں رکھی اور دوسروں کو بھی یہی تلقین کی۔ غلام تو غلام ہے اور غلام پیر نہیں ہوسکتا۔ غرض یہ کہ "اباجیؒ" نے ایک ایسے سلسلے کی بنیاد ڈالی جس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی۔ یہ براہ راست سلسلہ ہے اس میں قادری، سروری، پنجتنی فیضان جاری ہے اور اس کی

راہیں "فقر محمدی" کی راہیں ہیں۔ درود تاج شریف، قصیدہ غوثیہ اور اسماء کا ورد بطور خاص ہے اور اس سے پیشتر استغفار، لاحول اور بالخصوص درود شریف کی کثرت ہے۔ کرامات سے گریز ہے اور ایک عام آدمی کی سی شرعی زندگی اس کا طریق ہے۔ ہاں اپنی ذات کی نفی اور صل علیٰ لازم ہے۔ اسی لئے اس باب کو عنوان دیا گیا ہے "میں کچھ بھی نہیں" کہ مقصود بیان ذات میں بھی نفی ذات ہے۔ چنانچہ جہاں بھی لفظ "میں" آئے وہ مظہر انانیت نہیں بلکہ ضمیر متکلم ہے۔ اس پیش بیانی کے بعد عرض کروں کہ میں نبی کریمؐ کا ایک ادنیٰ امتی حضرت غوث الاعظم کا ایک حقیر غلام نسلاً" صدیقی اور نسبتاً" قادری ہوں۔ پیدائش اور ابتدائی پرورش مدینتہ الاولیا کی ہے۔ جوانی اور بڑھاپا کراچی سے وابستہ ہے۔ مجھے دینوی اور دینوی ہر لحاظ سے بعض بڑی شخصیتوں سے نسبت پر فخر ہے۔ اسی فخر کو میں غالب کے ایک مصرع میں ترمیم کے ساتھ یوں بیان کرتا ہوں کہ

"ہم اس کے ہیں اور اس کا پوچھنا کیا"

میری رسمی تعلیم کا آغاز اس وقت ہوا جب میری عمر ۴ سال ۴ ماہ اور ۴ دن تھی۔ تاریخ پیدائش ۲۱ شعبان ۱۳۵۴ھ ہے تاریخی نام رکھنے کی کوشش کی گئی تھی مگر ناکام اس لئے کہ جو نام تجویز کیا گیا تھا اس میں ایک سال کم رہتا ہے۔ نام مظفر عباس تجویز ہوا تھا۔ اس کے اعداد ۱۳۵۳ء ہوتے ہیں چنانچہ یہ کہہ کر چھوڑ دیا گیا کہ نام مظفر عباس ہی رہنے دو اس میں ایک کا اضافہ کر کے صحیح سنہ پیدائش آجائے گا۔ مجھے جب شعور آیا تو میں نے وہ کام مکمل کیا جو میرے بزرگوں نے ادھورا چھوڑ دیا تھا یعنی مظفر عباس کو مظفر اقبال کر دیا جس کے اعداد ۱۳۵۴ھ ہوتے ہیں تو میرا سنہ پیدائش نکالنے کے لئے نام مظفر اقبال ویسے محمد فائق ہے۔ مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میرے پہلے استاد محترم مولوی یونس علیؒ صاحب تھے جن کے لئے ہر اہل بدایوں کے دل میں احترام ہے وہ اپنے عہد کے ایک جید عالم اور ولی اللہ تھے۔

انہوں نے مجھے "بسم اللہ خوانی" کروائی تھی۔ یہ ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ کا دن تھا جب یہ رسم خموشی سے ادا کی گئی۔ اس کے بعد کچھ وقفہ سے میری بسم اللہ خوانی کی تقریب ہوئی جسے اہل بدایوں اپنی زبان میں "مکتب" کہتے تھے اس تقریب میں بر سر محفل حضرت خواجہ نظام الدین قادریؒ نے مجھے بسم اللہ پڑھائی خواجہ صاحب بھی ایک کامل شخصیت اور قادریہ سلسلے کے بزرگ تھے اور یہ میرے دوسرے استاد تھے۔ انہوں نے بعد میں میری تدریس کی ذمہ داری مولوی عبدالغفور صاحب کے سپرد کی انہوں نے ضعیف العمری کے باوجود خواجہ صاحب کے فرمانے پر یہ ذمہ داری قبول فرمالی اور کچھ دن تک وہ میرے گھر تشریف لاکر میری ابتدائی تدریس کرتے رہے پھر انہوں نے یہ ذمہ داری اپنے بیٹے مولوی عبدالرشید صاحب کے سپرد کردی۔ مولوی عبدالرشید صاحب نے میرے اوپر بڑی محنت کی اور مجھے حروف سے نکال کر لفظوں اور جملوں تک لائے اکایوں کی گنتی سے دہایوں سینکڑوں اور ہزاروں کی ضرب تقسیم تک پہنچایا۔ ادھر ایک مولوی صاحب جو افغانستان کے رہنے والے دینی طالب علم کی حیثیت سے بدایوں آئے تھے اور وہیں مقیم ہوگئے بڑے قدو قامت والے انتہائی سادہ اور نیک انسان تھے "علمی جی" کہلاتے تھے جامع مسجد شمسی کے امام تھے۔ انہوں نے کلام پاک پڑھانا شروع کیا۔ والد مرحوم نے "کنگ ریڈر" شروع کرائی اور مولوی احمد حسین صاحب کو خوشخطی سکھانے کا فریضہ سونپا گیا۔ مرحوم نے گود میں بٹھالکر اور ہاتھ پکڑوا کے تختیاں لکھانی شروع کیں مگر میں درپردہ دائرے صحیح بنانے کے بجائے انہیں بگاڑنے کی ہی کوششیں کرتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج بھی خط اچھا نہیں ہے۔ مگر مولوی صاحب کی محنت کا کچھ اثر ضرور ہے اس طرح گھر پر ابتدائی تعلیم کا آغاز ہوا پھر اسکول جانے کا عادی بنانے کے لئے فقیر واجد علی شاہ کی خدمات حاصل کی گئیں وہ چنگی کے اسکول میں صدر مدرس تھے روزانہ صبح اپنے ساتھ لے جاتے تھے اور ساتھ ہی واپس لاتے تھے۔ "ماسٹر صاحب کی اتنی قربت

نے" دوسرے طلبہ سے ہمیں ممتیز کردیا جس کے تعلیم پر مثبت اثرات مرتب ہوئے۔ یہ مدرسہ اوراس کا نقشہ آج بھی مجھے یاد ہے۔ فرشی نشست قلم اور تختی یا سلیٹ اور پنسل باآواز بلند گنتی اور پہاڑے کیا نتیجہ خیز سادگی تھی تھوڑے عرصہ اس طرح گزارنے کے بعد "مشن اسکول" بدایوں میں چوتھے درجہ میں ہمارا داخلہ ہوگیا۔ میرے والد مرحوم بھی اسی اسکول کے طالب علم رہے تھے اور میری طالب علمی کے زمانے تک ان کے تین استاد اور دو ساتھی اسی اسکول میں استاد تھے۔ یہ پانچوں استاد والد صاحب کے حوالے سے مجھے جانتے تھے اور خاص شفقت اور نگرانی کرتے تھے ان میں مولوی وحید اللہ فارسی کے استاد تھے جن سے میں نے چند اسباق پڑھے تھے پھر وہ اسکول کی ملازمت سے بوجہ پیرانہ سالی سبکدوش ہوگئے تھے۔ دوسرے استاد ڈرائنگ ماسٹر بابو رام تھے یہ سکھ تھے انتہائی خوش مزاج اور وضع دار انسان تھے مجھے سب سے اگلی سیٹ پر بیٹھا دیکھ کر اکثر فرماتے تھے کہ "مولوی تیرا باپ بھی یہیں اسی طرح بیٹھتا تھا" میرا خاص خیال رکھتے تھے۔ تیسرے استاد "ہری پرپن سہائے" ہندو تھے یہ انگریزی کے معمر استاد تھے انہوں نے والد صاحب کو انگریزی پڑھائی تھی۔ ان تین کے علاوہ "مسٹرل" اور "مسٹر یوریل" میرے والد کے ہم جماعت رہے تھے وہ بھی مجھ پر خصوصی نظر رکھتے تھے۔ ان اصحاب کی وجہ سے مشن اسکول کا زمانہ بہت خوب گزرا یہاں میں نے ساتویں درجہ تک تعلیم پائی پھر گورنمنٹ اسکول میں چلاگیا یہاں کے ہیڈ ماسٹر ابرار صاحب بھی والد صاحب کے یا تو استاد رہے تھے یا ویسے واقفیت تھی۔ یہ تھوڑے ہی عرصہ بعد اسکول سے ریٹائر ہوگئے اوران کی جگہ جناب صغیر احمد صدیقی پرنسپل ہوکر آئے۔ یہ بڑے وضع دار اور باوقار انسان تھے۔ نفسیات کے ایم اے تھے۔ ایل ٹی بھی کیا تھا۔ انہوں نے بدایوں آکر ہمارے گھر کے قریب ہی ایک مکان کرائے پر لیا تھا آتے جاتے میں انہیں ہمیشہ سلام کرتا تھا اس لئے صورت شناسائی اور واقفیت ہوگئی

تھی۔ پھر یہ کہ وہ مجھے بیت بازی کا ہیرو کہتے تھے اور میرے حافظہ اور خوش ذوقی کا اپنے احباب میں تذکرہ کرتے تھے۔ انہوں نے بہت سے بین المدارس مقابلوں میں مجھ سے بہت اچھے اچھے شعر سنے تھے اور بعض پر بے ساختہ داد بھی دی تھی۔ ان کی پروقار شخصیت آج تک میرے لئے موجب تحریک ہے۔ بدایوں میں ان کے دو دوست تھے ایک جناب فرید بخش اور دوسرے ریاض فرشوری۔ یہ دونوں ہمارے اقارب تھے۔ اسی اسکول میں میرے والد کے ایک ہم جماعت جناب علی رضا صاحب بھی استاد تھے۔ وہ بھی میرا خاص خیال رکھتے تھے۔ پھر ماسٹر باقر صاحب یہ میرے رشتہ کے چچا بھی ہوتے تھے۔ اردو کے استاد جناب محمد علی اشرفی صاحب خاص شفقت فرماتے تھے اور بڑی ہمت افزائی کرتے تھے۔ جناب منصور صاحب ہمارے ایک عزیز تھے وہ بھی وہیں استاد تھے۔ انگریزی کے استاد محمد علی صاحب بھی باہر سے تشریف لائے تھے اور ہم محلہ ہوگئے تھے۔ جگدیش سہائے سائنس کے استاد مشن اسکول سے میرے ساتھ ہی یہاں آئے تھے۔ غرض یہ کہ اس اسکول میں بھی بہت سے جاننے والے اساتذہ کے سبب بڑی تقویت رہی۔ خاص کر جناب محمد علی اشرفی اردو کے استاد سے میں بہت قریب تھا۔ جب میں مشن اسکول کا طالب علم تھا تو صبغت اللہ قادری جن کا پہلے تذکرہ آچکا ہے میرے ہم جماعت تھے ان کے والد بزرگوار جناب فراست اللہ قادری میرے ٹیوٹر تھے انہوں نے بھی مجھے بڑی شفقت اور محبت سے پڑھایا ہے۔ پھر میٹرک کے زمانے میں جناب محمد عظیم صاحب نے مجھے گھر پر ریاضی پڑھائی ہے۔ وہ شطرنج کے بھی بہت اچھے کھلاڑی تھے اور ریاضی کے اچھے استاد کی حیثیت سے بہت شہرہ رکھتے تھے۔ فزکس اور کیمسٹری کے لئے میرے ٹیوٹر جناب اعجاز صاحب رہے تھے یہ ہمارے ہیڈ ماسٹر ابرار صاحب کے بھائی تھے۔ غرض یہ کہ مجھے اسکول کے زمانے میں اپنے اپنے حلقے اور مضمون کے اچھے اور معروف اساتذہ سے پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ بدایوں میں الہ آباد بورڈ سے

میٹرک کا امتحان دینے کے بعد کراچی آکر نتیجہ سنا کہ پاس ہوگیا ہوں۔ سب سے پہلے فرسٹ ایئر سائنس میں ڈی جے کالج میں داخلہ کی کوشش کی داخلہ ہوگیا مگر عمر کا سرٹیفکیٹ اور سند موجود نہ ہونے کی وجہ سے داخلہ جاری نہ رہ سکا بالآخر اردو کالج نے مشروط داخلہ دینا منظور کرلیا۔ اس وقت اردو کالج کراچی کا بلکہ پورے پاکستان کا ایک ممتاز اور معیاری ادارہ تھا۔ کراچی میں ڈی جے کالج کے علاوہ صرف چار کالج موجود تھے۔ تین تحریکی بنیاد پر چلنے والے کالج، ایک اردو کالج دوسرا جامعہ ملیہ اور تیسرا ایس ایم کالج چوتھا کالج جناب اے ایم قریشی نے اسلامیہ کالج کے نام سے قائم کیا تھا۔ ان چاروں کالجوں میں اردو کالج اس اعتبار سے ممتاز تھا کہ اس میں تدریسی عملہ بہت اعلیٰ درجہ کا تھا کچھ اردو کی تحریکی حیثیت کچھ بابائے اردو مولوی عبدالحق کی ذات کا اثر کہ ہندوستان سے ہجرت کر کے آنے والے بہترین اساتذہ نے اپنی خدمات اردو کالج کے لئے مختص کرنا پسند فرمایا تھا ان میں حیدر آباد دکن کے تحریک اتحاد المسلمین کے سربراہ مولانا مظہر علی کامل، مولانا سید سلیمان ندوی کے شاگرد خاص مولانا منتخب الحق، پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان جو ماشاء اللہ اس وقت بھی بقید حیات ہیں اور ایک زندہ ولی اللہ ہیں۔ پروفیسر حبیب اللہ غضنفر جو اردو، عربی اور فارسی ایک ہی روانی سے لکھتے تھے اور بہت ہی عمیق المطالعہ استاد تھے۔ عروض اور تاریخ ادب ان کے خاص موضوعات تھے۔ پروفیسر ولی محمد صاحب جو انگریزی کے ایک کلاسیکی استاد تھے۔ معاشیات کے پروفیسر حسن عادل، جغرافیہ کے ش ضحیٰ، ریاضی کے حنفی صاحب فارسی کے مولانا عبدالرشید فاضل، فلسفہ و نفسیات کے ڈاکٹر حسین الدین زبیری اور خواجہ آشکار حسین جیسی شخصیات اسی کالج کے دامن تدریس سے وابستہ تھیں۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ ایسے مایہ ناز اساتذہ کرام سے شرف تلمذ حاصل ہوا یہ اساتذہ کرام میدان علم کے علاوہ سیرت و کردار اور شخصیتی صفات کے لحاظ سے بھی اپنی جگہ آپ تھے۔ مولانا مظہر علی

کامل خوش اخلاق' خوش بیان' خنداں پیشانی' اداب و تہذیب کا ایک نمونہ تھے۔ طلبہ کے بے حد ہمدرد اور مشفق فقیرانہ مزاج نرم خو اور بہترین کلام کرنے والے بزرگ تھے۔ ان کے علاوہ ایک اچھے انسان ایک اچھے استاد اور ایک اچھے معلم کی تمام خصوصیات سے متصف پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ اپنی جوانی میں بھی ایک مرد مومن کی تصویر اور آج بھی ایک کامل ولی اللہ مجھے ان کی شاگردی کا بھی شرف حاصل ہے۔ ایک اور نیک خو' قادر البیان' خوش کلام صاحب استدلال اور مستحضر علم کا خزانہ مولانا منتخب الحق صاحب جن کی خصوصیت یہ تھی کہ نیند سے اٹھا کر کسی عمیق اور دقیق مسئلہ پر گفتگو کیجئے مولانا ایسے گفتگو فرماتے تھے جیسے اس موضوع پر پوری تیاری کر کے آئے ہیں۔ ان کا لہجہ اور زبان ایک مفکر کا انداز منطق سے مزین دلائل سے بھرپور حوالوں کے ساتھ ٹھہرے ٹھہرے اور ٹھنڈے طریقہ سے کانوں میں رس گھولتی ہوئی آواز دل میں اتر جانے والی باتیں۔ میرے ساتھ شفقت خاص رکھتے تھے۔ میری تقریر پر مولانا منتخب الحق کے اور تحریر پر پروفیسر خواجہ آشکار حسین کے اثرات بہت نمایاں ہیں۔ خواجہ آشکار حسین کا تذکرہ پہلے بھی آچکا ہے۔ میں نے ان سے استفادہ علمی کے ساتھ عادات و اطوار اور سیرت و کردار اور طریق تحریر میں بھی استفادہ کیا ہے۔ بحیثیت ایک انسان اور بحیثیت ایک استاد دونوں طرح مجھ پر ان کے بڑے احسانات ہیں۔ ان ہی کی تجویز اور کوشش سے اردو کالج میں مجھے تدریس کا موقع ملا اور ان کی ہمت افزائی اور امداد سے تصنیف و تالیف میں میری ہمت افزائی ہوئی۔ ان دونوں جہتوں میں میری محسن ایک اور شخصیت بھی تھی اور وہ تھے جناب کرنل عطا الرحیم' مرحوم نوجوانوں کے ساتھ بڑے مشفق تھے۔ انہوں نے بھی تصنیف و تالیف کے میدان میں میری بڑی ہمت افزائی کی ہے اور میرا کیریئر بنانے میں بڑے مددگار و معاون رہے ہیں۔ انہوں نے ایک بار مجھ سے فرمایا کہ فائق صاحب ایک بات یاد رکھیں کہ اچھا کاریگر تعزیہ

دفنانے کے ساتھ ہی اگلے تعزیہ کے لئے بچی چھیل کر رکھ لیتا ہے۔ آپ تصنیف و تالیف کے معاملے میں ایسا ہی کریں۔ ان کی اس نصیحت کا ہی نتیجہ ہے کہ اس وقت میری کتابوں کی تعداد ایک درجن سے تجاوز کر چکی ہے۔ کوئی بھی حال رہا ہو قلم ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔ مرحوم کرنل عطا الرحیم اردو کالج کے پرنسپل تھے جو میرے تقرر کے چند ماہ بعد کالج آئے تھے بلکہ یوں کہئے کہ ان کے آنے کے چند ماہ بعد کالج میں ان کی ہی کوششوں سے میرا باقاعدہ تقرر ہوا تھا اور ان کی ہی کوششوں سے مجھے فیروز سنز میں بتواتر ملازمت کالج کچھ دن تصنیف و تالیف کے میدان میں خدمات انجام دینے کا اتفاق ہوا۔ کرنل صاحب مرحوم کی شخصیت کا ایک نازک پہلو یہ تھا کہ دوسروں پر بے حد اعتماد کرتے تھے اور ان کے بہکائے میں بھی آجاتے تھے۔ مجھے اس بات کا بے حد افسوس ہے کہ کالج کی سیاست میں ملوث بعض اساتذہ کی بدولت وہ آخر میں مجھ سے کچھ کبیدہ خاطر ہوگئے تھے اور حالات کی مجبوری یہ تھی کہ میں اس کبیدگی کا تدارک بھی نہ کرسکا۔ بہرحال اس وقت یہ چند سطور ان کی خدمت میں میرا معذرت نامہ ہے۔ اردو کالج کے اساتذہ کرام میں ایک اور استاد پروفیسر ڈاکٹر حسین الدین زبیری بھی مجھ پر بہت ملتفت تھے۔ جب میں نے اردو کالج سے انٹرپاس کیا اس وقت ہی جامعہ کراچی میں نفسیات کا شعبہ قائم ہوا اور جناب زبیری صاحب اس شعبہ میں استاد مقرر ہوئے۔ ان کے ہی مشورے پر میں نے جامعہ کراچی شعبہ نفسیات میں فرسٹ ایئر آنرز میں داخلہ لیا اور سال بھر شعبہ کا پہلا اور اکلوتا طالب علم رہا۔ گھریلو حالات کی خستگی کے سبب میں اس اکلوتے پن کا کوئی خاص فائدہ نہ اٹھاسکا۔ چند دن بعد پروفیسر قاضی اسلم جو گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے تھے شعبہ ہذا کے صدر مقرر ہوئے اس کے بعد ایم۔ اے پریویس کے داخلے شروع ہوئے شعبہ کی رونق میں اضافہ ہوا اور گہما گہمی بڑھ گئی مگر مجھے اقتصادی ناہمواریوں کے سبب سلسلہ تعلیم منقطع کر کے نیشنل

بینک آف پاکستان میں ملازمت اختیار کرنی پڑی۔ ایک سال تک سلسلہ ملازمت چلا تھا کہ میرے ایک دوست سید عزیز الحسن نے مجھے سلسلہ تعلیم دوبارہ جاری کرنے پر راغب کیا میں بوجہ حالات تعلیم سے مایوس ہو چکا تھا مگر سید عزیز الحسن کی حوصلہ مندی ہمدردی اور معاونت سے یہ سلسلہ دوبارہ شروع کیا۔ سید عزیز الحسن سے میرے تعلقات انٹرمیجٹ کی طالب علمی کے زمانے سے تھے جب میں نے اردو کالج میں داخلہ لیا اس وقت سید شاہ حسن جیلانی میرے ہم جماعت ہوئے ان سے تعلقات میں قربت آتی گئی۔ جٹ لینڈ لائنز کی رہائش کے دوران ہم دونوں جھگی نشین تھے۔ باہم فاصلہ بھی کم تھا کچھ شاہ حسن کی شخصیت کچھ رہائشی قربت کالج کا ساتھ اور شعروادب سے وابستگی وہ عوامل تھے جن کی وجہ سے شاہ حسن سے کافی قربت بڑھ گئی۔ ان کے سید عزیز الحسن سے قدیم تعلقات تھے ان کی ہی معرفت عزیز الحسن سے ملاقات ہوئی ان کے ایک تیسرے ساتھی جناب عبدالماجد صدیقی تھے کالج کے ساتھ اور ان دونوں کی قربت کے سبب ان سے بھی روابط بڑھ گئے یعنی ایک طور پر ہم چاروں کا ایک گروپ بن گیا جو آج بھی تقریباً ۴۰ سال گزرنے کے باوجود بحمد اللہ قائم ہے۔ ان میں سید عزیز الحسن نے اپنے مخصی جوہر کے سبب غیر محسوس انداز میں اس گروپ کی قیادت سنبھال لی ہے۔ ہم تینوں کو ان کی قیادت کا اندازہ اس وقت ہوا جب یہ "منصب" بہت محکم ہو چکا تھا۔ ویسے یہ حقیقت ہے کہ عزیز الحسن کی شخصیت بہت پر کشش اور مضبوط ہے وہ انتہائی لحاظ پاس کرنے والے وضع دار انسان اور دوست نواز شخصیت کے حامل ہیں۔ ہم تینوں ہی کسی نہ کسی زاویہ سے ان کے احسان مند ضرور ہیں ان کی زندگی میں بڑے نشیب و فراز آئے ہیں مگر ہر جگہ انہوں نے انتہائی تدبر اور تحمل کا مظاہرہ کر کے حوصلہ اور استقلال کے ساتھ ہر معرکہ فتح کیا ہے شاید ایک آدھ معاملہ میں ناکامی ہوئی ہوگی ورنہ وہ ایک کامیاب انسان ہیں۔ اس وقت امریکہ میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ مقیم بلکہ وہاں

کے شہری ہیں۔ کم و بیش ہر سال پاکستان آتے ہیں۔ جب آتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ بہار آگئی۔ مجھے تو رضی اختر شوق کا یہ شعر یاد آتا ہے کہ

وہ پھر ملے گا تو کچھ اور رت جگے ہوں گے
اس ایک بات پہ نیندیں تو عمر بھر کو گئیں

بعض مرتبہ تو ایسا بھی ہوتا ہے بلکہ ہوا ہے کہ شاہ حسن جیلانی سے بھی ملاقات عزیز الحسن کے آنے پر ہی ہوئی ہے۔ طویل عرصہ نہ ملنے کے باوجود ایسا لگتا ہے کہ کل ہی ملے تھے زمانی فاصلے ہماری ملاقاتوں میں کبھی بھی منفی اثرات مرتب نہ کرسکے۔ شاہ حسن کی شخصیت بھی بہت مضبوط ہے۔ انتہائی بردبار اور متحمل آدمی ہیں۔ ان کی شخصیت میں سمندر کا سا سکوت ہے۔ اپنی ملاقاتوں کے ابتدائی ایام میں مجھے اس بات کا "سخت خدشہ" تھا کہ کہیں ان کے تعلقات مجھ سے زیادہ میرے والد صاحب سے نہ ہو جائیں! کیا پہاڑ جیسی شخصیت ہے گہری سوچ اور خموشی کے باوجود محفل یاراں میں بریشم کی طرح نرم۔ انتہائی صاف گو حقیقت پسند تصنع سے دور سخت کوش خدمت کی عظمت پر یقین رکھنے والے دوستوں اور دوستی کی قدر کرنے والے سنجیدہ اور متین ہونے کے باوجود مزاج میں مزاح پسندی شعروادب سے خاص شغف مذہب کو فلسفہ کی نظر سے دیکھنے والے اپنے نظریات میں سخت مگر دوسروں کے نظریہ کا احترام کرنے والے اندرونی اختلاف رائے کے باوجود ہمرنگ انتہائی فرض شناس اور محنتی قناعت پسند اور شکر گزار ایک بڑی شخصیت ہیں۔ تیسری شخصیت جناب عبدالماجد صدیقی کی ہے۔ ان کے متعلق میں یہ کہوں گا کہ کاش انہیں کوئی ان جیسا ہی دوست مل جاتا تو تسکین دل محزوں ہو جاتی میں تو اپنی انتہائی کوشش کے باوجود تسکین قلب تو کجا تالیف قلب بھی نہ کرسکا۔ دوستی کے معاملے میں ان کے تصورات مثالی ہیں۔ یہ تمام فاصلے مٹا کر اور تمام پردے اٹھا کر ملنے کے قائل ہیں اور خود بھی اپنے شعور کی انتہائی گہرائی تک اسی صداقت کے ساتھ ملتے ہیں۔

میرے ہم سلسلہ ہیں اس لئے معمولات کی ہم آہنگی سید عزیز الحسن اور شاہ حسن دونوں کے مقابلے میں زیادہ قربت کا سبب رہی۔ درہے اور قدمے مجھ پر ان کے سب سے زیادہ احسانات ہیں۔ انہوں نے بہت آڑے وقتوں میں میرا ساتھ دیا ہے جس کے جواب میں میرے پاس دعا کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ یہ شعروادب سے کافی دلچسپی رکھتے ہیں۔ اردو کے علاوہ انگریزی ادب سے بھی وابستگی ہے۔ کبھی کبھی مجھے برمحل فارسی شعر بھی سناتے ہیں۔ از روئے پیشہ بینکار تھے مگر یہ شعبہ مزاج سے ہم آہنگ نہ تھا۔ ذہین آدمی ہر جگہ گزارا کرلیتا ہے مگر اپنی پسند کا شعبہ مل جائے تو بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ اپنے مزاج سے کمتر پر گزارا کرنا ان کی پوری زندگی کا خاصہ رہا ہے۔ طبعاً" انتہائی انسان دوست ہمدرد بہی خواہ اور کام آنے والے آدمی ہیں اتنی عدم طمانیت اور تشویش جو نارمل زندگی میں تحریک پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے اور اتنی کامیابیاں جو مزید کامیابیوں کے لئے حوصلہ بڑھائیں ان کی پوری زندگی میں موجود ہیں۔

کبھی سوز میں کبھی ساز میں کبھی آس میں کبھی یاس میں
اسی کشکش میں گزر گئی نہ میں کھوسکا نہ میں پاسکا

مجھ سے قربت کا یہ حال ہے کہ غیرانہیں میرا حقیقی بھائی سمجھتے ہیں اور بھائیوں کا یہ حال کہ وہ انہیں خود سے زیادہ میرے قریب گردانتے ہیں اس چوکڑی کا چوتھا رکن میں خود ہوں ان ہی تینوں کی شخصیت کے انعکاس میں میری شبیہ بنالیجئے عہد طالب علمی میں ان تینوں کے علاوہ میرے تعلقات رشید اثر' صوفی عرفان حامد' عابد خان شروانی اور واجد یار خان سے بھی رہے ہیں۔ رشید اثر سے تعلقات کی لہر جس تیزی سے چڑھی تھی اسی تیزی سے اتر گئی ان سے تعلقات کے بعض نقوش ایسے ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو زیادہ بہتر تھا۔ میرا خیال ہے کہ مجھ سے تعلقات کے سلسلے میں یہی تاثران کا بھی ہوگا۔ باقی احباب سے طویل عرصہ سے ملاقات نہیں ہوئی ہے

اور بقول شاعر یہ حال ہے کہ

وہ کرے یاد تمہیں جس نے بھلایا ہو کبھی
نہ کبھی ہم نے بھلایا نہ کبھی یاد کیا

آخر میں چند جملے ایک ایسے دوست سے متعلق بھی لکھ دوں جو دوستی کا حق ادا کر کے قرب و ہم آہنگی و یکرنگی کی نہ مٹنے والی ایک مثال قائم کر کے گزر گیا۔ اس کی شخصیت کی عظمت اس کی دورویشی' اس کی ولایت' اس کے مدارج و مراتب اس کی روحانی بلندی اس کے مقامات و منازل اس کی حب رسول و قرب خدا کے ساتھ فدایت غوث ناقابل بیان ہی نہیں ناقابل یقین بھی ہیں۔ بیسویں صدی میں ایسے وجود کا تصور لوگوں کے لئے محال ہے نہ مجھ میں یہ حوصلہ ہے اور نہ میرے قلم میں اتنی طاقت کہ اس عظیم ہستی پر لکھنے کا تصور بھی کیا جا سکے اس لئے بہتر ہے کہ

اس کو انگور ہی میں رہنے دو
کیوں کھنچے کیوں حرام ہو جائے

یہ شخصیت پروفیسر سید باسط علی جعفری کی تھی جو بظاہر ایک دنیا دار کی سی زندگی گزار کے چلے گئے جامعہ ملیہ کراچی' حیدر آباد مسلم کالج' رانی پور سچل سرمست کالج' کراچی سراج الدولہ کالج اور ایس ایم سائنس کالج کے پرنسپل رہ کر اپنی فقیری کو اخفا میں رکھا۔ نفی ذات میں کسر نہ کی۔ کسی دوسرے کو اپنی باطنی زندگی کی ہوا نہ لگنے دی۔ بالآخر ۲۲ مارچ ۹۹ء مطابق ۳ ذالحجہ ۱۴۱۹ھ کو دو بجکر چالیس منٹ پر اپنا دور ہجر گزار کر واصل بحق ہوئے میں اس منظر کو کبھی نہیں بھول سکتا جب جنازے کے پیچھے پیچھے میں اللہ میاں کو فیض کا یہ شعر سناتا جا رہا تھا کہ

دنوں جہان تیری محبت میں ہار کے
وہ جا رہا ہے کوئی شب غم گزار کے

باسط صاحب کی زندگی میں بھی اگر کبھی وہ اپنے "وقت گزر" کا ذکر کرتے تھے تو

مجھے یہی مصرعہ یاد آتا تھا اور یہی نقشہ میرے سامنے ہوتا تھا جسے میں نے کھلی آنکھ سے دیکھ لیا۔ بعد میں اسی مصرع سے ان کی تاریخ وصال نکالی وہ یوں کہ

وہ جس کی ساری عمر شب انتظار تھی
ارماں بہت رہے تھے جسے دید یار کے
پیغام مرگ جس کو تھا اک مژدۂ وصال
وہ جس پہ سخت گزرے تھے دن انتظار کے
آخر کو اس جہان سے وہ سرخرو اٹھا
ہاتف نے اعتراف کیا یوں پکار کے
لفظ "وصال" جوڑ کے تاریخ یوں لکھیں
"وہ جارہا ہے کوئی شب غم گزار کے"

۱۸۷۲ + ۱۲۷ = ۱۹۹۹

آج بھی نہ کوئی گنبد نہ مینار نہ ظاہر میں چراغاں نہ پھولوں کے ہار نہ چادریں۔ نہ کوئی متولی نہ کوئی خلیفہ نہ نذرانے نہ منتیں وہ کل بھی نارمل تھا اور آج بھی نارمل ہے یہ "نارمل" ہونا نبی کریمؐ کا اعجاز ہے کہ "سپر نارمل ہو کر" "نارمل لائف" گزاری۔ شاید یہی معراج فقیری ہے بہرحال ایک دن یہ ہونا تھا سو ہو گیا۔ "زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے"۔

باسط صاحب سے تعلقات قربت اور نسبت کے بیان میں اس وقت تک تشنگی رہے گی جب تک اندرون سندھ چند ساتھیوں اور دوستوں کے حوالے نہ آجائیں ان میں سرفہرست قاضی دیدار علی کا نام ہے۔ یہ سندھ بلکہ لاڑکانہ کے قاضی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ انتہائی شریف النفس اور قدامت رکھنے والے خوش مزاج خوش خلق انسان ہیں۔ خوب سیرت بھی ہیں اور خوبصورت بھی۔ اللہ واسطے

کے تعلقات کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ انسان دوست اور ہمدرد شخصیت کے حامل ہیں۔ نظریہ اور عقیدے کے معاملہ میں سخت گیر اور بنیاد پرست ہیں اس راہ میں کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لاتے۔ معاشیات کے ایم اے ہیں۔ ان سے ملاقات رانی پور کے ایڈ منسٹریٹر کی حیثیت سے ہوئی تھی ایک عرصہ کراچی میں بھی تعینات رہے اب لاڑکانہ میں ایڈ منسٹریٹر ہیں۔ میرا اور باسط صاحب کا کئی مرتبہ لاڑکانہ جانا ان ہی کی وجہ سے ہوا ان کی بیگم بھی بہت مخلص اور مہمان نواز اور قاضی صاحب کی ہم عقیدہ ہیں۔ ان ہی کے تعلقات کے ذریعہ لاڑکانہ کے بعض اور دوست بھی عقیدے سے ہم رنگ ہوئے ان میں خاص کر قابل ذکر نام جناب شیخ سکندر علی جناب ہمت علی کھوڑو جناب غلام صدیق اور شیخ نور احمد اور ان کے برادر خورد شیخ نظام الدین کے ہیں۔ کچھ ایسے ہی روابط علی رضا شاہ صاحب سے بھی رہے تھے جو خود گھمبٹ کے پیر ہیں۔ ان سے کافی عرصہ سے ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ ویسے لاڑکانہ والے احباب سے ملاقاتیں رہتی ہیں۔ ابھی باسط صاحب کے وصال پر بھی ملاقات ہوئی تھی۔

سلسلہ کلام میری تعلیم سے متعلق جاری تھا درمیان میں بات احباب کی آگئی میں کہہ یہ رہا تھا کہ میری تعلیم کا ٹوٹا ہوا سلسلہ سید عزیز الحسن کی محبت نے پھر جوڑ دیا اب جو شعبہ میں دوبارہ آیا تو نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ لوگ شعبہ کو راجہ اندر کا اکھاڑا کہتے تھے چند لڑکے باقی تمام لڑکیاں شعبہ نفسیات کیا شعبہ خواتین معلوم ہوتا تھا اس وقت فل برائٹ پروگرام کے تحت امریکی اساتذہ پاکستان آرہے تھے اور جامعہ کے مختلف شعبوں میں تدریس کررہے تھے اس نسبت سے میری پہلی استاد مسز نیومین رہی تھیں پھر مسز واٹسن اور مسز راس کی بھی شاگردی کی۔ ایس ایم کالج کے پروفیسر فضل الرحمٰن صاحب پریکٹیکل کرواتے تھے۔ مس ڈاکٹر فرخ زیڈ احمد جن کی کوششوں سے کراچی میں انسٹی ٹیوٹ آف سائیکالوجی قائم ہوا اور جو شعبہ نفسیات

جامعہ کراچی کی صدر بھی رہی ہیں اس وقت شعبہ نفسیات کی طالبہ تھیں ان میں ایک خاص بات یہ ہے کہ کئی لحاظ سے جیسی پہلے تھیں ویسی ہی آج بھی ہیں۔ اس زمانے کے ساتھیوں میں اس وقت جناب محمد احمد جاپان والا ہیں جن سے آج بھی رابطے ہیں اور ان روابط کو استوار رکھنے میں مجھ سے زیادہ خود ان کا رویہ ہے۔ میں تو انہیں گاہے گاہے فون کرتا ہوں مگر وہ باقاعدگی کے ساتھ ہفتہ میں دو تین مرتبہ فون کرتے ہیں۔ ان کے اور میرے درمیان مذہب' تصوف' ادب' ہومیوپیتھی اور بایوکیمسٹری مشترک موضوعات ہیں وہ مجھے ایک آدھ سوال کے ذریعہ چھیڑ دیتے ہیں اور میں فون پر مقالے سنانا شروع کردیتا ہوں۔ وہ بہت پڑھے لکھے سوجھ بوجھ والے خوش مزاج انسان ہیں۔ انہوں نے جس خوبی سے جوانی گزاری اسی خوبی سے پیرانہ سالی بھی گزار رہے ہیں۔ ماشاء اللہ ان کے بیٹے بڑے سعادت مند ہیں داؤد اور سعود ڈاکٹر ہیں محمود اور حمود تجارت کی طرف مائل ہیں۔ یہ جیسے خوب سیرت انسان ہیں ویسے ہی خوبصورت اور وجیہہ بھی ہیں جوانی میں انتہائی "ہینڈسم" تھے۔ ان کے علاوہ اعظم' حبیب' انیس اور مفتی شباہت نہ جانے کہاں ہیں کبھی کبھی عزیز سے ملاقات ہوجاتی ہے اور بشیر تو مرحوم ہوچکے ہیں۔ جناب علی احمد ہمیشہ سے گوشہ گیر رہے شمیم صدیقی کا بھی انتقال ہوگیا۔ یہ سب شعبہ نفسیات کے ساتھی تھے پھر طالبات کی تعداد ان سے دس گنا زیادہ ہے ان میں بعض سے آخر تک روابط رہے ہیں۔ اس وقت مجھے اپنی اس نظم کے کچھ شعر یاد آرہے ہیں جو میں نے شعبہ چھوڑتے وقت کہی تھی۔

وہ لمحہ بھی بہت دلسوز و دل افگار ہوتا ہے
کوئی ساتھی بچھڑ جائے تو دل پر بار ہوتا ہے
کچھ ایسے موڑ سے ہی آج ہمکو بھی گزرنا ہے

کہ جن کے ساتھ رہتے تھے انہیں اب یاد کرنا ہے
حدود گلستاں سے آج دیوانوں کی رخصت ہے
کہ شمع بزم علم و فن کے پروانوں کی رخصت ہے
یہ پروانے برنگ نو نئی محفل کے خواہاں ہیں
کہ اک منزل پہ آئے دوسری منزل کے خواہاں ہیں
نہ ہوگا مرتضائی رنگ گلزار سعادت میں
نہ شان ارجمندی جلوہ پروین شباہت میں
جو ذکر عابدہ و عارفہ ورد زباں ہوگا
تقدس عظمت مریم کا زیب داستاں ہوگا
سلام آخری شاداب پھولوں کی جوانی کو
انیس جاں حبیب دل بشیر کامرانی کو
جو راہ زیست میں ہم کو یہ منزل یاد آئے گی
یہ ساتھی یاد آئیں گے یہ محفل یاد آئے گی
دلوں کو اپنے باہم اس طرح سے شاد کرلیں گے
ہمیں تم یاد کرلینا تمہیں ہم یاد کرلیں گے

تو آج اس نظم کا آخری شعر سچا ثابت ہورہا ہے میں تو یاد کررہا ہوں ان ساتھیوں کی کیا کیفیت ہے خدا جانے۔ غرض یہ کہ میں نے اسی شعبہ سے ۵۸ء میں بی اے آنرز اور ۵۹ء میں ایم اے کیا اور نتیجہ آنے کے دوسرے دن سے ہی اردو کالج میں تدریس شروع کردی جب میں نے کالج میں پڑھانا شروع کیا اس وقت تک شعبہ میں نفسیات کا کوئی مستقل استاد موجود نہیں تھا بلکہ فلسفہ کے اساتذہ نفسیات پڑھا رہے تھے۔ البتہ جناب محمد قسیم فاضلی صاحب جنہوں نے علی گڑھ سے نفسیات

میں ایم اے کیا تھا جزوقتی استاد کی حیثیت سے کالج سے وابستہ تھے نفسیات کے استاد کی حیثیت سے تجربہ خانہ کی ترقی و توسیع میں تدریس میں آلات کی فراہمی میں' تصنیف و تالیف میں اور اصطلاح سازی میں میری کیا خدمات رہی ہیں ان کے ضمن میں مرحوم طفیل احمد جمالی کا ایک مصرع دہرا سکتا ہوں کہ

"ہم اپنا نام خود کیا لیں بہاروں نے تو دیکھا ہے"

اردو کالج کراچی میں ملازمت کے ساتھ میں نے کو آپریٹو ٹیچر کی حیثیت سے کچھ دن جامعہ کراچی میں بھی تدریس کی ہے اور نبی باغ ضیاء الدین میموریل کالج میں بھی پڑھایا ہے مگر میری شناخت ہمیشہ اردو کالج ہی رہا۔ اردو کالج میں میرے کوائف ملازمت حسب ذیل ہیں۔

تقرر بحیثیت لیکچرار نفسیات	۱۵ اگست ۱۹۵۹ء
ترقی بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر	یکم جون ۱۹۶۸ء
تقرر بحیثیت صدر شعبہ نفسیات	یکم ستمبر ۱۹۷۲ء
شمولیت سرکاری ملازمت	یکم ستمبر ۱۹۷۲ء
ترقی بحیثیت ایسوسی ایٹ پروفیسر	یکم جنوری ۱۹۷۷ء
ترقی بحیثیت پروفیسر	۷ مئی ۱۹۷۸ء
تقرر بحیثیت صدر کلیہ فنون	یکم نومبر ۱۹۸۲ء
تقرر بحیثیت وائس پرنسپل پوسٹ گریجویشن	یکم ستمبر ۱۹۸۰ء
ترفع بہ گریڈ ۲۰ بی پی ایس	یکم دسمبر ۱۹۸۰ء
تقرر بحیثیت نگراں مرکز تحقیق	۵ مارچ ۱۹۸۶ء

مندرجہ بالا منصوبوں پر کام کرنے کے علاوہ اردو کالج ایکشن کمیٹی کا چیرمین

بھی رہا ہوں۔ سکریٹری انجمن اساتذہ کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دی ہیں۔ کتب خانہ کا نگراں پروفیسر رہا ہوں کالج کے سلیکشن بورڈ میں ماہر نفسیات کی حیثیت سے خدمات انجام دی ہیں۔ خدمات کے اعتراف میں کالج کی جوبلی کے موقع پر تمغہ "ہلال اردو" دیا گیا ہے۔ انجمن اساتذہ نے اعتراف خدمات کی شیلڈ دی ہے علاوہ ازیں بورڈ آف انٹرمیجٹ ایجوکیشن میں قائداعظم کے صد سالہ جشن کی کمیٹی کا سکریٹری رہا ہوں۔ بورڈ میں کو ایگزامنر اور ہیڈ ایگزامنر کی حیثیت سے کام کیا ہے۔ پریکٹیکل امتحانات میں ایکسٹرنل اور ہیڈ ایگزامنر کی حیثیت سے بھی تقرر ہوا ہے۔ ٹیبولیٹر اور گروپ لیڈر کے فرائض بھی انجام دیئے ہیں۔ کمیٹی آف کورسز کا بھی رکن رہا ہوں۔ جامعہ کراچی میں مجلس وضع اصطلاحات کا سکریٹری مقرر ہوا۔ شعبہ نفسیات جامعہ کراچی میں کو آپریٹو استاد کی حیثیت سے تدریس بھی کی ہے شعبہ نفسیات کے نظری و عملی امتحانات کا ممتحن رہا ہوں اس کی ماڈریشن کمیٹی کی رکنیت بھی رہی ہے بورڈ آف اسٹڈیز میں مضمون کے ایکسپرٹ کی حیثیت سے کام کیا ہے اور جامعہ کراچی کے سلیکشن بورڈ برائے نفسیات میں بھی ماہر مضمون کی حیثیت سے شریک رہا ہوں۔ نیز ایم اے ایجوکیشن جامعہ کراچی کے تحقیقی مقالوں کا بیرونی ممتحن بھی رہ چکا ہوں۔ شعبہ ایجوکیشن جامعہ کراچی کے ایم اے کے پرچوں کا صدر ممتحن رہا ہوں۔ بورڈ آف اسٹڈیز برائے ایجوکیشن کی رکنیت بھی رہی ہے۔ ایم اے ایجوکیشن کے پرچوں کا ماڈریشن بھی کیا ہے اور شعبہ ایجوکیشن میں لیکچرار اور اسسٹنٹ پروفیسرز کے تقرر کے لئے سلیکشن بورڈ میں ماہر مضمون کی حیثیت سے بھی فرائض انجام دیئے ہیں۔ غرض یہ کہ تعلیمی کیریئر میں مختلف اعزازات کے ساتھ فعال زندگی گزاری ہے البتہ وفاقی گورنمنٹ اردو کالج میں مستقل پرنسپل کی حیثیت سے تقرر کے وقت پروفیسر رفیع عالم مرحوم کے حق میں پرنسپلی سے دستبرداری اختیار کی ہے اور چھ سات سال یکسوئی سے گزارنے کے بعد ۱۲ فروری ۱۹۹۷ء کو عمر

ساٹھ سال ہونے کے سبب کالج کی خدمات سے سبکدوش ہو کر ہومیوپیتھی پر ہمہ وقتی توجہ دی ہے۔ ان ہمہ جہتی مصروفیات کے باوجود تصنیف و تالیف کا کام مسلسل جاری رہا ہے اور بحمد اللہ اس وقت میری کتب کی تعداد ایک درجن سے زائد ہے ان میں بعض کتب ایسی ہیں جو اپنی پہلی اشاعت کے بعد سے ہر سال شائع ہو رہی ہیں اور ناشرین کی زبان میں بہ لحاظ فروخت "سونا" ہیں بعض کتب تو گزشتہ ۳۸ سال سے مسلسل شائع ہوتی رہی ہیں۔ مجموعی اشاعت غالباً" ایک لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے مگر کتب کی تعداد اور طویل مدت کے حوالے سے یہ تعداد بہت زیادہ نہیں کہی جاسکتی اگر نفسیات کے مضمون میں طلبہ کی تعداد کم نہوتی تو کتب زیادہ فروخت ہو چکی ہوتیں ویسے ان میں سے بعض کتب کراچی کے علاوہ اسلام آباد' پنجاب' سرحد اور بلوچستان میں داخل نصاب ہیں۔ یہ کتب حسب ذیل ہیں۔

۱۔ نفسیات
۲۔ مسائل نفسیات
۳۔ پرابلمز آف سائیکولوجی (انگریزی ترجمہ فادر آگسٹین فرنینڈیس)
۴۔ اختباری نفسیات
۵۔ ایکسپریمینٹل سائیکولوجی (انگریزی ترجمہ فادر آگسٹین فرنینڈیس)
۶۔ ابتدائی شماریات
۷۔ سماجی نفسیات
۸۔ نفسیات کے اختباری مسائل
۹۔ عملی نفسیات (حصہ اول و دوم)
۱۰۔ عملی نفسیات (حصہ سوم)
۱۱۔ عملی نفسیات (حصہ چہارم)

۱۲۔ نفسیات اور تعلیم

۱۳۔ تعلیمی تحقیق (مسائل اور اسلوب)

مندرجہ بالا کتب کی نہ میں نے کبھی پبلسٹی کی نہ اشتہار دیئے نہ تبصرے شائع کروائے مگر پھر بھی تبصرے ہوئے اور لکھا گیا ان میں سے پہلی اور آخری دو کتابوں پر چند تبصروں کے اقتباسات پیش خدمت ہیں پہلی کتاب پر پروفیسر قاضی محمد اسلم سابق صدر شعبہ نفسیات جامعہ کراچی نے تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کیا۔

"فائق صاحب کی کتاب بہت قابل تعریف ہے۔ نفسیات کے بڑے بڑے موضوعات پر مناسب حد تک سادہ اور عام فہم زبان میں بحث کرنے کے علاوہ اس میں فرہنگ اصطلاحات بھی شامل کی گئی ہے اور ایک مکمل فہرست بھی دی گئی ہے جس سے پڑھنے والوں کو کتاب کے خاص خاص مقامات نکالنے میں آسانی رہے گی۔ یہ سہولتیں کتابوں میں ہونی چاہئیں لیکن ہمارے یہاں عموماً نہیں ہوتیں۔ فائق نے اپنے ذاتی ذوق و شوق سے کام لے کر اردو اصطلاحات میں ندرت اور چستی پیدا کی ہے۔ ہمارے حالات میں یہ درسی کتاب جو بی اے تک کے لئے کافی ہوسکتی ہے نفسیات کے سائنسی لٹریچر میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ طلبہ کے علاوہ عام پڑھنے والے بھی جو اس روز بروز تیز رفتاری سے بڑھنے والے علم سے دلچسپی رکھتے ہوں اس سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔" ۱۹۶۱ء میں میری پہلی کتاب پر اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے میرے استاد پروفیسر خواجہ آشکار حسین نے تحریر فرمایا۔

"فائق صاحب سے میری ملاقات ۵۲ء میں ہوئی اس وقت انہوں نے اردو کالج میں سال اول کے طالب علم کی حیثیت سے داخلہ لیا تھا اور اس جماعت کو نفسیات کا درس دینے کی خدمت میرے ذمہ تھی۔ چند ہی دن میں مجھے یہ اندازہ ہوگیا کہ فائق صاحب میں زبان و ادب کا ستھرا مذاق پایا جاتا ہے۔ میرے دل میں یہ

خیال پیدا ہوا کہ کاش یہ ذہین طالب علم اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اسی درسگاہ میں معلم کی حیثیت سے آجائے تو اردو زبان و ادب کے علاوہ علم و فن کے لئے بھی فال نیک ہوگی۔ بالآخر ۱۹۵۹ء میں فائق صاحب شعبہ فلسفہ و نفسیات میں میرے رفیق کار کی حیثیت سے آگئے اور اس کے چند ہی دن بعد انہوں نے نفسیات کی زیر نظر کتاب کی تصنیف شروع کردی۔

فائق صاحب کی اس تصنیف کے بارے میں اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ یہ اپنی قسم کی بڑی اچھی تخلیق ہے۔ اس کی تیاری میں جس محنت اور سلیقہ سے کام لیا گیا ہے اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا چاہئے تھا۔ یہ کتاب انٹرمیجٹ کے طلبہ کی بیشتر ضروریات پورا کرنے کے علاوہ اعلیٰ تر مطالعوں میں بھی مفید ثابت ہوسکتی ہے اس کے متعدد ابواب سے بی اے کے طلبہ بھی استفادہ کرسکتے ہیں۔ کتاب کی ترتیب و تبویب میں چند چھوٹی چھوٹی فردگزاشتوں کے باوجود قابل داد ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی سلاست زبان اور سادگی بیان ہے۔ نفسیات کے ادق مسائل پر اس خوبی سے بحث کی گئی ہے کہ بات قاری کے ذہن میں اترتی چلی جاتی ہے۔ اردو اصطلاحات کے ساتھ انگریزی اصطلاحات کے استعمال اور فرہنگ مصطلحات کے اضافے نے کتاب کی قدر و قیمت کہیں سے کہیں پہنچادی ہے۔ مجھے امید ہے کہ فائق صاحب کی اس تخلیق سے طلبہ کے علاوہ نفسیات سے دلچسپی رکھنے والے علم دوست حضرات بھی خاطر خواہ فائدہ اٹھائیں گے اور فائق صاحب اسی نوعیت کی بلکہ اس سے بہتر کتابوں کا نفسیاتی ادب میں اضافہ کرتے رہیں گے۔" (۱۹۶۱ء)

اسی کتاب پر اردو کالج کے پرنسپل مرحوم لیفٹیننٹ کرنل عطا الرحیم نے تبصرہ فرماتے ہوئے لکھا کہ "فائق صاحب نے اس کتاب کی تصنیف میں کوشش کی ہے کہ طلبہ کو حقیقی نفسیاتی مسائل سے پوری طرح روشناس کرایا جاسکے۔ اس کتاب کی ایک بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ مصنف نے کسی خاص مکتبہ فکر کی نمائندگی نہیں کی

ہے بلکہ ہر مسئلہ سے متعلق مختلف مدارس فکر کے نظریات کی توضیح اور موازنہ کو بہتر سمجھا ہے۔ یہ اہتمام طلبہ کے لئے بہت سود رساں ہے۔ درسی حیثیت سے قطع نظر ایک عمومی معیاری کتاب کی حیثیت سے بھی یہ کتاب اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے۔ میری نظر میں اس کتاب کی حیثیت اس اعتبار سے بھی مثالی ہے کہ اس میں نفسیاتی حقائق کو اردو زبان میں بڑی سلاست کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ نفسیات پر اس مزاج اور معیار کی کوئی دوسری کتاب آج تک شائع نہیں ہوئی۔ مجھے امید ہے کہ مصنف کا یہ اقدام دیگر اہل علم اور علم دوست شخصیتوں سے خراج تحسین حاصل کرے گا۔" (۱۹۶۱ء)

سطور بالا میں میری پہلی کوشش پر علماء و ماہرین نے جس طرح تبصرہ فرمایا اس سے میری بڑی ہمت افزائی ہوئی اور میں نے یہ سلسلہ تصنیف و تالیف آخر تک جاری رکھا۔ میری آخری کتاب جو وفاقی گورنمنٹ اردو کالج کراچی کے شعبہ تصنیف و تالیف نے شائع کی ہے وہ "تعلیمی تحقیق" ہے اس میں تحقیق کے اسلوب و مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے وفاقی گورنمنٹ اردو کالج کے پرنسپل پروفیسر محمد خلیل اللہ نے تحریر فرمایا کہ:

"اپنے عزیز دوست اور رفیق کار پروفیسر محمد فائق وائس پرنسپل وفاقی گورنمنٹ اردو کالج کی تصنیف "تعلیمی تحقیق" کی اشاعت اردو کالج کے شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کی علمی اور تحقیقی مطبوعات میں ایک گرانقدر اضافہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ شعبہ تعلیم کے طلبہ، اساتذہ اور اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے اہل علم سے یہ کتاب وہ داد تحسین حاصل کرے گی جس کی وہ بجا طور پر مستحق ہے۔

پروفیسر محمد فائق اٹھائیس برس سے اس ادارے میں تدریسی خدمات بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں۔ بنیادی طور پر وہ نفسیات کے استاد ہیں۔ مگر شاعری، ادب اور فن تقریر میں اپنے غیر معمولی کمال کی بناء پر وہ اردو ادب کے ایک اسکالر

کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ ریڈیو پاکستان کے مختلف ادبی اور معلوماتی پروگراموں میں ان کی شاندار کارکردگی نے انہیں ایک بلند پایہ براڈ کاسٹر کی حیثیت سے عوام میں متعارف کیا۔ اپنے خصوصی مضمون "نفسیات" میں محمد فائق صاحب کی مہارت کو جامعہ کراچی نے بھی تسلیم کیا اور انہیں جامعہ کے شعبہ نفسیات میں "ماہر مضمون" کی حیثیت سے شامل کیا اور انہیں شعبے میں لیکچرار اسسٹنٹ پروفیسر اور ایسوسی ایٹ پروفیسر منتخب کرنے والے بورڈ میں شریک کیا جو ایک اعزاز ہے۔

دو سال قبل جب اردو کالج میں ایم اے شعبہ تعلیم کی تدریس کا آغاز ہوا تو میں نے پروفیسر محمد فائق سے درخواست کی کہ وہ اس نئے شعبے کی ذمہ داری سنبھال لیں جسے انہوں نے بخوشی قبول کرلیا اور اس قدر انہماک سے کام کیا کہ دو سال کے اندر اس شعبے نے بے مثال ترقی کی اور اس سال ایم اے تعلیم کا نتیجہ صد فیصد رہا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ نتائج شعبے کے ہونہار طلبہ کی غیر معمولی محنت اور لگن کا نتیجہ ہیں مگر طلباء میں یہ ذوق و شوق اور لگن پیدا کرنے میں فائق صاحب کا کردار بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔

ایم اے تعلیم کے نصاب میں کسی تعلیمی موضوع پر ایک تحقیقی مقالہ لازم قرار دیا گیا ہے اور پروفیسر محمد فائق صاحب کی رہنمائی میں تعلیم سے متعلق مختلف موضوعات پر متعدد مفید اور قابل ذکر مقالے لکھے جاچکے اور لکھے جارہے ہیں۔

اردو زبان میں شعبہ تعلیم کی تدریس ابھی اپنے ابتدائی اور آزمائشی دور سے گزر رہی ہے۔ طلباء کے لئے اردو زبان میں اس مضمون اور اس سے متعلقہ موضوعات پر کتابیں بہت ہی کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ شعبہ تصنیف و تالیف نے ایسی کتابوں کی اشاعت کی طرف خاطر خواہ توجہ دی ہے اور چند کتابیں شائع بھی ہوچکی ہیں۔ مگر اس شعبے سے متعلق تحقیقی کاموں میں رہنمائی کے لئے اردو میں کوئی کتاب موجود نہیں۔ پروفیسر محمد فائق صاحب نے اس اہم ضرورت کو محسوس کیا اور

"تعلیمی تحقیق" کے موضوع پر ایک نہایت ہی مفید اور معلومات افزاء کتاب تصنیف کی جو طلباء اور اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے اہل علم کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ کتاب کے ذیلی عنوان "اسلوب اور مسائل" سے اس کی اہمیت اور افادیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اور موضوعات کی فہرست پر ایک نظر ڈالنے سے بھی اندازہ ہوسکتا ہے کہ لائق مصنف نے اس مشکل موضوع کی ہفت خواں کو کس کامیابی اور مہارت سے عبور کیا ہے۔ چراغ سے چراغ جلتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ آئندہ چل کر اس سے روشن چراغ ہماری رہبری کریں مگر اس میدان میں پہلا چراغ روشن کرنے کا اعزاز بہرحال پروفیسر محمد فائق صاحب کو حاصل رہے گا۔

تصنیف و تالیف کے میدان میں پروفیسر محمد فائق کوئی نووارد نہیں ہیں۔ ان کی کئی کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ نفسیات کے موضوع پر ان کی کتب سے بے شمار طلباء بلکہ اساتذہ اور عام اہل علم نے بے حد استفادہ کیا ہے۔ ان کی علمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے کالج کی سلور جوبلی کے موقع پر انہیں "ہلال اردو" کا تمغہ بھی عطا کیا گیا۔ میری تمنا ہے کہ پروفیسر محمد فائق تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھیں اور علم و فضل سے ہم کو مستفید کرتے رہیں۔"

اردو میں تحریر کی جانے والی اس کتاب پر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر محمود الرحمٰن نے پاکستان جرنل آف ڈمٹینس ایجوکیشن میں تبصرہ فرماتے ہوئے انگریزی میں تحریر کیا کہ:

Since the Professor was also entrusted with the task of guiding MA students in educational research, he has to undertake the responsibility of preparing a comprehensive book on this very topic. This title under review is the outcome of his scientific study of the subject. He elaborately deals with the vast topic and enables the students to have a grip over it.

The competent author emphatically highlights the scientific way of research, application of the scientific method in educational research, its definition, purpose and process, its main characteristics and general guidelines. He has candidly conducted the general rules for preparing research reports, writing thesis and dissertation and the selected system for format and style. He has even covered up all those pertinent problems faced by the teachers and the taught. Thus the learned author has touched up such a topic which has been hitherto out of reach for those not familiar with the foreign media. It may not be denied that Professor Faiq's findings have lit up such a lamp which golden rays are not only valuable for educationists but even for literary giants. The lovers of Urdu language must bow their heads in respect for the author.

Dr Mahmudur Rehman
Director, Daftri Urdu

یہ چند تبصرے اور اقتباس اس لئے نقل کئے گئے کہ زیر نظر کتاب کے قارئین کو میری ٹیکنیکل تحریر کی نوعیت اور کاوشوں کا ایک ہلکا سا اندازہ ہو سکے۔ ویسے اہل الرائے اصحاب نے مجھے ایک اچھا استاد، کامیاب مصنف، شعلہ بیاں مقرر، بہترین

براڈ کاسٹر اور پڑھے لکھے ہومیوپیتھ کے القاب سے نوازا ہے البتہ میری شاعرانہ حیثیت پر کسی نے سند نہیں دی اور اس کا مجھے شکوہ بھی نہیں ہے۔ شکوہ نہ ہونے کی دو وجوہ ہیں اول تو یہ کہ میں نے خود کو ایک باقاعدہ شاعر کی حیثیت سے متعارف کرانے میں ہمیشہ گریز سے کام لیا ہے کلام چھپوانے کے بجائے چھپانے کی زیادہ کوشش کی ہے یہ اس وجہ سے کہ میرے نزدیک ہمارے معاشرے میں چند مستثنیات کے علاوہ شاعر کو وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا اور وہ جس عزت و احترام کا مستحق ہے اس سے دور رکھا جاتا ہے۔ دوم یہ کہ میری عمومی شاعری خود میرے معیار سے پست تر تھی۔ میرے معیار شعر کے چار خاص عناصر ہیں یا یوں کہئے کہ میرو غالب کے پس منظر میں اصغر کی شگفتگی جگر کی سرمستی حسرت کے تنوع اور فانی کے عرفان غم سے میرے شعری معیار کا سانچہ تیار ہوتا ہے اور اس شعری معیار پر خود میری نظر میں میری غزل اور نظم پوری نہیں اترتی۔ نظم کے معاملے میں علامہ اقبال کی منظومات' حفیظ جالندھری کا شاہنامہ اور انیس کے مرثیہ بحد حفظ کلام میرے مطالعہ میں رہے ہیں۔ اس کا اثر یہ ہوا ہے کہ میری شاعری زبان کے معائب سے پاک ہے مگر "برا یا خراب نہ ہونا اچھا ہونے کے مترادف نہیں ہے۔" اصول کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر اپنے مثبت پہلو گنوائے جائیں تو کمزور پہلوؤں کو بھی ظاہر کرنا چاہئے نیز یہ کہ میرے بہت سے احباب جنہوں نے دلداری کی خاطر میری شاعری کی تعریف کی اس بات کے ہمیشہ شاکی رہے ہیں کہ میں نے جو کچھ کہا وہ دوسروں تک نہیں پہنچایا خود ہی فیصلہ کر کے مسترد کر دیا۔ اسی کوتاہی کے پیش نظر میں نے یہ مناسب سمجھا کہ زیر نظر کتاب میں خود نوشت کے دوران اپنی شاعری کے چند نمونے بھی پیش کر دوں ویسے میری شاعری کی چار جہتیں ہیں ایک تو حمد و نعت و منقبت ہے اس میں میں قبول عام کی پروا نہیں کرتا بلکہ قبول خاص کے لئے دعا گو ہوں دوسری جہت میری طنز و مزاح کی شاعری ہے۔ اس سے میں غیر مطمئن نہیں ہوں بلکہ میرا

خیال ہے کہ اگر مزاح میں سنجیدہ کوشش کرتا تو کامیاب رہتا۔ البتہ آخری دو جہات جو مختصر رومانی نظموں اور غزلوں سے متعلق ہیں ان میں میں خود کو کامیاب یا قابل بیان نہیں سمجھتا مگر ذیل میں چاروں جہات کے نمونے پیش کروں گا کہ اگر کہیں میری خوش فہمی یا غلط فہمی ہے تو اس کی تصحیح ہو جائے۔ سب سے پہلے ایک مختصر "حمد" ملاحظہ کیجئے میں اسے بریلوی حمد کہتا ہوں جو ایک خاص پس منظر میں کہی گئی ہے۔

حمد پاک

کہیں بندے سے بھلا حمد و ثنا ہوتی ہے
یہ بھی توفیق درشہؐ سے عطا ہوتی ہے
حمد لکھتا ہوں تو میں رب محمدؐ کے لئے
نعت میری پہ محبوب خدا ہوتی ہے
ہیں میری حمد میں بھی نعت کے پہلو پنہاں
ان کی توصیف بھی تعریف خدا ہوتی ہے
راز کی بات سربزم نہیں کہہ سکتا
حق بیانی بھی کبھی وجہ سزا ہوتی ہے
کاش وہ جرات اظہار بھی ہوتی مجھ میں
جو سردار و رسن جلوہ نما ہوتی ہے
پھر تو میں کھل کے یہ کہہ دیتا باآواز بلند
آئینہ سے کہیں حیرت بھی جدا ہوتی ہے
حمد ہوتی ہی نہیں نعت سے ہٹ کر فائق
نعت کہتے ہو جسے حمد خدا ہوتی ہے

☆-----☆-----☆

اس حمد پاک کے بعد ایک نعت شریف ملاحظہ ہو یہ نعت میں نے "سانٹ" کے ترتیب قوافی سے کہی ہے اور اس میں مصرعے بھی چودہ ہیں مگر یہ صنف سخن اردو میں مرحوم ش۔ ضحیٰ سے شروع ہوئی اور ان ہی کے ساتھ ختم ہوگی ملاحظہ ہو۔

نعت پاک

اس کی تعریف تو اللہ پہ چھوڑو بندو
درس جو اس نے دیا ہے وہ ذرا یاد کرو
آج انسان پہ جو ظلم روا ہے یارو
نام لیوا ہو اگر اس کے تو فریاد کرو
اس کے "ایوان معانی" سے ضیائیں لیکر
اپنے بے نور گھروندوں میں اجالا کرلو
جس نے انسان کی عظمت کے دکھائے جوہر
ایسے انسان کے مسجود کو سجدہ کرلو
میں نے اس سرور کونین کے فرمانے سے
ایک نادیدہ حقیقت کو خدا مان لیا
اور کونین کی تخلیق کا مقصد کیا ہے
میں نے اس رمز حقیقت کو بھی پہچان لیا
نقش پائے شہ کونین پہ چلنا سیکھو
روشنی سے جو محبت ہے تو جلنا سیکھو

ایک اور نعت پاک ملاحظہ ہو غزل کی ہیئت میں ہے

نعت

یہ سچ ہے خطاؤں کے تو انبار بڑے ہیں
لیکن مجھے کیا غم مرے سرکار بڑے ہیں
اے سیل الم مجھ سے ذرا بچ کے گزرنا
میں کچھ بھی نہیں میرے مددگار بڑے ہیں،
ہو آتش غم آتش نمرود سے بڑھ کر
اس چشم کرم میں بھی تو گلزار بڑے ہیں
نسبت تو رہے گی چلو بولی تو لگائیں
یہ مانا کہ یوسف کے خریدار بڑے ہیں
موسیٰ کے لئے آپ سر طور بھی پہنچے
یہ بزم ہے اور طالب دیدار بڑے ہیں
اس سمت بھی اک چشم کرم جان مسیحا
آزار بہت سخت ہیں بیمار بڑے ہیں
یہ سچ ہے نہیں ہم طلب دید کے لائق
ارمان مگر یاشہ ابرار بڑے ہیں

☆-----☆-----☆

حمد و نعت کے بعد اب سرکار غوث پاکؒ کی دو مناقب ملاحظہ ہوں

منقبت

محبوب رب محب نبی جان اولیا
پیران پیر حضرت سلطان اولیا

اس پر بھی اک نظر کہ یقیں کرم لئے
بیٹھا ہے اک غلام غلامان اولیا

پر تو سے اپنے ذرہ کو بھی تابدار کر
اے مہ جمال و مہر درخشان اولیا

میری طلب کو اپنی فقیری کا رنگ دے
اے شہ نشین مسند ایوان اولیا

دنیا ہو عاقبت ہو کہ وہ حشر و نشر ہو
میری پناہ دامن سلطان اولیا

جو تجھ سے تجھ کو مانگتا ہے اس کی لاج رکھ
اے غوث پاک اے شہ شاہان اولیا

فیضان عام میں بھی ترے لطف خاص ہے
ہو فیض خاص اے شہ خاصان اولیا

ہیں آپ ہی تو حاصل عرفان و آگہی
نور آپ کا ہی شمع شبستان اولیا

☆-----☆-----☆

ایک اور دعائیہ منقبت ملاحظہ کیجئے

دعائیہ

در پہ آیا ہوں طلبگار ہوں شیئً للہ
مفلس و بیکس و نادار ہوں شیئً للہ
اختیار آپ کو ہر شئے پہ دیا ہے اس نے
اور میں عاجز و ناچار ہوں شیئً للہ
آپ کے خوان کرم ہی سے عطا ہو آقا
آپ کے در کا نمک خوار ہوں شیئً للہ
آپ ہیں شافع محشر کے ولازے بیٹے
اور میں ایک گنہ گار ہوں شیئً للہ
آپ ہر طور سے صد رشک مسیحا نفساں
میں بھی ہر طرح سے بیمار ہوں شیئً للہ
تیرے محبوب نے بخشا ہے غلامی کا شرف
اسی نسبت سے طلبگار ہوں شیئً للہ
میں تو کم ظرف بھی ہوں خام طلب بھی لیکن
کس کے میخانے کا میخوار ہوں شیئً للہ
میری منزل ترے محبوب کا ہے نقش قدم
اس کی چاہت سے ہی سرشار ہوں شیئً للہ
ہے مقامات کی چاہت نہ منازل کی طلب
طالب دید روئے یار ہوں شیئً للہ

تو خطا بخش و خطا پوش ہے میرے آقا
میں خطا کوش و خطا کار ہوں شیئاً للہ
اک نظر جس کی دلاتی ہے ہر اک غم سے نجات
اس نظر کا ہی گرفتار ہوں شیئاً للہ

سرکار غوث پاک کی مناقب کے بعد اب اپنے بانی سلسلہ حضرت اباجیؒ کی چند مناقب پیش کرتا ہوں۔ جن بزرگ سے آپ واقف نہ ہوں ان کی مناقب کا آپ پورا لطف نہیں لے سکتے آپ یوں سمجھ لیجئے کہ یہ بھی سرکار غوث پاک کی مناقب ہیں صرف لقب بدل گیا ہے یہ عرض کرنے کی جسارت یوں کر رہا ہوں کہ خود سرکار غوث پاک نے بہت سے غلام بھائیوں کے مراقبوں اور مکاشفوں میں حضرت اباجیؒ کے لئے یہ فرمایا ہے کہ "یہ اور ہم ایک ہیں" یعنی اس نسبت اویسی نے دوئی کا پردہ اٹھا دیا ہے۔

ہے عکس نور ان کے دامن تقدیس کا سایہ
نہ پائے ان کے پائے کو فراز عرش کا پایا
مرے آقا مرے مالک مرے سرور نے فرمایا
انہیں دیکھا انہیں دیکھا انہیں پایا انہیں پایا
نہ ان کا کوئی ثانی ہے نہ ان کا کوئی ہمسر ہے
مرے سرکار غوث پاک کے محبوب کا در ہے

انہی کی ذات اقدس مظہر اوج فقیری ہے
عجب انداز محبوبی ہے شان بے نظیری ہے
وہ ان کا سلسلہ جس میں مریدی ہے نہ پیری ہے
غلامی ہے محبت ہے کرم ہے دستگیری ہے
بہار شاخ طوبیٰ ہے سرور موج کوثر ہے
مرے سرکار غوث پاکؒ کے محبوب کا در ہے

☆-----☆-----☆

تو یہ آقا کی وہ شان ہے جو ایک غلام بیان کرسکتا ہے اس حقیقی شان کا کون اندازہ کرے جو اللہ اور اس کا رسولؐ جانتا ہے۔ اس شان بے مثالی کے باوجود فرماتے یہ تھے کہ "میرا ماہی حصل اعلیٰ میں کچھ بھی نہیں" تو میں نے عرض کیا ہے کہ

پہلے اس کا قول دہرایا کہ میں کچھ بھی نہیں
راز بالاخر یہی پایا کہ میں کچھ بھی نہیں
اس کی عظمت کون سمجھے گا وہ تھا کتنا عظیم
جس نے سب کچھ ہو کے فرمایا کہ میں کچھ بھی نہیں

☆-----☆-----☆

اس وقت میں اس صنف شاعری کے نمونے کے طور پر ایک منظوم سلام عرض کررہا ہوں جو آپ کے عرس شریف کے موقع پر پیش کرنے کا شرف مجھے حاصل ہوا تھا ملاحظہ ہو۔

سلام

بات ہے یہ رمز کی ممکن نہیں اس میں کلام
ایک جلوہ اک حقیقت اور اس کے اتنے نام
حمد رب' نعت نبی' مدح شہ عالی مقام
یہ ہجوم جلوہ حق اور یہ ادنیٰ غلام

المدد یا اباجیؒ یا صاحب جودو کرام
السلام اے تاجدار بزم عرفان السلام

جام جن کے بادہ عرفاں سے معمور ہیں
مدح والا وہ کریں جو صاحب مقدور ہیں
ہم کو تو عجز بیاں ہے اس لئے معذور ہیں
ہم کلیم بے زباں ہیں آپ شمع طور ہیں
ہاں بس اتنا عرض کردیں ہو اگر اذن کلام
السلام اے تاج دار بزم عرفان السلام

آپ ہی فی احسن تقویم کی تعبیر ہیں
معنیٔ والفجر ہیں والنور کی تفسیر ہیں
مظہر نور خدا ہیں صاحب تنویر ہیں
اور غلاموں کے لئے تو کاتب تقدیر ہیں
ورنہ یہ تقدیر کب تھی خود کو ہم کہتے غلام
السلام اے تاج دار بزم عرفان السلام

کیا نرالی شان ہے کیا عظمت یکتائی ہے
جس کے شیدا آپ ہیں وہ آپ کا شیدائی ہے
کون سمجھے گا حقیقت اور کس نے پائی ہے
معتبر شاہد ہے جس سے یہ شہادت آئی ہے
آپ کے نقش کف پا میں نہاں سارے مقام
السلام اے تاجدار بزم عرفاں السلام

ہیں انوکھے آپ کی چشم کرم کے زاویئے
کتنے خالی جام تھے جو اک نظر میں بھردیئے
معنیٔ "الفقر و فخری" آپ نے واضح کیے
تاج فقر رحمت اللعالمینؐ سر پر لئے

محفل روحانیاں میں نائب خیر الانامؐ
السلام اے تاجدار بزم عرفاں السلام

حامل سر الٰہی محرم راز خدا
باطناً اصل حقیقت اور ظاہر میں جدا
شان یکتائی ہجوم جلوہ میں ثابت شدہ
پر تو بدر الدجیٰ صدر العلیٰ نور الھدیٰ
رونق بغداد و طیبہ زینت بیت الحرام
السلام اے تاجدار بزم عرفان السلام

آپ ہی کے جلووں سے یہ بام و درضو بار ہیں
روشنی ہی روشنی انوار ہی انوار ہیں
اس ادا سے جلوہ فرما برسر دربار ہیں
مسند محبوبیت پر جس طرح سرکار ہیں
سب وہی رنگ تجلی اور وہی جلوے تمام
السلام اے تاجدار بزم عرفاں السلام

آپ کی چشم کرم سے آپ کی تلقین سے
دامن دل ہے مزین ایک نئی تزئین سے
رشتہ محکم دیا ہم کو نظام دین سے
ہوگئی وابستگی اس دامن رنگین سے
اب غلامی کو عطا کردیجئے رنگ دوام
السلام اے تاجدار بزم عرفاں السلام

ربط قلب و جاں رہے پیہم شہ ابرار سے
بے کسوں کا سلسلہ قائم رہے سرکار سے
چشم باطن کو جلا ملتی رہے دیدار سے
حشر تک بٹتا رہے صدقہ یونہی دربار سے
فیض پیہم تا ابد پاتے رہیں سارے غلام
السلام اے تاجدار بزم عرفاں السلام

اک نگاہ بندہ پرور اک عطائے بے مثال
یا محب خاص محبوب خدائے لایزال
آپ پر روشن ہے آقا جو غلاموں کا ہے حال
ایک ہی سب کی دعا ہے ایک ہی سب کا سوال
ازرہ لطف و کرم دیجئے غلامی کو قیام
السلام اے تاجدار بزم عرفاں السلام

کیجئے چشم کرم رب العلی کے واسطے
رحمت کل حضرت خیر الوریٰ کے واسطے
پنجتن کے اور ان کے مہ لقا کے واسطے
یعنی حق دار رکاب مصطفٰے کے واسطے
کیجئے چشم کرم یا صاحب فیض دوام
السلام اے تاجدار بزم عرفاں السلام

☆-----☆-----☆

اس سلام کے بعد ایک اور منقبت ملاحظہ ہو جس کا ترجیع بند مصرعہ ہے "کرم یا اباجیؒ یا شمع بزم شاہ جیلانیؒ" یہ منقبت مزار شریف پر چادر چڑھاتے وقت عرس کے دن برادرم مرتضٰی شفیع صاحب نے پڑھی تھی چونکہ اس دن میں ہسپتال میں داخل تھا۔(۶ اپریل ۷۳ء)

منقبت

کروں پہلے تو میں حمد و ثنائے ذات ربانی
پڑھوں پھر ایک نعت پاک فخر نوع انسانی
عطا ہو پھر مجھے سوز درون و کیف روحانی
ملے سرکارؒ کی جانب سے اذن منقبت خوانی
کہوں پھر یہ بنام غوث اعظمؒ غوث صمدانیؒ
کرم یا اباجیؒ یا شمع بزم شاہ جیلانیؒ

غلام بے نوا ہوں میں خطا کار و فرومایا
مرا مالک ہے وہ جس کا نہیں ہے کوئی ہم پایا
لوا ے عز و حشمت بحر و بر پہ جس کا لہرایا
وہ بارہ سال کا ڈوبا سفینہ جس نے تیرایا
اسی کے نام پر بحر نوازش میں ہو طغیانی
کرم یا اباجیؒ یا شمع بزم شاہ جیلانی

انوکھا سلسلہ تیرا انوکھی بات ہے آقا
ترے در کی غلامی دین کی سوغات ہے آقا
جہان معرفت میں تیری تنہا ذات ہے آقا
کہ جس کے در پہ فیض دین و دنیا ساتھ ہے آقا
تری اس شان یکتائی پہ دنیا کو ہے حیرانی
کرم یا اباجیؒ یا شمع بزم شاہ جیلانی

تری چشم کرم نے بھردیئے ہیں کتنے پیمانے
نگاہ کیف پرور پر تصدق لاکھ میخانے
کرم جس پر ہوا تیرا کرم کو بس وہی جانے
تری تنویر سے روشن ہوئے تاریک غم خانے
تری خلوت بھی نورانی تری جلوت بھی نورانی
کرم یا اباجیؒ یا شمع بزم شاہ جیلانی

وہ تیری شان محبوبی جسے سرکارؒ نے چاہا
مرے آقا مرے مالک مرے مختار نے چاہا
شہنشاہ دو عالم سید الابرار نے چاہا
خدا نے اس کو چاہا جس کو اس کے یار نے چاہا
جو محبوب شہ جیلاںؒ وہی محبوب سبحانی
کرم یا اباجیؒ یا شمع بزم شاہ جیلانی

وہ کوئی اور ہوں گے ناز ہو جن کو مقدر پر
غلاموں کی نظر تو ہے نگاہ بندہ پرور پر
کرم پر فضل پر مہر و عطا پر لطف سرور پر
گزارا اپنا ممکن ہے تو ممکن ہے اسی در پر
خطا میں ہم بھی یکتا ہیں عطا میں وہ بھی لاثانی
کرم یا اباجیؒ یا شمع بزم شاہ جیلانی

نہ کچھ سعی و عمل ممکن ہے نے کچھ پاس رکھتے ہیں
نہ تو سوز دروں نے گرمی انفاس رکھتے ہیں
خطا پر ہے عطا اس بات کا احساس رکھتے ہیں
فقط تیرے کرم تیری عطا پر آس رکھتے ہیں
بجز تیرے نہیں کوئی مداوائے پریشانی
کرم یا اباجیؒ یا شمع بزم شاہ جیلانی

طلب کی راہ میں آقا جسے تیری ادا بھائے
فریب رنگ و بو کے اس جہاں میں چین کب پائے
سکوں اس کو اگر آئے تو تیرے نام سے آئے
جسے تو دوست رکھے اور جو تیرا دوست ہوجائے

اسے سب ہیچ ہے یہ تخت شاہی تاج سلطانی
کرم یا اباجیؒ یا شمع بزم شاہ جیلانی

نگاہ لطف خاص آقا اگر ایک بار ہوجائے
جہان آتش قلب تپاں گلزار ہوجائے
مرا غم خانہ دل مطلع انوار ہوجائے
ذرا بھی آنکھ جھپکے اور ترا دیدار ہوجائے

پھر اس کے بعد بھی قائم رہے جلوں کی تابانی
کرم یا اباجیؒ یا شمع بزم شاہ جیلانی

جنہیں جاہ و حشم مطلوب ہو جاہ و حشم چاہیں
مگر ہم تو فقط تیری رضا تیرا کرم چاہیں
نہ کچھ اس سے زیادہ چاہیں نہ کچھ اس سے کم چاہیں
طلب ایسی عطا کردے جو تو چاہے وہ ہم چاہیں

ہماری چاہتوں پر بھی رہے تیری نگہبانی
کرم یا اباجیؒ یا شمع بزم شاہ جیلانی

دعا یہ ہے کہ مجھ کو میرے سرور دیکھتے رہنا
چلوں جس راہ پر تم بن کے رہبر دیکھتے رہنا
لحد میں نزع میں اور روز محشر دیکھتے رہنا
کوئی دیکھے نہ دیکھے تم برابر دیکھتے رہنا
ابد تک کرتے رہنا ہر طرح سے میری نگرانی
کرم یا اباجیؒ یا شمع بزم شاہ جیلانی

☆-----☆-----☆

تو یہ تھے میری حمد و نعت و منقبت کی شاعری کے چند نمونے۔ اب آیئے عرش سے فرش پر میری شاعری کا ایک دوسرا زاویہ یعنی طنز و مزاح کی شاعری اس لحاظ سے بھی میں کوئی معروف آدمی نہیں ہوں اس لئے کہ میں نے مدت دراز سے مشاعرے پڑھنے چھوڑ دیئے ہیں اور طنز و مزاح کو مخصوص محفلوں تک محدود رکھنے کی کوشش کی ہے۔ ویسے میری طنز و مزاح کی شاعری کمزور شاعری نہیں ہے مگر طنز نگاری کا ایک المیہ یہ ہے کہ طنز جس عہد تہذیب ادارہ یا فرد سے متعلق ہو وہ اس کے سامنے شائع نہیں کیا جاسکتا اور وقت گزرنے کے بعد اس کا لطف باقی نہیں رہتا۔ طنز کا ہمیشہ کوئی عنوان ہوتا ہے جو ایک خاص عہد میں مزا دیتا ہے اس کے بعد نہیں یہی وجہ ہے کہ دنیا کی کسی زبان یا ادب میں آفاقی نوعیت کا طنز نہیں ملتا۔ عشق غم اور محبت کی شاعری میں ہمہ گیری ہوتی ہے مگر طنزیہ شاعری اپنے موضوع کے اعتبار سے "زمانی و مکانی" نسبت کی شاعری ہوتی ہے اور کاغذ پر عام ہونے کے بجائے سینہ بہ سینہ چلتی ہے۔ بالعموم طنز مقتدر لوگوں پر ہوتا ہے اور ان میں اتنا ظرف نہیں ہوتا کہ وہ اسے برداشت کر سکیں مثلاً" میں نے ایک مصرع پر مصرع لگایا

اس رزق کے صدقے میں تجھ کو تو ملی شاہی
جس رزق سے آتی ہے پرواز میں کوتاہی

یہ مصرعہ اپنے عہد میں ناقابل اشاعت تھا اور آج اس کا وہ لطف باقی نہیں شاید نئی نسل سمجھ ہی نہ سکے۔ ایک اور وزیراعظم کے خلاف جو تیسری دنیا کے قائد بن رہے تھے ملک گیر احتجاج شروع ہوا تمام قسم کے جلوس نکلے طلبہ کا جلوس' ڈاکٹروں کا جلوس' وکلاء کا جلوس' مزدوروں کا جلوس' خواتین کا جلوس۔ پھر ایک اور آخری جلوس نکلا اس میں نہ مرد تھے نہ عورتیں نہ بچے۔ میں نے اس پر قطعہ کہا آپ بھی سن لیں۔

ہیں مرد بھی ناراض خواتین بھی بیزار
اس ہاتھ میں اس وقت کوئی ہاتھ نہیں ہے
اب "وہ" بھی یہ کہتے ہوئے سڑکوں پہ نکل آئے
لے تیسری دنیا بھی ترے ساتھ نہیں ہے

ظاہر ہے کہ اس قطعہ کا اس عہد میں شائع کرنا تو کجا سنانا بھی محال تھا مگر سینہ بہ سینہ خوب چلا اسی طرح پاکستان کے ایک بزرگ سیاستدان نے ایک نو آموز خاتون سیاست داں کی سرپرستی فرمائی اپنے ایک اتحاد میں انہیں نمایاں مقام دیا اور سیاسی داؤ پیچ سکھائے جب وہ برسر اقتدار آئیں تو بزرگ شاکی ہو گئے اور انہوں نے ایک پریس کانفرنس میں ایک شعر پڑھا

دامن پہ کوئی چھینٹ نہ خنجر پہ کوئی داغ
تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو

میں نے اس کے جواب میں ایک قطعہ کہا۔

کم عمری کے انداز تو کچھ اور تھے لیکن
اس دور میں اس دور کی کیوں بات کرو ہو
کل انگلی پکڑ کے جنہیں خود چلنا سکھایا
اب "چلنے لگی ہیں" تو شکایات کرو ہو

ظاہر ہے کہ اس قطعہ کا اس دور میں شائع کرنا تو کجا مداحوں کی موجودگی میں آج بھی مخدوش ہے ایک اور قطع بغیر تبصرہ سن لیجئے دو سربراہان حکومت کی بند کمرے میں ملاقات کا ذکر ہے۔

میاں ہندو پاک اب کچھ انوکھے سلسلے ہوں گے
نہ یہ کچھ اس سے ہٹتی ہیں نہ وہ کچھ ان سے ہٹتا ہے
ملاقات اکیلے دونوں کی یقیناً" رنگ لائے گی
یہ بھی "ابا" کی بیٹی ہیں وہ بھی "اماں" کا بیٹا ہے

خیر ایسے مصرعوں اور قطعات کو چھوڑیئے قابل بیان چند نظمیں دیکھئے۔
پہلے کچھ بین الاقوامی اور بین المملکتی موضوعات ملاحظہ ہوں۔

یاسر عرفات کا چشمہ

اس سے اٹھا ہے عقل پہ پردہ پڑا ہوا
یاسر کی آنکھ پہ جو ہے چشمہ لگا ہوا
میزان پہ جو رکھئے تو پھر بات صاف ہے
دایاں کا جو چشمہ ہے وہ اس کا ہاف ہے
وہ نمبری ہے اور یہ چشمہ ہے دھوپ کا
کچھ فرق اصل کا ہے تو کچھ فرق روپ کا
یہ چشمہ کتنے تیل کے چشموں کی آن ہے
مومن کی آبرو ہے سیاہی کی جان ہے
لیکر در حبیب سے بزم رقیب تک
یہ صاف صاف دیکھتا تھا تل ابیب تک

اس نے عجیب طرح کے منظر دکھائے تھے
تھے جتنے سورما سبھی چکر میں آئے تھے
لیکن مآل کار وہ نقشہ بدل گیا
غازی مزاج سیاست دوراں میں ڈھل گیا
نکلی تھیں اس سے جتنی شعائیں وہ تھم گئیں
بدلا جو وقت "زوجہ ثانی" پہ جم گئیں

ایک قطعہ

ایک کے دو تو کر ہی دیئے
اب چار کرانے آئے ہیں
تلوار چلاکر دیکھ چکے
اب تیر چلانے آئے ہیں

ایک شعر

وہ حکم امتناعی لے چکے ہیں عارض و لب پر
مگر اغیار توہین عدالت کرتے رہتے ہیں

دو مصرعے

اک فرصت گناہ ملی وہ بھی چار دن
دو جستجو میں کٹ گئے دو انتظار میں

تحریف کی جگہ ل

مجھ تک کب اُس کی بزم میں آتا تھا دور جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

ایک اور بین الاقوامی موضوع

دھماکے

خلا میں یوں ہی قدموں کو جماکے
اگر ہوتے رہے پیہم دھماکے
تو پھر کھانے کو غلہ کم ملے گا
جہاں جاؤ گے ایٹم بم ملے گا
نہ رزق ہو گا نہ میکائیکل ہوں گے
اگر ہوں گے تو میزائل ہوں گے
پھر اس کے بعد ہوگی گولہ باری
زمیں پر آسماں سے شعلہ باری
فضا میں فینٹم پھرنے لگیں گے
دھما دھم ہوگی بم گرنے لگیں گے
نہ بزنس کام آئے گی نہ بیما
نظر آئے گا ہر سو ہیروشیما
بھتیجے کی چلے گی نے چچا کی
زمیں ساری بنے گی ناگاساکی
نہ گورے ہی بچیں گے اور نہ کالے
نہ بزدل ہی رہیں گے نے جیالے
پھر اس کے بعد جو زندہ رہیں گے
وہ زندہ رہ کے شرمندہ رہیں گے

اگر چاہت ہے تم کو زندگی کی
ہے کچھ بھی منزلت گر آدمی کی
کراؤ بند پھر سارے دھماکے
زمیں پر اپنے قدموں کو جما کے

اب ایک بین المملکتی موضوع

بنگلہ دیش

بندے کو چاہئے ہر لمحہ خدا سے توبہ
کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
شیخ بھی یارو عجیب طرز کا انسان نکلا
وہ تو تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا
ہاتھ کیا اس کو لگا پوچھو تو یہ بعد سقوط
چند تصویر بتاں چند حسینوں کے خطوط
ملک میں غلہ ہی باقی ہے نہ چاندی سونا
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا
جوٹ ہی ہاتھ لگی اور نہ پائی کا ٹن
ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
لاکھ کہنے کو وہ کہہ لے مرا حال اچھا ہے
دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

اب تو وہ ربط و مراسم گئے وہ ریت گئی
دل پہ جو بیت گئی بیت گئی بیت گئی
عزتیں کتنی لٹیں کون کٹے کون مرے
پا بہ دست دگرے دست بہ دست دگرے
کتنے برباد ہوئے کتنے ہوئے ہیں بے گھر
ہم تو شرمندہ ہیں اس دور کے انساں ہوکر
اب جو ہیں اہل وطن وہ یہ سمجھ لیں ترکیب
زندگی ہے انہی صوبوں میں ظہور ترتیب
ہے متاع دل و جاں اس کو نہ ہرگز کھونا
موت کیا ہے انہی اجزاء کا پریشاں ہونا
آرزو یہ ہے نہ پھر بات وہاں تک پہنچے
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

ایک اور نظم ملاحظہ ہو عنوان ہے

اسپوٹنک

اسپوٹنک زمیں سے چلا جب سوئے فلک
حد خلاء میں شور مچانے لگے ملک
دیکھو غرور علم کا شہ پارہ آگیا
یارو بچاؤ چاند کہ سیارہ آگیا
امن و امان ہم میں سے کوئی نہ پائے گا
جب چاند پر یہ ادم خاکی کو لائے گا

آفت میں جان ہوگی پریشاں رہیں گے ہم
اپنی عبادتوں سے گریزاں رہیں گے ہم
یہ سوچ لو بغیر نہ گزرے گی زندگی
رشوت دیئے بغیر نہ گزرے گی زندگی

ہم سیدھے سادے لوگوں کے پیچھے پڑے گا یہ
حوروں کے حق کے واسطے ہم سے لڑے گا یہ
جمہوریت کے نام پہ گڑ بڑ مچائے گا
یاران پاکباز میں بھگدڑ مچائے گا

پھانسے گا ہم کو پھر یہ سیاست کے جال میں ۔
ہم کو بھی بانٹ دے گا جنوب و شمال میں
پھر جوئے شیر ڈبوں میں بھر کے یہ لائے گا
گندم کا نام لے کے ہمیں بھس کھلائے گا

چرخ کہن نے سن کے کہا یہ محال ہے
فطرت میں ہر کمال کو حاصل زوال ہے
تسخیر کائنات تو جھوٹا بہانا ہے
انجام کار جنگ کا نقشہ جمانا ہے

تم کو پتہ نہیں ہے یہ کیا اہتمام ہے
اسپوتنک زمیں کی تباہی کا نام ہے

☆-----☆-----☆

اب ان بین الاقوامی موضوعات کے نمونے دیکھنے کے بعد کچھ نجی گھریلو اور معاشرتی موضوعات کا برتاؤ بھی ملاحظہ کیجئے۔ ایک خالص نجی زندگی کا عنوان ہے۔

شریک زیست

پکا ہے جس کا نشہ یہ وہ مئے ہے دوستو
یعنی شریک زیست عجب شئے ہے دوستو
جب تک نہ ہو نصیب تو سب بے بہار ہیں
ہوجائے جب نصیب مسائل ہزار ہیں
ہم نے بھی اس کی چاہ میں مدت گنوائی تھی
دست طلب میں رشک حنا بن کے آئی تھی
کس اہتمام شوق سے سب مل کے لائے تھے
یعنی کہ گیت گائے تھے باجے بجائے تھے
ہے یاد ہم بھی بیٹھے تھے سج بن کے کار میں
اپنی برات پہنچی تھی جب کوئے یار میں
وہ روز کیا تھا اپنے لئے روز عید تھا
یعنی کہ مہوشوں کو بھی خود شوق دید تھا
ان کو نظر کا اور نہ مجھے دل کا ہوش تھا
اک جوش تھا کہ محو تماشائے جوش تھا
اس جوش میں ہی قاضی نے کچھ کان میں کہا
میں سمجھا کوئی جملہ مری شان میں کہا
میں نے کہا درست وہ بولے قبول کر
میں نے قبول کہہ دیا انجام بھول کر

رخصت ہوئی بہار ولیمہ بھی ہوگیا
شادی بھی اور اس کا ضمیمہ بھی ہوگیا
اب سوچتا ہوں کیسے بجی تھی فضائے دل
اے تازہ واردان بساط ہوائے دل
ہر چند فرق اب بھی نہیں اپنے عزم میں
پر صبح دم جو دیکھئے آکر تو بزم میں
نے وہ بہار اور نہ بہاروں کا ذکر ہے
پیسہ کی گفتگو ہے گرانی کی فکر ہے
اولاد سامنے ہے ابھی بے پلی ہوئی
داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک بچہ رو رہا ہے اگر اک خموش ہے
یہ جنت نگاہ وہ فردوس گوش ہے
ہیں کتنے شیرخوار کوئی پوچھتا نہیں
پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں

☆------☆------☆

ایک اور چھوٹی سی نظم جو ردیف قائم کرکے کہی گئی ہے اس میں ردیف کا لطف وہی لوگ لے سکتے ہیں جو شعرگوئی کے مشکل عمل سے گزرنا جانتے ہیں۔ نظم ہے

کلرک کا سفر

صبح دم تقدیر کا چکر چلا
چارپائی سے اٹھا دفتر چلا

فکر تھی کھانے کمانے کی مگر
اپنا کھانا ہاتھ میں لے کر چلا
گھر سے نکلا آگیا اسٹاپ پر
بس اگر ہاتھ آگئی بس پر چلا
دل شکن آواز کنڈکٹر نے دی
بھائیو نیچے چلو ٹائر چلا
خوبی تقدیر کو روتا ہوا
پا پیادہ ہی سوئے ٹاور چلا
بور ہوکر مشورہ دل نے دیا
اب کلرکی چھوڑ دے موٹر چلا
بس کا اسٹیرنگ ہو تیرے ہاتھ جب
پھر اسے فٹ پاتھ کے اوپر چلا
یا کسی کمزور کو دھکا لگا
یا کسی مفلس کے سینہ پر چلا
حادثہ کے وقت فوراً کود جا
پھر مقدمہ بھی اگر تجھ پر چلا
غم کی بدلی آپ ہی چھٹ جائے گی
ہنسیوں میں زندگی کٹ جائے گی

☆-----☆-----☆

اس نظم کا لطف بڑے شہروں کے رہنے والے ہی لے سکتے ہیں خاص کر اہل کراچی جہاں کا ٹریفک ہمارے قومی مزاج کی پوری آئینہ داری کرتا ہے۔ خیر یہ تو

کلرک کا مسئلہ تھا۔ اب دیکھیں لیکچرر پر کیا گزرتی ہے۔ ملاحظہ ہو

لیکچرر کی فریاد

دیتے رہو گے فیس تو مل جائے گی سند
کالج کے مت فریب میں آجائیو اسدؔ

دیکھو جو کالجوں کا کراچی میں حال ہے
عالم تمام حلقہ دام خیال ہے

سچ مچ ہی لکھنے پڑھنے کی تم کو جو چاہ ہو
دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو

اس شہر میں تو علم سے کچھ فائدہ نہیں
صد کارواں وفا ہے کوئی پوچھتا نہیں

ہم لیکچرر ہوئے بھی تو بس اس لئے ہوئے
بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے

روٹی ملے نہ کپڑا ملے اور نہ گھر ملے
حوران خلد میں تری صورت مگر ملے

یہ نوکری ہوئی کہ خرافات ہوگئی
اک گو نہ بے خودی مجھے دن رات ہوگئی

امسال بھی تو پے نہ ہوا چھٹیوں کا بل
پھر بھر رہا ہوں خامہ مژگاں بخون دل

تدریس شام کے بھی تو پیسے نہیں دیئے
یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لئے

چمچہ کی طرح قاب کے اندر نہیں ہوں میں
لوح جہاں پہ حرف مکرر نہیں ہوں میں
نالہ مری زباں پہ ہے اور میرے لب پہ آہ
روئے سخن کسی کی طرف ہو تو رو سیاہ
کچھ ہے کمال نطق تو کچھ سامعہ کی بات
اسلامیہ کا ذکر ہے نے جامعہ کی بات

☆------☆------☆

اب آیئے اگر زبان کا مزہ لینا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ میں نے آغاز میں کہیں جو انیس کے مطالعہ کا دعویٰ کیا ہے اس کے بھی میرے اوپر کچھ اثرات مرتب ہوئے یا نہیں کچھ "شعری ڈکشن" میں ان سے کسب کیا یا نہیں تو یہ نظم ملاحظہ کیجئے جو ادارہ تحفظ حیوانات کے مطالبہ پر ایک مشاعرے کے لئے لکھی گئی اور اس نظم کے آخری مصرعہ میں ان کا نعرہ نظم کیا گیا یہ نظم ایک مبالغہ ہونے کے باوجود اپنی ہی ایک رات کی سرگزشت بھی ہے جس میں تا صبح کھٹمل مارتے ہوئے جاگنا پڑا تھا۔

جنگ

کل کھٹملوں نے نیند ہی میری محال کی
بستر پہ جو سفید تھی چادر وہ لال کی
میں نے بھی دل میں ٹھانی جدال و قتال کی
گرمایا اپنے عزم کو ہمت بحال کی
بیوی کو دی صدا کہ ذرا ساتھ آئیو
اور اک "فنس" کی شیشی بھی ہمراہ لائیو

آواز میری سن کے وہ کچھ ہڑ بڑا گئی
اوسان کی دھنی تھی مگر گڑبڑا گئی
اعدا کی فوج دیکھ کے وہ لڑکھڑا گئی
لیکن کمان جوش وفا کڑکڑا گئی
اٹھی فلیٹ پمپ کا خنجر لئے ہوئے
یا جذبہ حمایت شوہر لئے ہوئے

زلفوں کو اپنے دوش پہ ڈالے ہوئے چلی
غصہ میں دونوں آنکھیں نکالے ہوئے چلی
جرات کو دل کے سانچے میں ڈھالے ہوئے چلی
خود کو بہ احتیاط سنبھالے ہوئے چلی
بجلی جلائی بچہ بھی ہوشیار ہوگیا
کمرہ تمام مطلع انوار ہوگیا

ظاہر ہوئے جو جنگ کے امکان اس طرف
حملے کے ہم نے کرلئے سامان اس طرف
تھے ہم بھی تھوڑے تھوڑے پریشان اس طرف
جم غفیر والی نہ تھی شان اس طرف
تعداد اپنی فوج کی ہر چند تین تھی
لیکن امید نصرت و فتح مبین تھی

اس سمت کھٹملوں کا بھی عالم عجیب تھا
تھا کوئی ہم سے دور تو کوئی قریب تھا
سرمایہ دار کوئی تھا کوئی غریب تھا
لیکن یہ تھا کہ خون سبھی کو نصیب تھا
نعرہ یہ تھا کہ مظہر صد عزت و شان ہیں
کھٹیا کی آبرو ہیں بچھونے کی جان ہیں

سالار کھٹملاں نے جو آگے بڑھائی فوج
میں سمجھا اپنی موج میں کچھ گنگنائی فوج
سر کو اٹھاکے دیکھا تو آئی فضائی فوج
مچھر بھی لے کے آگئے اپنی ہوائی فوج
ریومر جسے سمجھتے تھے وہ ایک ایکٹ تھا
مشترکہ حملہ کرنے کا دونوں میں پیکٹ تھا

انداز کچھ عجیب تھے ان کی لڑائی کے
کرتب دکھارہے تھے وہ جنگ آزمائی کے
پیروں پہ حملے بری کے سر پر فضائی کے
دکھلائے ہاتھ میں نے بھی اب کچھ صفائی کے
لیکر فلیٹ پمپ میں ان پر جھپٹ پڑا
ایسا لگا کہ گنبد دوار پھٹ پڑا

چولوں میں خیمہ زن تھے سروں کو جو جوڑ کے
بھاگے وہ اپنی اپنی کمیں گاہیں چھوڑ کے
زور ان کا میں نے رکھ دیا لمحوں میں توڑ کے
پٹکا کئی ہزار کو گردن مروڑ کے
بھاگا جو سامنے سے وہ پہلو سے مرگیا
دہشت سے کوئی کوئی فقط بو سے مرگیا

تھا موذیوں میں شور بچو نار سے بچو
بھاگو غضب سے قہر سے آزار سے بچو
بجلی کی زد سے دور رہو مار سے بچو
یعنی فلیٹ پمپ کی ہر دھار سے بچو
دوزخ کے لب پہ نعرہ ھل من مزید تھا
جو دھار پہ چڑھا سو جہنم رسید تھا

راتیں حرام کرتے تھے جو کاٹ کاٹ کے
پھلتے تھے پھولتے تھے جو نیندیں اچاٹ کے
دم جن کا بڑھ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے
لاشوں سے ان کی رکھ دیا کمرے کو پاٹ کے
طاقت پہ جو گھمنڈ تھا سب دور ہوگیا
کثرت کا جتنا نشہ تھا کافور ہوگیا

"یو این او" سے آئی صدا بس لڑائی بس
وہ ہوچکی جو ہونی تھی جنگ آزمائی بس
کیڑے بھی اب تو دینے لگے ہیں دہائی بس
غصہ کو تھوک دیجئے اے میرے بھائی بس
وقت سحر ہے چھوڑیئے اب مان جایئے
انسان کو تحفظ حیوان چاہئے

☆———☆———☆

اسی طرز کلام کا ایک اور نمونہ کراچی میں گرمی کی ایک لہر کا احوال

گرمی کی ایک لہر

گرمی کی ایک لہر کراچی میں آگئی
آئینہ روز حشر کا سب کو دکھا گئی
پانی کو آگ برف کو شعلہ بنا گئی
جو تپ رہے تھے اور بھی ان کو تپا گئی
آداب انتقال حرارت بدل گئے
آنکھوں سے لگ کے دھوپ کے چشمے پگھل گئے

فٹ پاتھ پر فلیٹ میں سڑکوں پہ بام پر
جو تھا عرق عرق تھا وہ اپنے مقام پر
نیپام بم برستے تھے ہر ایک گام پر
امریکہ جیسے حملہ کرے ویٹ نام پر
تصویر ہیروشیما کی آنکھوں میں آگئی
اک لہر ناگاساکی کا نقشہ دکھا گئی

آفت سوا تھی گرم مزاجوں کی جان پر
گاہک نظر نہ آتا تھا کوئی دکان پر
جیسے کہ محو خواب تھے سب ہی مکان پر
پارہ زمین کا تھا چڑھا آسمان پر
دل تو یونہی جلے تھے جگر اور جل گئے
گاڑی سڑک پہ آئی تو ٹائر پگھل گئے

سرمایہ دار جو تھا مری کو کھسک گیا
مزدور جو تھا برف کی سل سے چپک گیا
ڈامر پہ تانگہ آیا تو گھوڑا بدک گیا
بحر عرب کماڑی سے پیچھے سرک گیا
اے سی میں رہنے والے بھی پاتے نہ تھے اماں
تہہ میں تھے سب نہنگ مگر تھی لبوں پہ جاں

جو نیک تھا کہ عابد و پرہیزگار تھا
غنڈہ تھا بدمعاش تھا یا نابکار تھا
مزدور تھا کسان تھا یا ٹھیکہ دار تھا
یا کوئی ریس کورس کا گھوڑا سوار تھا
تھے سب کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے
سارے ہی سرخ و سبز تھے کالے پڑے ہوئے

سب سے سوا تھا شہر کے گنجوں کو اضطراب
شفاف چاند پہ نظر آتا تھا آفتاب
پیشانی پہ پسینہ کے قطروں کی آب و تاب
موتی بھی ان کو دیکھے تو ہوجائے آب آب
زلفوں کی تین سمت سے جھالر پڑی ہوئی
یا دھوپ میں تھی کاہ کشاں سی جڑی ہوئی
آتش پہ طنز کرتے تھے سب باد و خاک و آب
مالک ادھر نہ دیکھتا تھا ازرہ حجاب
پانی سے سر اٹھانے پہ راضی نہ تھا حباب
سڑکوں پر بھاڑ جھونکتا پھرتا تھا آفتاب
شعلہ بنا تھا شہر عجب اضطراب تھا
جو بندو خان کے سامنے آیا کباب تھا

☆———☆———☆

تو یہ تھی کراچی کے موسم کی گرمی اور اب دیکھئے کراچی کی سیاسی گرمی بلکہ سرگرمی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے ایک سیاسی ورکر بلکہ پارٹی کارکن کے دل سے شعلہ بن کے نکلنے والی آرزو عنوان ہے۔

ورکر کی دعا

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
دوستی ہو کسی لیڈر سے خدایا میری

جس کے ملنے سے مرے گھر میں سویرا ہوجائے
مال پانی جو ہے اوروں کا وہ میرا ہوجائے
کرسی والوں سے مرا ربط مسلسل ہوجائے
وردی والوں سے بھی ایک پیکٹ مکمل ہوجائے
باتیں نازک جو ہیں ہر طرح سے ملحوظ رہیں
جو مفادات ہیں ہر قسم کے محفوظ رہیں
ہو مرا کام غریبوں کی سفارش کرنا
اور سلوک پس پردہ کی بھی کوشش کرنا
قومی سرمایہ سے ہو بس مرے گھر کی زینت
گھر بھی ایسا ہو جو ہو سارے نگر کی زینت
بینک بیلنس بھی ہو کیش بھی ہو کار بھی ہو
پرمٹ بھی چلنے لگیں پانی کا بیوپار بھی ہو
دن جو بازار میں تو رات کلب میں گزرے
زندگی اپنے کمیشن کی طلب میں گزرے
بے نیازی رہے گھر سے رہیں ہوٹل آباد
یعنی وہ اس طرف آزاد ادھر ہم آزاد
ایک لیڈر کی طرح سے سحر و شام پھروں
نشہ تقریر کا ہو اور صفت جام پھروں
شہر میں آؤں نظر اور کبھی گاؤں میں
دوں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
جام پہ جام ہوں پی پی کے میں مدہوش رہوں
فکر فردانہ کروں محو غم دوش رہوں

ایک حلقہ ہو مرا اس میں مرے یار بھی ہوں
ان میں کاہل بھی ہوں غافل بھی ہوں ہوشیار بھی ہوں
تجربہ کار رضاکار بھی تھوڑے دیدے
بحر ظلمات کے دوڑے ہوئے گھوڑے دیدے
جتنے ورکر ہوں کہیں مجھ سے یہ باری باری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری
ہاں مگر مجھ کو منسٹر نہ بنانا یارب
ساتھ میں چیف تو ہرگز نہ لگانا یارب
آج کے دور سیاست سے میں گھبراتا ہوں
پڑھتا ہوں جب کبھی اخبار تو ڈر جاتا ہوں
یہ بیانات میں جو لوگ تڑی دیتے ہیں
بات تو کچھ بھی نہیں دھونس بڑی دیتے ہیں
یوں طبیعت مری ان باتوں سے گھبراتی ہے
سعی تعبیر خیالات چلی جاتی ہے

☆-----☆-----☆

اور اب آیئے دو چہروں والے لوگ دیکھئے۔ یہ دوہرا پن کسی ایک پیشہ یا ایک گروہ یا ایک صوبہ تک محدود نہیں بلکہ یہ وبا عام ہے۔ ہیں کچھ نظر کچھ آرہے ہیں۔ قول کچھ اور ہے عمل کچھ اور ہے۔ اعمال جتنے خراب ہیں نیتیں اس سے زیادہ خراب اور پھر کمال یہ کہ اس منافقانہ دوئی پر نہ شرمندہ نہ تائب بلکہ بعض بعض تو اس پر نازاں اور ظاہرہ کامیابیوں پر خنداں مگر اہل نظر حیراں کہ

کیسے کیسے لوگ

کیسے کیسے لوگ ہیں باہر سے کچھ اندر سے کچھ
خود سے کچھ بیگم سے کچھ نوکر سے کچھ افسر سے کچھ

وردھے لاحول کا اور وقف استغفار ہیں
صاحب فکر و عمل ہیں نیک ہیں دیندار ہیں
دیکھنے میں اچھے خاصے صاحب کردار ہیں
ہو اگر موقع تو سب کچھ کرنے کو تیار ہیں
اصل میں اندر سے کچھ ہیں شکل میں اوپر سے کچھ
کیسے کیسے لوگ ہیں باہر سے کچھ اندر سے کچھ

افسروں کی صف میں کچھ ایسے جیالے لوگ ہیں
گوروں کے اطوار ہیں رنگت کے کالے لوگ ہیں
ایسی آغوش شرافت کے بھی پالے لوگ ہیں
فضل ربی کہہ کے پیسہ کھانے والے لوگ ہیں
کوئی پوشیدہ نہیں ہیں دیکھے بھالے لوگ ہیں
دفتروں میں ایسے بھی تنخواہ والے لوگ ہیں
گھر میں کچھ دیتے ہیں جاکر لیتے ہیں دفتر سے کچھ
کیسے کیسے لوگ ہیں باہر سے کچھ اندر سے کچھ

آج کل تو جیب میں جس کی بھی سرمایہ ہوا
مستند سمجھا گیا ہے اس کا فرمایا ہوا
بینک میں بیلنس ہے اور پاس جس کے کیش ہے
بس اسی کی زندگی ہے اور اسی کا عیش ہے
پیسے جس کی جیب میں ہوں ساری باتیں اس کی ہیں
نیند اس کی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں

ہے کمائی جس کی اسٹرلنگ سے کچھ ڈالر سے کچھ
کیسے کیسے لوگ ہیں باہر سے کچھ اندر سے کچھ

طالب علموں میں رغبت ہے سند کے واسطے
یعنی قیمت کے طلب کے اور رسد کے واسطے
علم سے مطلب نہیں ہے کیریئر مطلوب ہے
کار ہو بنگلہ ہو پیسے ہوں یہی مرغوب ہے
اپنی صورت کچھ بھی ہو بیوی ہو لیکن رشک حور
گھر میں خدمت کے لئے دو چار نوکر ہوں ضرور
نوکروں کا حال یہ میڈم سے کچھ مسٹر سے کچھ
کیسے کیسے لوگ ہیں باہر سے کچھ اندر سے کچھ

علم کی چادر میں پوشیدہ کئی جاہل بھی ہیں
دیکھنے میں وہ بڑے عالم بھی ہیں فاضل بھی ہیں
وہ ادیب و شاعر و استاد و دانشور بھی ہیں
جتنے ظاہر میں ہیں کچھ اس سے سوا اندر بھی ہیں
کام کرتے ہیں کئی ایسے تو میرے ساتھ میں
خود کو علامہ لکھا کرتے ہیں تصنیفات میں
ان کی تصنیفات ہیں گیٹ اپ سے کچھ میٹر سے کچھ
کیسے کیسے لوگ ہیں باہر سے کچھ اندر سے کچھ

☆------☆------☆

اور اب اس رنگ کی ایک آخری نظم بھی سن لیجئے اس کا عنوان ہے

شہر قائد

محبوب ہے یہ شہر ہر اک خاص و عام کا
ہم رتبہ میرے واسطے دارالسلام کا
یہ اتصال مشرق و مغرب کی اک مثال
آئینہ جنوب تو جلوہ گہہ شمال
آغوش واہ ہے ہر کس و ناکس کے واسطے
سب پر کھلے ہیں شہر کراچی کے راستے
کچھ مسئلے یہاں کے مگر وجہ شرم ہیں
ٹھہرے ہوئے ہیں پنکھے فریج گرم گرم ہیں
بجلی اگر گئی تو نہ آئی تمام رات
تاریکیوں میں شمع جلائی تمام رات
ہے مچھروں کا زور یہاں کھٹملوں کا راج
کتے بھی ہر گلی پہ طلب کرتے ہیں خراج
بنگلے بھی ہیں فلیٹ بھی ہیں جھگیاں بھی ہیں
کے ایم سی کی پالی ہوئی کھیاں بھی ہیں
تاب خرید لرزے ہے قیمت کے گھاؤ سے
خود سبزیاں بھی خشک ہیں اپنے ہی بھاؤ سے
پانی ہوا ہوا ہے ہوا بھی گھٹی گھٹی
بس کے دھوئیں سے ساری فضاء بھی گھٹی گھٹی

بے بس ہیں ایسے بس پہ ذرا اپنا بس نہیں
ڈیزل سے پاک اپنا نظام نفس نہیں

پیاسے پھرے ہیں ہاتھ میں ساغر لئے ہوئے
ترسے ہیں بوند بوند سمندر لئے ہوئے

پھر بھی جو قحط آب کی ہم گفتگو کریں
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

ہم سب سے آگے ٹیکس ادائی کے باب ہیں
کل کے لئے نہ کی کبھی خصت شراب میں

ہر زاویہ سے مانا کہ برباد ہیں ، بہت
اسلاف کے سبق بھی ہمیں یاد ہیں بہت

ناحق وہ کہہ رہے ہیں کہ یہ ناسپاس ہیں
اس شہر کے عوام بڑے حق شناس ہیں

سیل بلا جو آیا تو چپ چاپ بہہ گئے
ٹوٹے جگر کے ٹکڑے تو تکتے ہی رہ گئے

شام ستم اک ایسی بھی ہم سب پہ آئی ہے
روٹی نہ مل سکی ہے فقط گولی کھائی ہے

باہر نہ نکلے آج تک ہم اپنی لہر سے
اک رشتہ استوار ہے قائد کے شہر سے

یہ نقش وہ ہے جس کو مٹایا نہ جائے گا
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

☆-----☆-----☆

شہر قائد کی ایک عجیب و غریب بستی لیاقت آباد ہے جس کا اوریجنل نام لالو کھیت تھا اور ایک عرصہ تک اسے لالو کھیت ہی کہا جاتا رہا یہ بستی کئی زاویوں سے بہت انوکھی ہے میں نے اس کے بعض زاویئے اور بعض پہلو اشعار کی زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے یہ اشعار ردیف قائم کر کے غزل کی ہیئت میں کہے گئے ہیں۔ ملاحظہ ہوں

لالو کھیت میں

کوئی کرنل ہو کہ ہو کپتان لالو کھیت میں
سب کے ہوتے ہیں خطا اوسان لالو کھیت میں

حق پہ دیدیتے ہیں اب بھی جان لالو کھیت میں
رہتے ہیں کس قسم کے انسان لالو کھیت میں

کوئی بھی اٹھ سکتا ہے طوفان لالو کھیت میں
رہتا ہے ہر بات کا امکان لالو کھیت میں

پاکبازی بھی بہت ہے غنڈہ گردی بھی بہت
کیا سمٹ آیا ہے پاکستان لالو کھیت میں

تین ہٹی سے ادھر آتا ہے چل کر سر کے بل
پاؤں رکھ سکتا نہیں شیطان لالو کھیت میں

ایک فوجی ایک گولی ایک بندوق ایک جان
زندگی ہے کس قدر آسان لالو کھیت میں

گندگی ہے گرد ہے بس کا دھواں ہے شور ہے
خودکشی کے ہیں سبھی سامان لالو کھیت میں

بجلی پانی، روٹی کپڑا اور تلاش روزگار
گفتگو کے ہیں یہی عنوان لالو کھیت میں
جو پولیس کے واسطے سامان دست غیب ہیں
ہیں دوکانیں ایسی عالی شان لالو کھیت میں
اس طرف سے چلتے ہیں پتھر ادھر سے گولیاں
ایسا بھی پڑجاتا ہے گھمسان لالو کھیت میں
گاڑیاں فٹ پاتھ پر ہیں اور سڑک پر راہگیر
پھر بھی ہوسکتا نہیں چالان لالو کھیت میں
تین ہٹی پر وہ فوجی اہمیت کے پل کے ساتھ
دیکھتا تھا فوج ہندوستان لالو کھیت میں

☆-----☆-----☆

ایک نظم جس کا بقول شخصے ایک مصرع نے حلیہ بگاڑ دیا ہے۔

شادی

سرور زندگانی کی نمائش آج ہوتی ہے
کہ شادی انبساط زیست کی معراج ہوتی ہے
یہ فرض اولیں ہے زندگی کی پہلی فرصت کا
تمناؤں کا مرکز اور تقاضہ آدمیت کا
اسی کو زندگی کے خواب کی تعبیر کہتے ہیں
اسی کو کاتب تقدیر کی تحریر کہتے ہیں

اسے جادہ بھی کہتے ہیں اسے منزل بھی کہتے ہیں
بقید شورش طوفاں اسے ساحل بھی کہتے ہیں
یہیں آکر علاج گردش ایام ہوتا ہے
یہیں میکش کے ہاتھوں میں چھلکتا جام ہوتا ہے
یہیں تو اجنبی کی اجنبی سے بات ہوتی ہے
یہیں تو زندگی محو فروغ ذات ہوتی ہے
طلسم کرب تنہائی یہیں پر ٹوٹ جاتا ہے
اسی منزل پہ اک "دست حنائی" ہاتھ آتا ہے
یہی دست حنائی بعد میں ٹھینگا دکھاتا ہے

☆------☆------☆

بعض احباب کے اسرار پر بعض فرمائشوں پر اور بعض احکامات کی تعمیل میں آدمی نامہ کے چند بند بھی پیش کر رہا ہوں۔ یہ مختلف شخصیتوں کے خاکے ہیں ان میں بعض میرے احباب ہیں بعض بزرگ اور بعض ایسے مشاہیر بھی ہیں جن سے معمولی ملاقاتوں کی حد تک میرے تعلقات تھے ان میں سے بہت سے مرحوم ہو چکے ہیں۔ اس لئے قطعات کے ساتھ ناموں کی نشاندہی نہیں کر رہا ہوں۔

جن کو اندازہ ہے اندازہ کریں
نام لے کر زخم کیوں تازہ کریں

آپ اگر ذاتی عدم واقفیت کے سبب شخصیتوں تک نہ بھی پہنچ سکیں تو ان قطعات کو صرف انسانی شخصیت کے پھیلاؤ کا آئینہ دار سمجھ کر پڑھیے۔ خصوصی حوالوں سے قطع نظریہ عمومی تصویریں بھی شاید آپ کے لئے دلچسپی کا موجب بن سکیں۔ ان قطعات کی جس شخص نے سب سے زیادہ داد دی ہے اور انہیں ضائع

ہونے سے بچانے پر سب سے زیادہ زور دیا ہے وہ میرے عزیز دوست پروفیسر حفیظ الرحمٰن صدیقی سابق پرنسپل وفاقی گورنمنٹ اردو سائنس کالج ہیں۔ میں یہ قطعات حسب عادت کہہ کر بھول گیا تھا مگر ان کی نقل برادرم حفیظ الرحمٰن صدیقی کے پاس موجود تھی۔ چنانچہ ایک دن ان کا خط موصول ہوا۔

مکرمی فائق صاحب

آپ نے ایک بڑی نادر شئے تخلیق کی تھی مگر یہ اندازہ ہے کہ آپ اس نادر تخلیق کو کلیتہ" فراموش کرچکے ہیں اور یہ آپ کے ریکارڈ میں بھی نہ ہوگی اس لئے آپ کی ناقدری کی بنیاد پر میں اسے آپ کے لئے تو نہیں بلکہ آپ کے ورثا کے لئے بھیج رہا ہوں۔ اس کی وصولیابی سے فون پر مطلع فرمایئے گا۔

برادرم حفیظ الرحمٰن صدیقی کا یہ خط ۱۱ ستمبر ۹۵ء کا لکھا ہوا ہے۔ اس خط کو اور اس کے منسلکات کو میں نے ان کی محبت کی نشانی اور ادب پروری کی ایک مثال بنا کر رکھا ہوا تھا تو آج ۹۹ء میں وہ وقت آیا کہ آپ کے سامنے پیش کرسکوں۔ اس آدمی نامہ سے متعلق ایسے ہی احساسات پروفیسر نظیر صدیقی کے بھی تھے انہوں نے بھی اس کی اشاعت پر بہت زور دیا تھا۔ بہرحال آج اس کی تکمیل ہورہی ہے۔ تمام تو نہیں چند بند پیش کررہا ہوں۔ ایک بند اپنے لئے بھی کہا ہے وہ سب سے پہلے تحریر کرتا ہوں۔

ویسے اس آدمی نامہ کے مداحوں میں بہت سے اور بھی نام آتے ہیں جن میں سب سے پہلا نام ڈاکٹر وقار زبیری کا ہے جو ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن کے شاگرد بھی ہیں اور ان ہی کی طرح حیوانیات سے وابستہ ہونے کے باوجود ادب سے خصوصی لگاؤ رکھتے ہیں۔ اسی طرح فلسفے کے ڈاکٹر قاضی اے قادر ڈاکٹر احمد سعید پروفیسر سید محفوظ علی، پروفیسر سید طہور حسن نقمی اور جناب دوست محمد فیضی نے ان قطعات کو بے حد پسند فرمایا ہے۔

سو ہے وہ بھی آدمی

اک وہ کہ جس نے لوگوں کے خاکے اڑائے ہیں
ناپختہ شعر گوئی کے سکے جمائے ہیں
لفظوں کے تیر ترکش فن سے چلائے ہیں
چھپ کے جو بند لکھے ہیں مکمل کر سنائے ہیں
یونہی کہیں کہیں ہے سو ہے وہ بھی آدمی
سچ مچ جو کچھ نہیں ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اب ایک مرحوم بزرگ شاعر

اشعار چند تحت میں پہلے سنائے ہے
پھر آنکھیں بند کرکے ترنم سے گائے ہے
شرعی حدود میں جو تغزل کو لائے ہے
جمنا کے گھاٹ پر بھی مصلیٰ بچھائے ہے
ہے دیں کا دردمند سو ہے وہ بھی آدمی
اچکن میں جو ہے بند سو ہے وہ بھی آدمی

ایک اور سرمست شاعر "مرحوم"

اک وہ بلا کا ذوق جسے اپنے فن سے ہے
یعنی نجوم و بادہ و شعر و سخن سے ہے
عرفان روح جس کو جمال بدن سے ہے
وہ جس کو ربط خاص غزال ختن سے ہے
اک مست دو جہاں ہے سو ہے وہ بھی آدمی
معروف گل رخاں ہے سو ہے وہ بھی آدمی؟

بغیر تبصرہ ملاحظہ ہو

کچھ مرثیہ سے سوز سے کچھ ساز سے شغف
طبلہ کی تھاپ ڈھول کی آواز سے شغف
کچھ شاعری میں حافظ شیراز سے شغف
ہم جنس ہو نصیب تو پرواز سے شغف
مقتول مضبجاں ہے سو ہے وہ بھی آدمی
سہوا" ابھی جواں ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اک صاحب کہ وقف گل و برگ و خار ہیں
یعنی نباتیات کی جو لیکچرار ہیں
مست غزل ہیں اور فسانہ نگار ہیں
کیا جانیں کس چمن کی نسیم بہار ہیں
ان کا جو ہمنوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اب تک جو لاپتہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اب میرے دو مرحوم اساتذہ

سہ منزلے پہ ایک وہ گوشہ نشین ہے
جو شمع علم و فضل بہ حق الیقین ہے
اجمال حسن خلق کی شرح مبین ہے
تصویر اتحاد صف مسلمین ہے
کامل ہے منتہی ہے سو ہے وہ بھی آدمی
سچ مچ جو آدمی ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اک وہ بھی آدمی ہے جو زنبیل علم ہے
جو شمع آگہی ہے جو قندیل علم ہے
اجمال صد لغات ہے تفصیل علم ہے
سب مور اکتساب ہیں وہ فیل علم ہے
ذی ہوش و ذی خرد ہے سو ہے وہ بھی آدمی
غالب سے جس کو کد ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اک وہ بھی شخصیت جو ادب پر سوار ہے
ہر جلسہ گہہ پہ جس کی صدارت کا بار ہے
سرمایہ ادب کا جو سرمایہ دار ہے
اردو قدیم نسخوں کا جونا بزار ہے
زر پاش وضو قلمن ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ممتاز انجمن ہے سو ہے وہ بھی آدمی

انکم پہ پہلے ٹیکس لگاتا رہا ہے وہ
دو ہے سنا کے کام چلاتا رہا ہے وہ
احساس قومیت کو جگاتا رہا ہے وہ
خود اپنی ڈفلی آپ بجاتا رہے وہ
رک رک کے بڑھ رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
رہ رہ کے چڑھ رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اس شاخ سوختہ میں بڑا رکھ رکھاؤ ہے
یعنی تضاد ذات ہی اس کا لبھاؤ ہے
یک گو نہ بانکپن ہے اکڑ ہے تناؤ ہے
نرمی ہے لاغری ہے کجی ہے جھکاؤ ہے
شائستۂ زباں ہے سو ہے وہ بھی آدمی
خود سے بھی بدگماں ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اک وہ کہ جس پہ زور خطابت تمام ہے
ہر نقطہ خفی میں بلاغت تمام ہے
لگتا ہے جیسے اس پہ ذہانت تمام ہے
اتنا جسیم ہے کہ جسامت تمام ہے
مجمع پہ ڈولتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ہاتھوں سے بولتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اک صاحبہ جو مسند علمی کی لاج ہیں
لہجہ کی تیز و تند ہیں نازک مزاج ہیں
دادا کی فکر "اصل" تھی یہ اس کا "بیاج" ہیں
جیسی یہ پہلے لگتی تھیں ویسی ہی آج ہیں
ان کا جو پارٹنر ہے سو ہے وہ بھی آدمی
معصوم و بے ضرر ہے سو ہے وہ بھی آدمی

انبوہ صد مرید عقیدت کے ساتھ ہے
نعرہ زنی کا شوق بھی قرات کے ساتھ ہے
سجادگی کا بوجھ امامت کے ساتھ ہے
اخراج حائے حطی وضاحت کے ساتھ ہے
زندوں کو بخشوائے سو ہے وہ بھی آدمی
مردوں کا مال کھائے سو ہے وہ بھی آدمی

خاموش پروقار متانت کے ساتھ ساتھ
تدریس کا بھی شوق خطابت کے ساتھ ساتھ
دنیا کی آرزو بھی ہے جنت کے ساتھ ساتھ
فکر سلوک بھی ہے عبادت کے ساتھ ساتھ
رکھتا ہے سربلند سو ہے وہ بھی آدمی
ہے جس میں دیوبند سو ہے وہ بھی آدمی

اک وہ جو وقف خبط ہمہ دانی ہوگئی
کل جامعہ کو وجہ پریشانی ہوگئی
یعنی شکست شیوہ نسوانی ہوگئی
خود پڑھ کے نفسیات جو دیوانی ہوگئی
خود گیر و خود نشیں ہے سو ہے وہ بھی آدمی
جو آدمی نہیں ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اک وہ بھی آدمی ہے جسے نام چاہیئے
مصروفیت عزیز ہے کچھ کام چاہیئے
سیر فضائے عرش نہ دام چاہیئے
بادہ سے بے نیاز مگر جام چاہیئے
بے سمجھے سر ہلائے سو ہے وہ بھی آدمی
کچھ بھی سمجھ نہ پائے سو ہے وہ بھی آدمی

اک وہ کہ جس سے اپنا بھی ماتم نہ ہوسکا
جو آج تک حریف شب غم نہ ہوسکا
نرغے میں طالبات کے مدغم نہ ہوسکا
اچکا بہت مگر قد آدم نہ ہوسکا
باہر سے کار لائے سو ہے وہ بھی آدمی
پھر اس کو بیچ کھائے سو ہے وہ بھی آدمی

اس جان ناتواں پہ یہ افتاد دیکھیے
بننا پڑا ہے ان کو بھی استاد دیکھیے
کمرے میں یوں ہیں مائل فریاد دیکھیے
پنجرے میں جیسے بند ہو صیاد دیکھیے
اردو غزل پڑھائے سو ہے وہ بھی آدمی
خود پڑھ کے جھنپ جائے سو ہے وہ بھی آدمی

رنگینیٔ حیات کا حاصل لئے ہوئے
جوتے کی نوک پہ ہے غم دل لئے ہوئے
نظریں لڑائے ہاتھ میں گاگل لئے ہوئے
بگلا کبھی کبھی تھری کیسل لئے ہوئے
جو بات کو نہ تولے سو ہے وہ بھی آدمی
یکدم سپاٹ بولے سو ہے وہ بھی آدمی

محصور صبغۂ شرح جراحت بنا ہوا
چہرے پہ جس کے نور علامت بنا ہوا
ممبر نہیں ہے پھر بھی جماعت بنا ہوا
سہ منزلے پہ برج متانت بنا ہوا
سیدھا کھڑا ہوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
حق پر اڑا ہوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اک وہ کہ آج تک متعین نہیں حدود
راغب بہ اضطراب کبھی مائل جمود
گہ نوحہ خوان ہست گہے نغمہ خوان بود
اور اب یہ حال ہے کہ برابر عدم وجود
للچا کے سب کو دیکھے سو ہے وہ بھی آدمی
چھپ چھپ کے آنکھ سینکھے سو ہے وہ بھی آدمی

پاس وفا و درس قناعت بنا ہوا
یعنی وقار ذات کی مورت بنا ہوا
آواز و برق و نور و حرارت بنا ہوا
شعبہ میں جلوہ گر ہے صدارت بنا ہوا
سب سے نبھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
گاڑی چلا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

سانٹ کو اردو صنف بنانے میں بے مثال
پہلے کبھی رہے تھے پڑھانے میں بے مثال
اور اب یہ حال ہے کہ زمانے میں بے مثال
سننے سے بے نیاز سنانے میں بے مثال

احساس کو چھپائے سو ہے وہ بھی آدمی
غصہ میں مسکرائے سو ہے وہ بھی آدمی

امکان فتح ڈھونڈ لئے جس نے ہار کے
مغرب کا بوجھ رکھ دیا سر سے اتار کے
نافذ کرائی اردو زباں مار مار کے
کھدر کی شیروانی ملی سوٹ اتار کے

اس پر بھی مطمئن ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اردو زباں کا جن ہے سو ہے وہ بھی آدمی

ایسا نہیں کہ اللہ میاں کی یہ گائے ہیں
کیا جانے اپنے دور میں کیا گل کھلائے ہیں
کتنے دیار اجاڑے ہیں کتنے بسائے ہیں
یہ راہ راست پہ بڑی مشکل سے آئے ہیں

ان میں چھپا ہوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
چھپ چھپ کے جھانکتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

☆———☆———☆

میری شاعری کی تیسری جہت جوانی بلکہ نوجوانی کی وہ رومانی نظمیں ہیں جو تقاضائے عمر کے مطابق ہیں کچھ معمولی سی فکر کچھ جذبات کچھ روایتی اندازِ بیاں یہ کوئی پیش کرنے کے لائق شاعری نہیں لیکن ایک دور کی نمائندہ ہے اس لئے چھپاتا نہیں پیش کر دیتا ہوں اگر آپ اس شاعری کو کوئی وزن نہ دیں تو واللہ مجھے شکایت نہیں ہوگی اس لئے کہ میں خود بھی اس شاعری کو وزن نہیں دیتا ان نظموں کے رویہ آزادی کی فضاء میں پلنے والی نئی نسل سمجھ ہی نہیں سکتی آج کل ٹی وی پر جو کچھ پیش ہو رہا ہے جو کچھ عملاً "کیا جا رہا ہے ہم خیالوں میں اس سے شرماتے تھے اور اس عدم اظہار کی گھٹن سے ہی شاید رومانیت پرورش پاتی تھی اگر ہر جذبہ کو اظہار کے راست ذرائع میسر آجائیں تو پھر جذبہ اعلیٰ اقدار میں ڈھل کر فن کا روپ کس طرح اختیار کرے یہی وجہ کہ عصرِ حاضر سے رومانیت ختم ہو گئی برہنہ حقیقت سامنے ہے خیر

بھنورا اپنی موج میں گونجا
کیا رکھا تھا پھول کے رس میں

تو ملاحظہ ہو کہ اب سے پچاس سال پہلے دعوت دینے کا کیا اسلوب تھا ایک مختصر سی نظم

دعوت

زہے قسمت مرے گھر آپ آئیں
ہیں کب سے منتظر میری نگاہیں
مگر کچھ آپ کو زحمت بھی ہوگی
کہ ناہموار ہیں اس گھر کی راہیں

نہ دولت اور نہ شہرت ہی کے ساماں
نہ عشرت کی پری اس گھر میں رقصاں
فقط الفت مگر سب سے نرالی
فقط غربت مگر غیرت پہ نازاں
نہ ساغر بادۂ تو بہ شکن کے
نہ چرچے ہی مئے شعلہ فگن کے
نہ جھوٹے دیوتاؤں کے پجاری
نہ شاکی غربت و رنج و محن کے
انوکھے سب یہاں ساتھی ملیں گے
نرالے سب یہاں راہی ملیں گے
محبت ہوگی سب کے دل میں رقصاں
مگر دامن میں آنسو ہی ملیں گے
سمجھتا ہوں یہ سب کچھ بار ہوگا
یہاں آنا بہت دشوار ہوگا

☆-----☆-----☆

ایک اور چھوٹی سی نظم

حوصلہ

وہ بات بھی شاید کہ مرے دل نے سمجھ لی
اب تک نہ کہی ہے جو نگاہوں کے فسوں نے
اک ہلکی سی امید ترے آنے کی پاکر
خلوت کدہ شوق سجایا ہے جنوں نے

خلوت کدہ شوق کہ آئینہ دل ہے
تو چاہے تو اس آئینہ کو اور جلا دے
اک ہلکے سے معصوم تبسم کے سہارے
شبہات و تذبذب کا ہر امکان مٹا دے
اک تیرے تبسم کا سہارا جو ملے گا
گلزار تمنا کی فضا رقص کرے گی
آئیں گی بہاریں نئے پیغام سنانے
اور زیست کی ایک ایک ادا رقص کرے گی
تکلیف تبسم نہ ہو منظور تو کہہ دے
پھر چاک جگر تار نفس سے ہی سیوں گا
دنیا پہ کبھی راز ستم کھل نہ سکے گا
یہ زہر بھی اے دوست خموشی سے پیوں گا
جینا بھی پڑے گا تو اکیلا ہی جیوں گا

☆-----☆-----☆

اب شدت جذبات سے دہکتی ہوئی ایک نظم "سراپا" کے چند بند ملاحظہ ہوں۔

سراپا

کلیاں چٹکنے لگتی ہیں یوں گنگنائے ہے
گلشن مہک اٹھے ہے وہ یوں مسکرائے ہے
جھومے ہے کائنات نظر جب اٹھائے ہے
ابہام گفتگو میں تمنا چھپائے ہے
غمزوں سے حسن اور دوبالا کئے ہوئے
عارض کی روشنی سے اجالا کئے ہوئے

وہ پیکر جمال وہ تصویر رنگ و بو
چہرہ فروغ حسن سے تفسیر رنگ و بو
پیشانی کی لکیریں کہ تحریر رنگ و بو
تار نگاہ شوق کہ زنجیر رنگ و بو
آنکھوں سے زندگی کی کرن پھوٹتی ہوئی
ہر قید احتیاط نظر ٹوٹتی ہوئی

قوس قزح کی طرح لچکتا ہوا بدن
صبح چمن کی طرح مہکتا ہوا بدن
احساس کی تپش سے دہکتا ہوا بدن
خود اپنی چاندنی میں چمکتا ہوا بدن
چہرہ کہ سطح آب پہ کھلتا ہوا کنول
ذہن رسا کے واسطے سرمایہ غزل

وہ جسم مرمریں بھی کچھ ایسا بھرا ہوا
ساغر میں بادہ بادہ میں پارا بھرا ہوا
بجلی بھری ہوئی تھی کہ شعلہ بھرا ہوا
ایک ایک عضو جسم میں کیا کیا بھرا ہوا
لفظوں میں ہو بیان تو تحریر بول اٹھے
کاغذ پہ کھینچی جائے تو تصویر بول اٹھے

واعظ جو دیکھے خطبہ و ارشاد چھوڑ دے
مجنوں سب آہ و شیون و فریاد چھوڑ دے
رنگ آفرینی خامہ بہزاد چھوڑ دے
تیشے کو اپنے ہاتھ سے فرہاد چھوڑ دے
آدم کے بیٹے جسکے لئے خلد چھوڑ دیں
جو توبہ کرکے بیٹھے ہوں وہ توبہ توڑ دیں

☆-----☆-----☆

تین شعر

اداس پلکوں پہ صد کہکشاں سجائے چلو
چراغ جل نہیں سکتے تو دل جلائے چلو

یہ اور بات کہ منزل ملے ملے نہ ملے
ہر ایک راہ کو منزل نشان بنائے چلو

رہ حیات میں کتنی کڑی ہی دھوپ رہے
خیال گیسوئے جاناں کے سائے سائے چلو

اب اس کے بعد دو اور بند جو اس عہد کی نعرہ بازی کی شاعری کا نمونہ ہیں۔
ملاحظہ ہوں۔

بند

شب کی تاریک فضاؤں سے اٹھنکے شعلے
دیکھتے دیکھتے یہ رنگ بدل جائے گا
حسن کے چہرہ رنگیں کا نقاب زر تاب
آتش شوق جو بھڑکے گی تو جل جائے گا
شمع خاموش تو ہوجائے گی ہنگام سحر
بزم ہستی کا مگر رنگ نرالا ہوگا
اور کچھ دیر کے سائے ہیں سمٹ جائیں گے
ایک گھر میں نہیں ہر گھر میں اجالا ہوگا

-----☆-----

ایک قطعہ

یہ مشورہ ہے مرا آج اہل دانش کو
جنہوں نے گرتے ہوؤں کو بہت سنبھلا ہے
طلوع صبح کے احساس کو کریں بیدار
وہاں بھی شمعیں بجھادیں جہاں اجالا ہے

اب قدرے معتدل اور نرم سیاسی پس منظر میں کہی جانے والی نظموں کا ایک نمونہ پہلے مارشل لا کے نفاذ کے وقت عنوان ہے۔

انقلاب

ہے کتنا دلنواز یہ انداز انقلاب
کس درجہ دلفریب ہے یہ اہتمام نو
جیسے غزل میں کہدے کوئی زندگی کی بات
جیسے سرور بادہ کہنہ بہ۔ جام نو
اللہ رے انقلاب کی معجز نمایاں
نالہ فشاں بھی کوئی غزل خواں نہیں رہا
ابکے کچھ اس ادا سے نسیم سحر چلی
غنچہ چمن میں کوئی پریشان نہیں رہا
آئی بہار رنگ گلستاں بدل گیا
دیوانے مطمئن ہیں گریبان سی لئے
جو صاحب نظر ہیں انہیں آگیا نظر
رنگ سحر ہے آج نئی روشنی لئے
اہل نظر پہ ہوتا ہے ہر راز خود عیاں
تفسیر وجہ جوش بہاراں نہ پوچھیے
اپنی نظر سے دیکھئے صحن چمن کا حال
ہم سے مآل رنگ گلستاں نہ پوچھئے
ہم جیسے سادہ لوگ بڑے وضع دار ہیں
حد چمن میں رہتے ہیں مست بہار ہیں

☆-----☆-----☆

اپنی شاعری کا آغاز میں نے ایسی ہی نظموں سے کیا تھا پھر ساتھ ہی ساتھ غزل پر مشق سخن کہوں کہ مشق ستم جاری تھی۔ میری غزل خود میری نظر میں بے جان اور روایتی ہے اس میں زندگی کے ولولے کی کمی ہے جذبوں کی گہرائی ہے نہ اپنے تجربوں کی صداقت۔ غزل سے حرکیاتی عنصر بالکل غائب ہے زبان اور قافیہ ردیف کے ذریعہ کی جانے والی یہ شاعری ہے جس کے موضوعات روایتی ہیں سوائے اس کے کہ کبھی کبھار غزل میں ایک آدھ عمدہ شعر ہو گیا تو ہو گیا ورنہ صرف ایک خانہ پری ہے نمونے کے طور پر چند غزلیں پیش کرنے سے گریز کرتے ہوئے چند غزلوں کے چند اشعار پیش کر رہا ہوں۔ شاید متفرق اشعار کی حیثیت سے یہ آپ کو پسند آئیں مگر شامل غزل ہو کر یہ غزل کو نکھارنے کی صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ غزل میں شامل ہو کر ان کی اپنی انفرادی شعریت بھی تباہ ہو جاتی ہے۔ ان میں اکثر غزلوں کا ایک ایک شعر ہی ہے بعض کے دو دو شعر ہیں مگر پوری غزل کوئی نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو

کبھی پھول بن کے مہکے کبھی اشک بن کے چھلکے
مری خلوتوں میں اکثر ترے طنز ہلکے ہلکے

یہ نظر ہے اپنی اپنی یہ ہے ظرف اپنا اپنا
جہاں سب نے کھائی ٹھوکر وہیں ہم چلے سنبھل کے

مرا میکدہ ہے واعظ تری محفلوں سے بہتر
یہاں آج کے مسائل وہاں تذکرے ہیں کل کے

یہ چراغ تو جلے گا سر رہگزر بھی لیکن
تری انجمن میں جلتا تو کچھ اور بات ہوتی

یہ وفا کی سخت راہیں مجھے یوں بھی ہیں گوارہ
مگر آپ ساتھ چلتے تو کچھ اور بات ہوتی

چاند نکلا تھا کہ تاریکیاں چھٹ جائیں مگر
چاندنی تیرے درو بام سے آگے نہ بڑھی

بادہ خواروں کی نظر جام پہ ٹھہری نہ کبھی
اور واعظ کی نظر جام سے آگے نہ بڑھی

آیا تھا مری زیست میں ایک لمحہ روشن
ٹھہری ہے اسی لمحہ پہ یہ رات ابھی تک

وہ تیرے تبسم سے فروزاں جو ہوئے تھے
اے دوست سلگتے ہیں وہ لمحات ابھی تک

اک سیم بدن شوخ ادا لالہ تبسم
مائل بہ تغافل ہے مرے ساتھ ابھی تک

زندگی کیا قضا کے رستے میں
اک دیا ہے ہوا کے رستے میں

بندشیں لاکھ ہیں مگر پھر بھی
ذہن ہیں ارتقاء کے رستے میں

مرے غم کے اندھیرے جس قدر بھی بڑھتے جاتے ہیں
تری شمع محبت بھی فروزاں ہوتی جاتی ہے

جو کچھ ہمیں کہنا ہے سردار کہیں گے
ہم کہہ نہ سکے تو درو دیوار کہیں گے

وہ بات جو ہم کہہ نہ سکے آج تک ان سے
تنہائی میں وہ خود سے کئی بار کہیں گے

ہائے کیا شے ہے پیار کی ٹھنڈک
آگ سی اک لگی ہی رہتی ہے

وہ توجہ ہو یا تغافل ہو
دوستی دوستی ہی رہتی ہے

تجھ کو معلوم نہیں میری تمنا اکثر
رنگ بن کے تیرے رخ سے بھی جھلک جاتی ہے

جو ہنس کر دیکھ لیتا ہے اسے اپنا سمجھتا ہوں
نہ جانے کون ہے وہ جس کا دھوکہ سب پہ ہوتا ہے

نقد جاں دے کے بھی اے دوست گوارا ہے مجھے
تیری زلفوں کی مہک ترے بدن کی خوشبو

نے گل میں ہے نہ اور کسی گلبدن میں ہے
خوشبو کا ایک طلسم جو اس پیراہن میں ہے

جب سے کیا ہے تجھ سے نہ ملنے کا فیصلہ
ترک تعلقات کے معنی بدل گئے

چاندنی رات میں یوں تیرا خیال آتا ہے
جیسے بہتے ہوئے پانی میں کنول رقص کرے

چشم مہتاب سے ملتا ہے پیام وحشت
چاندنی شدت جذبات سے جل جاتی ہے

کیا ٹھیک کہ وہ تا بہ سحر جلتا رہے گا
اک ایسا دیا جو ابھی روشن بھی نہیں ہے

میں نے تو وضع جنوں سوچ کے اپنائی ہے
لوگ کہتے ہیں یہ دیوانہ ہے سودائی ہے

کوشش ترک تعلق کے یہ معنی نکلے
جیسے تجھ کو نہ بھلانے کی قسم کھائی ہے

ہم نے مانا کل بھی ملوگے
آج کی شب پھر آج کی شب ہے

ان سے ملنا ان سے دوری
یہ بھی غضب ہے وہ بھی غضب ہے

قرب تیرا اگر نہیں ملتا
ہم ترا نام لے کے جی لیں گے

چاندنی کی تلاش تھی مجھکو
چاند خود میرے گھر اتر آیا

میں نے اپنی جس غزل کی شاعری کو کم معیار کہہ کر مسترد کر دیا ہے کراچی میں ہزاروں شاعر ایسے ہیں جو اس پر مطمئن رہتے ہیں بلکہ اس سے کم درجہ کی غزل بہت جھوم جھوم کر مشاعروں میں سناتے ہیں۔ میں چونکہ مشاعروں کا شاعر نہیں رہا اور شعر مسلسل کہتا رہا اسی لئے اکثر اپنا کلام دوسروں کو دیتا رہا

بادہ کس کی ہے جام کس کا ہے
شعر کس کے ہیں نام کس کا ہے؟

یہ بات اس دور سے ہی مختص نہیں ہر دور میں مشاعرے کی شاعری میں یہی ہوا ہے بلکہ مشاعروں سے آگے بڑھ کر اور شاعری کی حدود سے تجاوز کر کے نثر کے میدان میں بھی یہی ہوا ہے۔ لوگ دوسروں کی لکھی ہوئی تقریریں بڑے فخر کے ساتھ اپنے نام سے پڑھتے ہیں بلکہ دوسروں کے لکھے مقالے اپنے نام سے پیش کرتے ہیں مجھے اس کا ذاتی تجربہ ہے نہ جانے کتنے نامور مقررین نے میری لکھی ہوئی تقریریں پڑھی ہیں بلکہ بعض تقریبات میں تو ایسا بھی ہوا کہ سپاس نامہ مہمان خصوصی کی تقریر اور خطبہ صدارت سب میرے لکھے ہوئے پیش کئے گئے ہیں۔ یہ بات سرکاری افسران' گورنروں اور وزراء تک تو ٹھیک ہے مگر بڑے مقررین نے بھی ایسا ہی کیا ہے بلکہ بعض کل پاکستان اور بین المملکتی کانفرنسوں تک میں بعض اسکالرز نے میرے لکھے ہوئے اردو اور انگریزی مقالے پڑھے ہیں۔ جہاں تک ایک مقرر کی حیثیت سے میرا تعلق ہے تو اس ضمن میں میرے ساتھیوں اور بزرگوں کے تبصرے بڑے عجیب ہیں۔ محترمہ شائستہ زیدی نے ایک مرتبہ فرمایا کہ فائق صاحب کے سامنے کسی مقرر کا ٹھہرنا ان کے زور بیان نہیں بلکہ شور بیان کی وجہ سے مشکل ہوتا ہے۔ مرحوم پروفیسر انجم اعظمی کہتے تھے ہم لوگ مائیک پر بولتے ہیں فائق مائیک سے کھیلتے ہیں۔ محترمہ ڈاکٹر فرح زیڈ احمد نے کہا کہ فائق زبان سے نہیں بلکہ پوری شخصیت سے بولتے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے کہا اللہ تعالیٰ نے کیا قوت ناطقہ عطا فرمائی ہے۔ پروفیسر ابوالخیر کشفی کا کہنا ہے کہ لفظوں پر فائق کی زبردست گرفت ہے۔ جناب افتخار احمد عدنی نے ایک محاکمہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا استغاثہ جس قدر کمزور تھا وکالت اتنی ہی مضبوط تھی۔ مہدی علی صدیقی نے ارشاد کیا کہ آپ کو تو وکیل ہونا چاہئے تھا۔ جسٹس قدیر الدین فرماتے تھے فائق صاحب بڑے جادو بیاں مقرر ہیں۔ جسٹس ایم بی احمد کے مطابق آپ حیرت انگیز تقریر کرتے ہیں۔ جسٹس نور العارفین کے مطابق فائق صاحب کا لہجہ بہت اثر انگیز ہے اور کراچی کے اجتماعات

میں بالعموم تصویر کشی کرنے والے افضل نے کہا مجھے ایک لمحہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ فائق صاحب کی تقریر کے دوران بغیر بولتے ہوئے ان کی تصویر لے سکوں۔ ایک کانفرنس میں میری تقریر پر پنجاب سے آئے ہوئے اساتذہ مندوبین نے کہا اردو پر آپ کی حکمرانی ہے۔ ڈاکٹر لئیق مرزا نے فرمایا کہ ایسے مقرر کو لاہور میں ہونا چاہئے تھا ایک خاتون استاد نے فرمایا کہ کاش میں یہ ساؤنڈ باکس چرا سکتی۔ محشر بدایونی کی کتاب کی تقریب رونمائی کے موقع پر جناب ریاض فرشوری نے فرمایا کیا خوبصورت تقریر کرتے ہیں سرشار صدیقی کی کتاب کی رونمائی کے موقع پر مرحوم سراج الدین ظفر نے کہا کہ آج نثر میں غزل سنی ہے رضی اختر شوق کی کتاب کی تقریب رونمائی پر تمام ہی شرکاء کہہ رہے تھے کہ تقریب کتاب کی نہیں فائق صاحب کی تھی۔

یہ چند دوستوں کے چند جملے تھے جنہیں میں قلم برداشتہ لکھتا چلا گیا ہو سکتا ہے کہیں ایک آدھ لفظ کا ہیر پھیر ہو گیا ہو مگر میں نے کہیں دانستہ کوئی ردوبدل نہیں کیا ہے ہاں میرا تبصرہ اس ضمن میں یہ ہے کہ کامیاب تقریر کے لئے باذوق سامعین کا ہونا ضروری ہے اور تقریر وہی کامیاب ہے جو سامعین کے مزاج کو ملحوظ رکھ کر کی جائے اس کا میں نے ہمیشہ خیال رکھا ہے۔ ویسے احباب اور کرم فرماؤں کے تبصرے کے جواب میں صرف یہ شعر دہراؤں گا کہ

کتنا حسیں بنا دیا تو نے انہیں سنوار کر
ان کے جمال پر نہ جا اپنی نظر سے پیار کر

اب سے کم و بیش پندرہ سال پہلے تک میرا ریڈیو اور ٹی وی سے بھی تعلق رہا ہے۔ ٹی وی پر تو چند ہی پروگرام کئے ہیں مگر اتنے شاندار اور بولتے ہوئے نہیں جیسے ریڈیو پر کر چکا ہوں۔ شاید اس ناکامی کا سبب "کیمرہ کانشس نیس" تھی مجھے جونہی اس امر کا احساس ہوا میں نے ٹی وی سے خود کنارہ کشی اختیار کی اور پروڈیوسر کے

مزاج سے مطابقت کرنے والے رویوں سے گریز کیا۔ اس معاملے میں ریڈیو کی روایات بہت اچھی تھیں یہاں قدر دانی کی روایت تھی اور کارکنوں میں اعلیٰ کارکردگی کے لئے جوش و خروش تھا خاص کر جناب بدر عالم، جناب عبدالرب شجیع، جناب نقشبندی، یاور مہدی، انعام صدیقی، رضی اختر شوق، ضمیر علی، قمر جمیل اور بالخصوص نجم الحسنین نجمی اپنے پروگرام کے معیار اور اعلیٰ پیش کش کے لئے دیوانہ وار کوشش کرتے تھے پھر جناب طاہر شاہ کی حوصلہ افزائی اور بے تکلفانہ برتاؤ یہ وہ عناصر تھے جنھوں نے ریڈیو کی ساکھ قائم کی تھی میں نے کراچی اسٹیشن سے پہلا پروگرام تہذیب جدید بنام اکبر الہ آبادی کیا تھا یہ ایک مقدمہ بلکہ محاکمہ تھا۔ یاور مہدی اس کے پروڈیوسر تھے انہوں نے اپنی کاوشوں سے ادبی عدالت عالیہ بہت خوبصورت طریقے سے سجائی تھی بہترین شرکاء اور سامعین کا اہتمام کیا تھا اور ایک انتہائی مضبوط وکیل صفائی کے متلاشی تھے جو اکبر الہ آبادی کی طرف سے تہذیب جدید کے مقابلے میں پیروی کر سکے شاید وکیل استغاثہ ڈاکٹر اسلم فرخی تھے۔ جناب امداد نظامی کی تجویز پر یاور مہدی نے وکیل صفائی کی ذمہ داری میرے سپرد کی کارروائی شروع ہی ہوئی تھی کہ عدالت نے مجھ سے کوئی سوال کیا میں نے جواب دیا۔ عدالت سے ہدایت ملی کہ جواب نظم میں دیا جائے (یعنی اکبر کی شاعری سے حوالہ دیا جائے) مجھے اس محل کا کوئی شعر یاد نہیں تھا اس لئے میں نے اپنی جان بچانے کے لئے عرض کیا کہ اگر عدالت نظم میں سوال کرے تو جواب نظم میں ملے گا ورنہ نثر کے سوال کا جواب نثر اس جواب پر ایک زوردار قہقہہ پڑا خوب داد ملی ہماری ہمت افزائی بھی ہوئی کچھ اعتماد پیدا ہوا۔ عدالت نے فوراً ہی دوسرا سوال کیا کہ اکبر الہ آبادی کی دوسری بیوی کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے ظاہر ہے کہ یہ ہمارا کمزور پہلو تھا میں نے مزاح کا سہارا لیتے ہوئے عرض کیا کہ میں ریڈیو پر دوسروں کی بیویوں سے متعلق رائے دینا مناسب نہیں سمجھتا۔ پھر کیا تھا کمرہ عدالت

زعفران زار بن گیا اور ہمیں بڑی داد ملی زوردار تالیاں واہ واہ بس اس کے بعد سے اقلیم سخن میرے قلمرو سے نہ گئی اور اس کے بعد سے طرح طرح کے ریڈیو پروگرام کرنے کی دعوتیں ملنے لگیں۔ بزم طلبہ میں باقاعدگی سے مقبول پروگرام کرنے لگا۔ پھر ایک باقاعدہ مستقل پروگرام میرے سپرد ہوا۔ "صبح دم دروازۂ خاور کھلا" اس پروگرام میں خاتون شریک مرحومہ غزالہ رفیق تھیں یہ پروگرام بے حد مقبول ہوا اخبار و جرائد نے پروگرام پر تعریفی تبصرے کئے میری کارکردگی کو بطور خاص سراہا پھر اس کے بعد سلسلہ چلتا ہی رہا۔ شاعر بنام ناقد' ادب بنام سائنس' زمیں بنام انسان' رقیب بنام شاعر اور کیا کیا ادبی اور سماجی مسائل تھے جو محاکموں کی شکل میں پیش ہوئے۔ پھر نجمی کا آئینہ بھی بے حد مقبول مستقل پروگرام رہا۔ محمد نقی کا ریڈیو کالم' رضی اختر شوق کا جو یوں ہوتا تو کیا ہوتا' عالمی سروس میں آپ کا خط ملا' جشن سالگرہ' داستاں بنتی گئی' لفظ سازی' افواہ طرازی' جو زندگی میں ترستے ہیں زندگی کے لئے صرف ایک منٹ غرض یہ کہ طرح طرح کے پروگرام کئے کبھی ایک ایک دن میں تین تین پروگرام نشر ہوئے ہیں غرض یہ کہ ریڈیو کے احباب نے مجھے ایک "بہترین براڈ کاسٹر" بنادیا۔ یہ ٹکڑا میں اپنے لئے استعمال نہیں کررہا ہوں بلکہ ریڈیو والے اور سننے والے اور ساتھ میں کام کرنے والے کہتے تھے صفیہ کاظم' نیلوفر عباسی' عائشہ خان' غزالہ رفیق' خوش بخت عالیہ تمام ہی مشہور کمپیئرز نے میرے ساتھ پروگرام کئے اور میں کبھی ناکام نہیں رہا میرے استاد جناب میجر آفتاب حسن مرحوم مجھے جان ریڈیو کہتے تھے اخبار والے دروازہ خاور کے خالق کا لقب دیتے تھے پان والے کی دکان سے لے کر اہل علم کے حلقوں تک پروگراموں کی گونج تھی۔ لوگ بات کرنے میں آواز اور لہجہ سے پہچان لیتے تھے اور سامعین کا پھیلاؤ بنگلہ دیش' مشرق وسطی اور یورپی ممالک تک تھا۔ پھر بات یہاں تک پہنچی کہ شہرت سے

بیزاری آگئی بالاخر ایک پروگرام میں ریڈیو کے مشہور براڈ کاسٹر جناب محمد نقی نے تو شکوہ کیا کہ نہ جانے کیوں شہرت فائق صاحب کے پیچھے پیچھے بھاگتی ہے اور فائق صاحب آگے آگے۔ بہرحال انجام یہی ہوا کہ پھر ایسا بھاگا کہ شہرت کو سراغ تک نہ ملا۔ اس کی وجہ کچھ قصر سماعت اور کچھ مصروفیات کی نوعیت میں تبدیلی تھی میری توجہ کا مرکز اب ریڈیو نہیں ہومیو پیتھی تھی۔ ہوا یوں کہ مجھے ۷۸ء میں پروفیسر شپ مل گئی۔ جب میں پروفیسر ہوا تو میرے ریٹائرمنٹ میں ۲۰ سال باقی تھے اس وقت میں نے یہ سوچا کہ تعلیمی کیریئر میں سب سے بڑا اعزاز پروفیسری ہوتی ہے وہ مل جانے کے بعد بیس سال سپاٹ ہیں۔ نفسیات میں جو کچھ کر سکتا تھا وہ کرلیا۔ آگے مزید امکانات معدوم ہیں لہٰذا یہ بیس سال اور اس کے بعد کی مدت گزارنے کے لئے کوئی منفعت بخش شغل درکار تھا۔ حالات کے مطابق کوئی مفید مطلب راستہ نظر نہیں آرہا تھا صرف ایک امکان تھا کہ اپنے ہومیو پیتھی کے مطالعہ کو از سرنو منظم کیا جائے اور آگے کا وقت ایک ہومیو پیتھی کے ڈاکٹر کی حیثیت سے گھر پر بیٹھ کر گزارا جائے۔ مجھے ہومیو پیتھی کا پیشہ اپنانے کی دعوت کئی بڑے ہومیو پیتھ سے مل چکی تھی وہ میرے غیر منظم سے مطالعہ کو بھی بڑی قدر کی نظر سے دیکھتے تھے میں ہومیو پیتھی کے اثر انگیز معالجہ کا تو پہلے سے ہی قائل تھا مرحوم ڈاکٹر اصغر سے میری ملاقات تقریباً ”۶۰ء سے تھی نزلہ زکام بخار اور بدہضمی میں ان کی ایک پڑیا تیر بہ ہدف ثابت ہوتی تھی ان سے کتب لے کر ہومیو پیتھی کی دوائیں بھی پڑھی ہوئی تھیں مگر اس کے فلسفہ اور فارمیسی وغیرہ سے واقفیت نہیں تھی میرے پرانے دوست جناب عبدالماجد صدیقی ہومیو پیتھی کو الیفائی کر چکے تھے کہ ایک مرتبہ وہ گھر پر آئے میں دستوں کی شدید تکلیف میں مبتلا تھا۔ انہوں نے قریب کے ہی کسی کلینک سے لے کر مجھے ایک پڑیا کھلائی اور مجھے گھنٹوں کیا منٹوں میں آرام آگیا اور پیٹ کی شدید تکلیف ختم ہوگئی میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے کونسی دوا دی ہے انہوں نے فرمایا ”کروٹون

ٹک" میں نے ان کے جانے کے بعد دوا کا مطالعہ کیا واقعی اس کی تحریر کردہ خصوصیات میرے حسب حال تھیں اس مماثلت کی بنیاد پر اس کے جادو اثر ہونے کا تجربہ مہمیز ثابت ہوا فوراً" اپنے نفسیات کی سابق شاگرد اور اس زمانے کے معروف ہومیوپیتھ ڈاکٹر محمد حسین سوداگر سے رابطہ کر کے ان کے کلینک پر بیٹھنا شروع کیا۔ جب وہ حج پر گئے کلینک میرے سپرد کر گئے اور قانونی ضرورت پورا کرنے کے لئے ایک کوالیفائیڈ لیڈی ڈاکٹر ثمینہ کو بھی وہاں بیٹھنے کی خدمت سپرد کی ان کی غیر موجودگی میں پریکٹس سے مزید اعتماد بحال ہوا بالاخر ڈاکٹر اکبر علی سے رابطہ کر کے سینٹرل ہومیوپیتھک میڈیکل کالج کراچی میں سال اول میں داخلہ لے لیا وہ اس وقت اس کالج کے سیکریٹری اور میرے ساتھ بڑے مہربان تھے جناب نواز صاحب پرنسپل تھے ان کی نوازش سے حاضری کی بھی چھوٹ مل گئی میں نے پروفیسر سید محفوظ علی کو بھی داخلہ لینے پر راغب کر لیا چار سالہ نصاب مکمل کرنے کے لئے شاید چار مرتبہ کالج گیا ہوں گا جناب نواز صاحب نے ہمارا تعارف ایک سینئر ایجوکیشنسٹ کی حیثیت سے کروا دیا تھا اس لئے اساتذہ سب مہربان تھے جناب آر اے کلیمی بھی ہم جماعت ہو گئے تھے چنانچہ ڈاکٹر اکبر علی صاحب کا کلینک ہمارے لئے کافی تھا ہم سب نے "خود معلمی" کی اور بغیر کسی استاد کی مدد کے خود تکمیل نصاب کی ہومیوپیتھی کی کتب جمع کرنی شروع کیں آج بیس سال بعد نتیجہ یہ ہے کہ شاید کسی ہومیوپیتھ کے پاس مجھ سے زیادہ کتابیں اور دوائیں نہیں تمام دنیا بھر سے کتابوں کے پرنٹ اور ری پرنٹ جمع کر لئے ہیں۔ طویل عرصہ کالج میں پڑھانے اور کتابیں لکھنے کا تجربہ کتب کی دستیابی' شوق' ضرورت اور ساتھ سب عوامل کے یکجا ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بورڈ کے امتحانات میں ریکارڈ قائم کرتا ہوا چار سال میں ایک مستند ڈاکٹر کی حیثیت سے فارغ التحصیل ہوا۔ ایک استاد ایک مقرر ایک مصنف اور ایک براڈ کاسٹر کی حیثیت سے لوگوں کی واقفیت کا رخ ہومیوپیتھی کی جانب ہو گیا۔ اب گھر کے ایک

کمرے میں کلینک ہے نہ کوئی بورڈ ہے نہ اشتہار نہ کمرشیل مزاج اللہ تعالیٰ نے اپنے شفا بخشی کے فضل کا وسیلہ بنا دیا ہے جو آتے ہیں انہیں دوا کے ساتھ دعا بھی دیتا ہوں۔ قبول کرنے والا قبول کرتا ہے کامیاب نتائج سامنے رہنے کی وجہ سے ہمت افزائی ہوتی رہتی ہے جو مریض آنا چھوڑ دیتے ہیں ان کی طرف سے طبیعت میں مایوسی آتی ہے مگر اکثر کے متعلق بعد میں پتہ چلتا ہے کہ وہ تو ٹھیک ہو گئے تھے۔ ہومیوپیتھی سے متعلق کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہوں ہر نظام کے بعض کمزور پہلو ہوتے ہیں اس کے بھی ہیں ہسپتال موجود نہ ہونے کے سبب بعض مریضوں کو ایلوپیتھک ہسپتال میں داخلے کا مشورہ دیتا ہوں۔ سرجری کے کیس دواؤں پر رکھ کر خراب نہیں کرتا بالعموم "سب ایکوٹ" کیس میرے پاس زیادہ آتے ہیں۔ ویسے بعض "کرانک اور مینٹل" مریضوں میں بھی حیرت انگیز نتائج سامنے آئے ہیں۔ بعض مریضوں نے تو اپنے احوال و علاج کی داستانیں اخبار و رسائل میں شائع بھی کرائی ہیں۔ نمونہ کے طور پر دو شائع شدہ کیس جو میرے ریکارڈ میں ہیں پیش کر رہا ہوں۔

بشکریہ جناب ڈاکٹر سلیم احمد

یہ دونوں کیس ماہنامہ "دی کیور" سے نقل کئے گئے ہیں۔

کرشمہ ہومیوپیتھی

فطرت انسانی کا بنیادی تقاضہ اپنی بقاء اور اپنی نسل کا تحفظ ہے۔ اس حیثیت کی تعمیل و تکمیل دانستہ یا نیم دانستہ ہر ایک ہی کرتا ہے۔ میں نے بھی بچپن سے جو شعوری جدوجہد اپنی ذات کی تعمیر کے لئے قلم کا سہارا لے کر شروع کی اس سے میری ذات کی تعمیر کیسی ہوئی۔ اس میں خرابی کی کوئی صورت بھی تھی۔ یہ تو میرے ناقدین ہی بتا سکتے ہیں۔ بات کچھ عجب انداز میں شروع ہوتی ہے۔ آج قلم اٹھانے کی وجہ ذرا سی مختلف ہے۔

"دی کیور" کے قارئین شاید اس انداز کو عجب محسوس کریں لیکن مجھے امید ہے کہ بین سطور جو کچھ بھی لکھوں گا وہ یقیناً" ہومیوپیتھی کے مسلمہ ہونے کی ایک اور مکمل دلیل ثابت ہوگی۔

میرے قابل صد احترام مشفق و محب والدین نے ۲۱ اپریل ۱۹۷۸ء کو میرے لئے زندگی کا اہم ترین دن قرار دیا اور اس روز میں رشتہ زوجیت کا سزاوار ٹھہرا۔

وقت گزرتا رہا۔ ہم دونوں کی زندگی کے نوسپاٹ اور خاموش سال کسی نومولود کی آرزو میں گزر گئے۔ بس یہ کہئے ایک صحرا میں مجنوں کی طرح اپنی دیوانگی کو اپنی شریک حیات کی آرزوؤں کا نام دے کر مختلف اسپتالوں اور ڈاکٹروں سے رجوع کرتا رہا۔

میری شریک زیست اوائل حیات میں شکر کی زیادتی اور کچھ نسوانی خامی کی وجہ سے اپنی آرزو کی تکمیل سے قاصر تھیں۔ ذیابیطس شاید ہماری نسل کی راہ روکتی رہی۔ یہ سن ۱۹۸۶ء کا ماہ اکتوبر تھا جب ڈاکٹر سلیم احمد نے کراچی ہومیوپیتھک کنونشن منعقد کروایا۔ ان کے توسط سے میری ملاقات ہومیو ڈاکٹر اکبر علی سے ہوئی۔ اس

کنونشن کی تیاریاں جاری تھیں کہ مجھے اکبر علی صاحب نے اپنے کلینک پر مدعو کیا یہ وہ تاریخی دن تھا کہ میں نے اپنے وطن کے ایک صاحب نظر ہومیوپیتھ ڈاکٹر کے نیاز حاصل کئے اور وہ ہیں ملک کے نامور ماہر نفسیات' ماہر تعلیم مشہور براڈ کاسٹر اور ربع صدی تک ادبی محفلوں کی جان مشاعروں کی روح رواں رہنے والی شخصیت میرے محترم استاد پروفیسر محمد فائق۔

ماجرہ کچھ یوں ہے کہ کراچی ہومیوپیتھک کنونشن کے سلسلے میں میری مصروفیات کچھ زیادہ ہی تھیں اور میں اپنی شریک حیات کی جانب سے کچھ زیادہ ہی فکر مند رہا کرتا تھا۔ فائق صاحب نے میری پریشانی کو شاید محسوس کرلیا۔ اور گویا ہوئے۔ میاں کیا پریشانی ہے؟ جو تم اپنے فرائض کی انجام دہی سے کبھی کبھی غافل ہو جاتے ہو۔ آخر کوئی تو وجہ ہوگی۔ شاید اس وقت میں نے بڑی مشکل سے اپنی مسکراہٹ برقرار رکھی تھی لیکن پھر بھی میں اپنی آنکھوں کی نمی کو فائق صاحب سے نہیں چھپا سکا۔ آپ نے بڑے مشفقانہ انداز میں گھر آنے کو کہا۔ میری شریک حیات ۲۵ سال سے ذیابیطس کی مریضہ ہیں۔ فائق صاحب نے بڑی محبت سے تمام حالات پر گفتگو کی اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونے کی تلقین کرتے ہوئے پورے یقین کے ساتھ علاج شروع کیا۔

ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ میں علمی طور پر فیضیاب ہوتا رہا اور میری شریک حیات اپنی محرومی کا علاج کراتی رہیں۔ وہ دوا کے ساتھ ساتھ ہدایات دیتے رہے جو جلد ہی ہماری زندگی کی نو سالہ صحرا نوردی کو ختم کرتی رہیں۔ ایک ماہ کا عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ حیرت انگیز طور پر ریگستانی زندگی میں سبزہ زاری کا احساس ہونا شروع ہوا۔ یہاں یہ وضاحت کردوں کہ بیشتر ماہرین ذیابیطس اور امراض نسواں نے ہمیں مایوسی کی چوکھٹ پر لا کھڑا کیا تھا۔ پھر بھی ملک کی مایہ ناز پروفیسر صادقہ جعفری سے ہمارا رابطہ برقرار تھا۔ فائق صاحب کے معالجہ کے دوران میری شریک حیات نے ایک دن مجھے

خوشی کی نوید سنائی اور میں فوراً" ڈاکٹر صاحب کی ہدایت پر انہیں ۔جے پی ایم سی ڈاکٹر صادقہ جعفری صاحبہ کے پاس لے کر گیا۔ کچھ ابتدائی ٹیسٹ کے بعد انہیں فوری داخل کرلیا گیا۔ ڈاکٹر صاحبہ اس معجزے پر خود بھی بڑی حیران تھیں۔ میری شریک حیات چھ ماہ تک مسلسل اسپتال میں داخل رہیں۔ اس دوران فائق صاحب کی ہدایات مجھے ملتی رہیں اور وہ ہر روز مریضہ کی کیفیت لیتے رہے۔

۱۷ مئی ۱۹۸۷ء اللہ بزرگ و برتر کے حضور ان گنت سجدے ادا کرنے اور اس کی رحمت و کرم کا شکر ادا کرنے کا دن کہ ایک بڑے آپریشن کے بعد میں ابو عمار کہلانے کا حق دار ہوگیا۔ محمد عمار خان میری نسل کی بقاء کے لئے مولود ہوا۔ صد شکر الٰہی کی یہ سب تیرا احسان ہے۔

میری زندگی میں ایسی بہت کم شخصیات آئی ہیں۔ جن سے میں متاثر ہوا ہوں۔ پروفیسر صاحب کی ذات سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ مزاح نگاری' ادبیات' شاعری کے علاوہ میں نے موصوف میں ایک روحانی لنک بھی پائی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہومیو پیتھی کا کلاسک لٹریچر جس قدر پروفیسر صاحب کی لائبریری میں میری نظر سے گزرا وہ بہت کم شخصیات کے پاس ہوگا۔ فائق صاحب دنیائے ہومیو پیتھی میں اپنی خالصتاً" مشرقی وضعداری کے ساتھ اپنی نسل کے واحد نمائندہ ہیں۔ یہ بات میں پورے یقین سے تحریر کررہا ہوں کہ دنیائے ہومیو پیتھی میں فرزند پاکستان ایک روشن ستارہ بن کر چمکے گا۔

آخر میں یہ تحریر کرتا چلوں کہ میں ہومیو پیتھ نہیں ہوں لیکن پھر بھی ڈاکٹر صاحب نے جو دوائیاں استعمال کرائیں اس کے خواص اور اثرات پر مجھ سے مکمل گفتگو کرتے رہے اگر اس کیس کی مزید تفصیلات میرے قارئین کے لئے دلچسپی کا باعث ہوں تو دی کیور کے صفحات حاضر ہیں میں کوشش کروں گا کہ ڈاکٹر صاحب اس موضوع پر مفصل مضمون تحریر فرمائیں۔

ہسٹیرک افونیا اور ہومیوپیتھک دوا

میرے نام و پتے سے یقیناً" آپ کو کوئی دلچسپی نہ ہو گی اس لئے اسے راز ہی رکھتے ہوئے اپنا ایک تجربہ بیان کر رہا ہوں۔ خود چھپ کر اپنا حال بیان کرنے میں بھی اتنی "تشہیر" ضرور ہے کہ میرے قریبی دوست احباب اور عزیز و اقارب بہرحال پہچان جائیں گے۔ مگر میں نے یہ اس لئے گوارہ کیا کہ عام قارئین اور ڈاکٹر صاحبان کے سامنے نفسیاتی امراض میں ہومیوپیتھک دواؤں کی اثر انگیزی کا گواہ بن جاؤں۔

میں ایک سرکاری محکمہ میں بہتر حیثیت میں کام کر رہا ہوں۔ میری بیوی ایک اسکول میں ٹیچر ہیں ہم دونوں کی شادی باہمی اشتیاق و رضامندی سے ہوئی۔ مگر اس میں میرے سسرال والے جبریہ تیار ہوئے اور شادی کے بعد سے ان کا رویہ میرے ساتھ ایسا رہا کہ مجھے ان سے ترک تعلق کرنا پڑا۔ مگر بیوی پر میں نے کوئی پابندی عائد نہیں کی وہ اپنے گھر اور اپنے خاندان کی تقریبات میں مسلسل شریک رہی مگر اکیلی کبھی کبھی انہوں نے اپنی اس ذہنی تکلیف کا بھی اظہار کیا جو ان کو میری عدم شرکت سے ہوتی تھی اور یہ بھی کہا کہ "میں اپنی سہیلیوں اور رشتہ داروں میں آپ کی شرکت نہ کرنے کے جھوٹے جواب دیتے دیتے تھک گئی ہوں۔" ایک مرتبہ ایک تقریب سے قبل شرکت کے لئے انہوں نے مجھ پر بہت زور دیا جس پر آپس میں کچھ ان بن بھی ہو گئی۔ خاصی تلخی آگئی مگر ہماری تلخی سے تقریب تو نہیں ٹل سکتی تھی بالاخر اس میں بھی بہت رنجیدہ رنجیدہ ہماری بیگم صاحبہ دو چھوٹے بچوں کے ساتھ میرے بغیر ہی شرکت کے لئے گئیں وہاں طبیعت پر کچھ زیادہ ہی گھبراہٹ رہی اور جب گھر واپس آئیں تو آواز غائب۔ بالکل گونگی ہو چکی تھیں میں تین چار دن

تک مختلف ڈاکٹروں سے علاج کرواتا رہا کوئی افاقہ نہ ہوا۔ ڈاکٹروں نے تجویز کیا کہ ذہنی ہسپتال میں علاج کروائیں انہوں نے بجلی کے جھٹکے لگانے کو کہا۔ جس سے میں خاصہ پریشان ہوا۔ پھر میرے ایک دوست نے جو آغا خان ہسپتال کے ایک خاص شعبہ میں ذمہ دار عہدے پر فائز تھے مجھے مشورہ دیا کہ میں پروفیسر محمد فائق سے رجوع کروں چنانچہ میں ان کے کلینک گیا اور پورا ماجرا کہہ سنایا۔

پروفیسر فائق صاحب نے مجھے علیحدہ بٹھا دیا اور یکطرفہ میری بیوی کو کچھ ہدایات کے ساتھ ایک کاغذ دیا اور کہا کہ اس پر پورا حال اور کیفیات لکھ دو۔ انہوں نے تقریباً" آدھے گھنٹے میں چار چھ صفحات لکھ دیئے جو میں نے ہنوز نہیں دیکھے مگر میرا خیال ہے اس میں وہی سب باتیں تفصیل سے تھیں جو میں نے اوپر مختصر بیان کی ہیں۔ پروفیسر صاحب نے پوری تحریر پڑھ کر مریضہ کا گلا دیکھا۔ زبان دیکھی ' آواز نکالنے کو کہا' با آواز سانس لینے کو کہا مگر کسی طرح آواز کا نام ونشان نہیں ملا۔ اس وقت تقریباً" رات کے نو بج گئے تھے انہوں نے دو پڑیاں دیں اور کہا کہ نمبرا سوتے وقت کھالیں اور اگر فائدہ نہ ہو تو دوسرے دن کھالیں۔ میں نے مغموم و پریشان رات گزاری مگر بیگم ہماری آرام سے سوئیں میں نے دیکھا کہ وہ صبح اٹھیں جمائی لی اور بچے کو اسکول جانے کے لئے آواز دے کر اٹھایا میں آواز سن کر چونک پڑا بچہ بھی خوشی سے چھلانگ لگا کر اٹھا ہمارے اس مسرت آمیز رویئے سے بیگم کو یاد آیا کہ وہ گونگی ہو گئی تھیں پھر بہت خوش ہوئیں بہت ہنسیں بچے کے اسکول کی چھٹی' میری دفتر سے چھٹی اور پروفیسر فائق کے گھر پر مٹھائی کے ڈبے کے ساتھ با آواز بلند حاضری دی کس قدر خوشگوار فضا تھی پروفیسر فائق صاحب کے گھر والے بھی یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ مگرچہ آٹھ ماہ بعد آپس کی کسی نوک جھونک پر وہی المناک صورت حال سامنے تھی تشویش ناک رات گزار کر پھر پروفیسر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اب کے انہوں نے مریضہ کی زبان پر دوا کے چند قطرے ٹپکائے

حالت بالکل وہی پہلے والی تھی مگر پروفیسر صاحب نے بتایا کہ اب کے زبان بہت موٹی ہو رہی تھی آج گھر جانے کی اجازت نہ ملی آدھ گھنٹہ کلینک پر گزارنا تھا مگر آدھ گھنٹے کے بجائے پندرہ منٹ میں ہی بیگم نے آواز دے کر پانی مانگا اب کے پروفیسر صاحب خوش نظر آ رہے تھے۔

اس مرتبہ ہمیں سخت تنبیہہ کی گئی کہ آپس میں تلخیاں ختم کر کے پیار و محبت سے رہیں ورنہ اب کے اگر حملہ ہوا تو علاج مشکل ہو گا پھر کچھ دن بعد تلخ صورت حال پیدا ہوئی ذرا تیز گفتگو' زیادہ تلخی' بدزبانی وغیرہ وغیرہ اور انجام پھر وہی آواز بند۔ اب ہم پروفیسر صاحب کے پاس جاتے ہوئے شرمندگی محسوس کر رہے تھے۔ ناچار گئے۔ پروفیسر صاحب نے صورت حال دیکھ کر مجھ سے کہا آئندہ اب میرے پاس نہیں آئیں گے۔ وہ آدھ گھنٹے تک وقفہ وقفہ سے زبان پر دوا ٹپکاتے رہے مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ پھر انہوں نے ہمیں تین پڑیاں دے کر کہا کہ گھر جا کر پانچ پانچ منٹ سے تین پڑیاں کھلا دیں تیسری پڑیاں کھانے کے بعد بیگم بولیں۔ آئندہ پروفیسر فائق کے ہاں نہیں جانا ہے۔ ہم اب بھی گاہے گاہے جاتے ہیں مگر دونوں بولتے ہوئے ہنسی خوشی اس کیس کے لئے دواؤں سے متعلق معلومات لکھوانے ابھی ابھی گئے تھے۔ پروفیسر محمد فائق صاحب نے ہمارے مطالبہ پر حسب ذیل تحریر دی اور بتایا کہ یہ مرض ہسٹوک افونیا کہلاتا ہے۔

پہلی مرتبہ ایکونائٹ ۲۰۰ کی ایک خوراک نے کام کیا تھا اس لئے کہ مرض اچانک رونما ہوا تھا مریض میں شدید کرب اور گھبراہٹ تھی اور اسباب ہیں FEAR' FRIGHT اور PSYCHIC SHOCK (پوچھ گچھ کی وجہ سے) نمایاں تھے دوسری پڑیا جلسیمیم کی تھی جو استعمال کرنے کی نوبت نہیں آئی۔

دوسری مرتبہ چونکہ واقعہ مکرر تھا اس لئے ایکونائٹ کی حد سے باہر تھا اور اب کے چونکہ باہمی لڑائی جھگڑا تھا اس لئے خوف SHOCK سے زیادہ داخلی اور

ANGER اور DEPRESSING EMOTIONS کا تھا۔ ساتھ ہی زبان موٹی تھی اور مریضہ مشتعل ہونے کی بجائے مضمحل نظر آرہی تھی اس لئے زبان پر جیلسیمیم ۲۰۰ کے دو قطرے ٹپکاتے ہی زبان میں حرکت شروع ہوگئی اور دس پندرہ منٹ میں مریضہ نے بولنا شروع کردیا۔

تیسری مرتبہ مجھے اپنی پچھلی تجویز کی تصدیق کرنی تھی کہ آیا کام جیلسیمیم نے کیا تھا یا محض الکوحل نے۔ چنانچہ میں وقفہ وقفہ سے الکوحل کے قطرے زبان پر ٹپکاتا رہا۔ جب تصدیق ہوگئی کہ الکوحل کے ریفلکس سے زبان پر تو اثر ہوا مگر آواز نہ کھلی تو میں نے جیلسیمیم دس ہزار کی تین پڑیاں دیں جنھوں نے کام کیا یہ تین پڑیاں جو کہ پانچ پانچ منٹ کے وقفہ سے دی گئی تھیں اس لئے میری نظر میں ایک ہی خوراک تھی جس نے کام کیا میں نے یہ دوائیں خالص ہومیوپیتھک مماثلت کے اصول پر دی تھیں۔ ورنہ مرض کے نام اور ہسٹریائی نسبت سے IGNATIA، STAPHYSAGRIA، VALERIANA، NATRUM MUR، ASAF، CAUST ذہن میں آتی ہیں مگر ہومیوپیتھ مرض کے نام سے دوا نہیں دیتے علامات پر دیتے ہیں اگر ACONITE اور GELSEMIUM کی علاماتی مماثلت میرے مشاہدے کی گرفت سے باہر ہوتی تو شاید میں دیتا اس لئے کہ ناقابل گرفت مماثلت کی شکل میں دوسرا سہارا سبب یعنی ETIOLOGY میں ہوتا ہے۔

آپ نے اوپر جو کیس پڑھے ہیں اگر ڈاکٹر چاہتا تو ان سے رقم بنا سکتا تھا لیکن بفضلہ تعالیٰ میں نے ان میں ایک پائی بھی حاصل نہیں کی اور یہ میری خوبی نہیں بلکہ میرے رب کا کرم ہے کہ مجھے اس نے لالچ سے نجات دی ہے اور دال روٹی پر شکر کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ ویسے ہومیوپیتھی میں بھی قلم میرے ہاتھ سے نہیں چھوٹا ہے۔ متعدد مضامین اردو اور انگریزی میں مختلف رسائل و جرائد و اخبار میں شائع

ہو چکے۔ کچھ مواد دہلی سے بی جین پبلشر نے بھی شائع کیا ہے اور تین کتابوں کے مسودے میرے پاس برائے طباعت موجود ہیں۔

☆------☆------☆

ویسے میرے کلینک پر مریضوں کی طرح ڈاکٹر صاحبان بھی آتے ہیں وہ اپنے مریضوں کے سلسلے میں مشورہ کرتے ہیں ان میں بعض بہت بڑے اور نام آور ڈاکٹر بھی ہیں چونکہ خود نام آور ہیں اس لئے ان کے نام بیان کرنا مناسب نہیں۔ ویسے ہومیو پیتھی میں اپنی خدمات کے بیان کو طول دینا نہیں چاہتا اس لئے کہ یہ عمومی دلچسپی کا موضوع نہیں ہے اور بات کرنے کا اصول یہ ہے کہ سامنے والے کے "ذہن اور ظرف اور مزاج" کو سامنے رکھ کر گفتگو کی جائے سچ کہا جائے سب نہ کہا جائے یہ سبق مجھے میرے دوست نے دیا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ یہ تمام باتیں لکھنے میں اپنی "نفسانی تسکین" یا "انائی محرکات" کے بعض پہلو پنہاں ہوں مگر شعوری حد تک تو یہ سب کچھ لکھنے کا مقصد اپنی اولاد کو اور اولاد کی اولاد کو یہ احساس دلانا ہے کہ انسان اگر چاہے تو انتہائی ناموافق حالات میں بھی فعال اور مصروف زندگی کامیابی سے گزار سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس کا اعتقادی معاملہ درست ہو اور کسی کی نظر کرم اس کا پیچھا کر رہی ہو اور خود وہ یہ احساس رکھتا ہو کہ

مرے الفاظ میں احساس میں فکر و تخیل میں
غم و الام اور لطف و مسرت کے تبادل میں
مرے حسن طلب ذوق وفا رنگ توکل میں
وہ جس کو زندگی کہتے ہیں اس پورے تسلسل میں
اگر تو ہے تو سب کچھ ہے وگرنہ سب خسارہ ہے
فقط تیری تمنا ہے فقط تیرا سہارا ہے

نسب نامہ خرسواراں

(کچھ وضاحتیں)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پندرہویں پشت میں ایک بزرگ مولانا حسام الدین گزرے ہیں یہ مستنصرباللہ کا زمانہ تھا جس کا انتقال ۶۴۰ھ میں ہوا اس نے اپنے عہد میں تعلیمی اصلاح پر خاص توجہ دی تھی اور تمام مملکت کے بہترین علماء کو تدریس کے فریضہ سپرد کئے تھے اس نے مولانا حسام الدین کو ہرات کے مدرسہ کا مدرس مقرر کیا تھا مولانا حسام الدین کے ایک بیٹے شیخ مطیع اللہ تھے جن کی ولادت شرواں میں ہوئی تھی اس لئے شیخ مطیع اللہ شروانی کہلاتے تھے۔ عرب و عجم میں کافی سیاحی کی تھی پیشہ تجارت تھا۔ ۵۷۴ھ میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی تھی سید اعزالدین مکیؒ کے مرید تھے سید صاحب امام حسینؓ کے پندرہویں پوتے تھے اور حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ کے ہاتھ پر بیعت تھے۔ حج سے واپسی پر شیخ مطیع اللہ شروانی ان ہی کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے اور ان ہی سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ ۶۰۴ھ میں بدایوں تشریف لائے اور ۱۸ رجب ۶۰۵ھ کو وصال فرمایا۔ مزار شریف حضرت سلطان العارفین صاحب کی درگاہ کے اندر ایوان سلطانی میں ہے آپ بدایوں کے تین اکابر اولیائے کرام حضرت سلطان العارفینؒ حضرت شاہ ولایتؒ اور خوجہ عثمان سہروردیؒ کے والد تھے آپ کے وصال کے پندرہ سال بعد ۶۲۰ھ میں حضرت مطیع اللہ شروانی بدایوں تشریف لائے اور ملا عبداللہ مکی کی وصیت کے مطابق عصر کی سنتیں قضاء نہ ہونے کی شرط پورا کرتے ہوئے ۶۲۷ھ ۱۷ رجب کو ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ سیاحت و تجارت سے تعلق ہونے کے سبب آپ خچر پر سواری کرتے تھے اور بدایوں میں متوطن ہو کر بھی یہ وضع قائم رہی چنانچہ

اہل بدایوں نے انہیں خرسوار کہنا شروع کردیا اور بدایوں میں آپ کی عرفیت شیخ مطا خرسوار مشہور ہوئی۔ بدایوں کا خرسوار خاندان آپ ہی کی اولاد میں ہے آپ کے ساتویں پوتے محمد واصل تھے جن کے دو بیٹے ہوئے ایک محمد کامل اور دوسرے محمد مکمل شہید۔ محمد کامل لاولد تھے اور محمد مکمل شہید کے چار بیٹے تھے ان کی دو شادیاں ہوئی تھیں پہلی بیوی دختر قاضی عبدالسلام عباسی لاولد تھیں دوسری شادی حافظ عبدالغفور عثمانی کی دختر سے ہوئی ان کے چار بیٹے ہوئے غلام محی الدین، محمد اکمل، مولوی محسن علی اور حافظ آل حسن ان چاروں میں محی الدین کے بیٹا کوئی نہیں ہوا تین بیٹیاں ہوئیں محمد اکمل کے دو بیٹے عبدالستار اور محمد سعید اور چار بیٹیاں ہوئیں ایک زوجہ کرم احمد عثمانی بریلوی ایک زوجہ ابوالمظفر فرشوری ایک زوجہ سعید الدین عباسی اور ایک زوجہ محمد رضا خرسوار تیسرے بیٹے مولوی محسن علی کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں ایک بیٹی زوجہ تجمل حسین اور دوسری زوجہ محمد حسین (غالباً حمیدی) دو بیٹے ایک محمد رضا اور دوسرے محمد صالح تھے۔ چوتھے بیٹے حافظ حسن علی تھے ان کے ایک بیٹے حافظ آل حسن اور دوسرے حافظ فرزند حسن تھے ایک بیٹی زوجہ قاضی ظہور الحسن صدیقی تھیں۔ مولوی محسن علی کے بیٹے محمد رضا کے دو بیٹے ہوئے (جو محمد اکمل کے نواسے تھے) ایک مولوی ریحان رضا اور دوسرے رضوان رضا جو لاولد تھے مولوی ریحان رضا کے ایک بیٹی زوجہ عبدالستار اور ایک بیٹے مولوی عثمان رضا تھے۔ مولوی محسن علی کے دوسرے بیٹے محمد صالح کے ایک بیٹے تھے مولوی محمد اصلح ان کی زوجہ اول دختر آل حسن اور زوجہ ثانی دختر نذر حسین میری دادی تھیں زوجہ اول سے ایک بیٹی تھیں جن کی شادی مقوی الاسلام عباسی سے ہوئی تھی (ایک اور روایت کے مطابق ان کی شادی مفتی لطف سے ہوئی تھی انتقال ۱۹۱۶ء میں ہوا تھا لاولد تھیں واللہ اعلم بالصواب) مولوی محمد اصلح کی زوجہ ثانی سے چھ بیٹیاں اور پانچ بیٹے ہوئے ان میں دو بیٹے مولوی ریاض باقر اور مولوی محمد علی

عباس کراچی آگئے دوسری بیٹی برجیس فاطمہ بھی کراچی آگئیں اب کراچی میں ان تینوں کی اولاد موجود ہے۔ نیز بڑی بیٹی بلقیس فاطمہ کے بیٹے مولوی سلمان رضا اور مولوی فرقان رضا جو مولوی عثمان رضا کے بیٹے ہونے کے سبب خرسوار ہیں کراچی میں ہیں ان کے بڑے بھائی مولوی غفران رضا کے ایک بیٹے عمران رضا (قمر) بھی کراچی میں ہیں ان کے علاوہ مولوی محمد ریاض باقر کے بیٹے محمد آفاق اور محمد فاروق کراچی میں ہیں نیز مولوی محمد علی عباس کے تین بیٹے ایک راقم الحروف محمد فائق کراچی میں محمد شائق دوبئی میں اور محمد اشفاق جدہ میں مقیم ہیں۔ محمد فائق کے محمد اویس امریکہ میں اور محمد بلال اور محمد زید کراچی میں ہیں۔ بدایوں میں مولوی عثمان رضا کی اولاد اور مولوی سید احمد کی اولاد خرسواروں میں محمد مکمل شہید کے بیٹے مولوی محسن علی کے خاندان سے ہیں۔ محمد مکمل شہید کے خاندان کے علاوہ خرسواروں کے دو اور خاندان ہیں ایک محمد مکمل شہید کے پردادا عبداللطیف کے بھائی عبدالرحیم کا خاندان ہے جو محمد شریف کے بیٹے تھے اور محمد شریف شیخ مطیع اللہ خرسوار کے پرپوتے شیخ عبدالحمید کے بیٹے تھے اس دوسرے خاندان میں عبدالرحیم کے بیٹے عبدالکریم ان کے بیٹے سلیم اللہ اور ان کے بیٹے فخرالدین کے نام آتے ہیں۔ تیسرا خاندان محمد شریف کے بھائی محمد کبیر کا خاندان ہے جن کے پرپوتے عبدالقدیر کے بیٹے قاضی عبدالرشید ہیں جن کی چھٹی پشت میں یہ نام دہرایا گیا ہے۔ ان کی اولاد بدایوں میں ہے۔ عبدالرحیم کے خاندان میں حافظ غلام جیلانی اور ظہور احمد وغیرہ ہیں۔ یہ وضاحتیں اس لئے کردی گئی ہیں کہ اگر خرسوار خاندانوں کے بعض افراد کے پاس پچھلی دو تین پشتوں کے نام بھی محفوظ ہیں تو وہ ان وضاحتوں کے سہارے اپنا نسب نامہ مکمل کرلیں۔ پیش کردہ نسب نامہ خرسواراں کی سند و اعتبار کے ضمن میں عرض ہے کہ یہ نسب نامہ راقم الحروف پروفیسر محمد فائق نے تاہنوز اس طرح مکمل کیا ہے کہ جناب عثمان مرتضٰی المعروف بہ عتیق ابن مولوی علی احمد کے نانا

مولوی غلام قنبر کے برادر مکرم مولوی غلام شبر کے تحریر کردہ نسب نامہ خرسواراں کے ایک دستی نسخہ کی عکسی نقل جناب عثمان مرتضی سے حاصل کی جنہیں یہ نقل اپنے خاندانی تسلسل سے حاصل ہوئی تھی جسے مولوی غلام شبر صاحب نے مولوی حافظ عبدالستار ابن مولوی محمد اکمل ابن مولوی محمد مکمل شہید کے فراہم کردہ ان پرچہ ہائے کہنہ سے ترتیب دیا تھا جو حافظ عبدالستار صاحب کو اپنے اجداد سے بہ تصدیق و اعتبار حاصل ہوئے تھے۔ نیز ضیا علی خان اشرفی کی تصانیف تذکرہ العارفین اور مردان خدا میں فراہم کردہ معلومات بسلسلہ مطیع اللہ شروانی المعروف بہ مطا خرسوار اور شیخ کبیر الدین گھڑی ساز کے مرتبہ نسب نامہ شیوخ عبدالرحمانی متولیاں بدایوں کلمتہ باقیہ کے مندرجات کو باہم مربوط کر کے کامل احتیاط کے ساتھ یہ نسب نامہ محمد مکمل شہید تک بالتفصیل اور اس کے اوپر صرف ولدیت کے بیان تک محدود رکھ کر مرتب کیا گیا ہے جس میں کسی اشتباہ و تشکیک کا کوئی پہلو مضمر نہیں ہے۔ البتہ یہ کہ اس میں ایک کمی رہ گئی ہے کہ اس میں مولوی عثمان رضا کی زوجہ ثانی سے جو اولاد بدایوں میں ہے بوجوہ فصل ان کے نام معلوم نہ ہو سکے جن کی شمولیت کے بعد مولوی محمد مکمل شہید کی اولاد کا جو سلسلہ مولوی محسن علی سے چلا ہے مکمل ہو جاتا ہے۔ تحریر ہذا میں سند و اعتبار کے لحاظ سے جن ذرائع کے حوالے دیئے گئے ہیں ان کے متعلقہ تحریری مواد کی عکسی نقول راقم الحروف کے پاس محفوظ ہیں۔

پروفیسر محمد فائق صدیقی

نسب نامہ متولیان

(ایک سوال)

بدایوں میں متولی خاندان ایک معروف خاندان ہے اور ان کا نسب نامہ بہت مستحکم و معتبر تصور کیا جاتا ہے اس زمانے میں بھی اس خاندان کے بہت سے لوگ اپنی نجابت پر نازاں دوسروں کو وہ اعتبار دینے کے قائل نہیں جو خود ان کو اپنی نظر میں حاصل ہے۔ جامع انساب شرفائے نجیب الطرفین بدایوں کے مصنف غلام شبر نے نسب نامہ شیوخ صدیقی عبدالرحمانی کے ابتدائیہ میں تحریر فرمایا ہے کہ بدایوں میں جو شیوخ عبدالرحمانی ہیں ان کے چند خاندان ہیں ان میں ایک متولی دوسرا خرسوار تیسرا فجیبی چوتھا قاضی اور پانچواں "ملا" ہے۔ یہ سب حضرات ایک ہی سلسلہ میں منتسب ہیں لیکن خاندان متولیان جن کی قرابتیں دوسرے معزز شریف خاندانوں میں قدیم سے چلی آرہی ہیں ان بقیہ چار خاندانوں کے انتساب سے انکار کرتے ہیں۔ شجرہ کے مسئلہ پر حضرت منور بدایونی سے میری گفتگو ہوئی تھی۔ وہ بھی دوسرے متولیوں کی طرح اپنی نجابت پر تفاخر کے جذبات رکھتے تھے ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا تھا کہ ہمارے جد امجد کی نماز جنازہ تمہارے جد امجد نے پڑھائی تھی میں نے اس روایت کے سلسلہ میں جب کسی تحریری ثبوت یا تاریخی حوالے سے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے مجھے ایک کتابچہ "کلمتہ باقیہ" دکھایا جس کے چند اوراق کی فوٹو اسٹیٹ میں نے اپنے پاس محفوظ کرلی تھی یہ اب سے تقریباً" بیس سال پہلے کی بات ہے۔ یہ نسب نامہ شیوخ عبدالرحمانی متولیان بدایوں مرتبہ شیخ کبیر الدین گھڑی ساز ولد شیخ وزیر الدین بدایونی ہے اس کی تصحیح اور نظرثانی بدایونی کی دو بزرگ معروف اور معتبر شخصیات جناب مولوی مجتہد الدین صاحب عیش و جناب

حاجی عبدالجامع صاحب جامی نے کی ہے یہ کتابچہ ۱۳۵۵ھ امیر الاقبال پریس بدایوں کا مطبوعہ ہے۔ اس میں تحریر ہے کہ "حضرت عبداللہ مکی مکہ سے ہندوستان تشریف لائے اول لاہور میں قیام کیا نجیب اللہ پسر کو وہاں چھوڑ کر ۶۱۰ھ میں بدایوں تشریف لائے قبر احمد خیاط پر ہے قبل انتقال حضرت نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے جنازہ کی نمازہ وہ شخص پڑھائے جس کی سنتیں عصر قضا نہ ہوئی ہوں۔ تھوڑی دیر انتظار کرنا شاید کوئی بھائی میرا اس صفت کا آجاوے جس وقت انتقال ہوا اور جنازہ تیار ہو کر گورستان میں پہنچا بالیں حضرت احمد خیاط رکھا گیا (ا) اور بموجب وصیت انتظار کیا ایک شخص خرسوار نہایت نورانی شکل جانب شمال سے نمودار ہوئے اور سلام علیک کہہ کر شریک ہوئے اور اول ہی مرتبہ ہاتھ حافظ محمد یعقوب کا پکڑ کر فرمایا "برخوردار در نماز و دفن شیخ چہ انتظار است" حافظ صاحب نے سب حال عرض کیا نعرہ مار کر فرمایا برائے ایں کار بندہ شرمسار آمدہ است۔ پھر نماز پڑھائی اور ہمراہ لوگوں کے شہر میں آئے اور توطن اختیار کیا" یہ بزرگ شیخ مطیع اللہ شروانی المعروف بہ شیخ مطا خرسوار ہمارے جد امجد تھے۔ یہاں تک کہ سب حقائق اب سے بیس سال قبل بھی میرے علم میں تھے مگر میں نے زیر نظر تصنیف کے ضمن میں جو مطالعہ کیا اور نسب ناموں کی نقول اور اسلاف کے تذکروں سے متعلق جو مواد مجھے حاصل ہوسکا اس کے پیش نظر ایک ابہام کا تو ازالہ ہوگیا جو شیخ مطیع اللہ شروانی کی عرفیت "شیخ مطا خرسوار" سے متعلق تھا مگر دوسرا ابہام اور زیادہ بڑھ گیا جو لازما" تشریح طلب ہے۔ وہ یہ کہ نسب نامہ متولیان' نسب نامہ خرسواران اور نسب نامہ نجیبان تینوں کے مطابق حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن کی اولاد میں حضرت ابوبکرؓ صدیق کے ساتویں پوتے عبداللہ قریشی مکی کا نام ہے یہ عبدالرحمٰن ثانی کے بیٹے اور شیخ احمد عرف شیخ یعقوب کے والد ہیں جیسا کہ متولیان بدایوں میں مشہور ہے اور "مردان خدا" کے صفحہ نمبر ۱۴۷ پر تحریر ہے کہ "ملا عبداللہ مکی حضرت ابوبکر

صدیقؓ کی ساتویں پشت میں تھے" جو لاہور میں اپنے پسر نجیب اللہ کو چھوڑ کر بدایوں تشریف لائے جہاں ان کی تدفین میں ان کے دوسرے بیٹے حافظ محمد یعقوب شریک تھے جنہیں جانب شمال سے نمودار ہونے والے بزرگ (شیخ مطیع اللہ خرسوار) نے "برخوردار" کہہ کر مخاطب کیا ان تمام حوالوں کو سامنے رکھ کر چند قابل غور مسائل سامنے آتے ہیں۔

اول یہ کیا ابوبکر صدیقؓ کے ساتویں پوتے کا ۱۰۶۷ھ تک زندہ رہنا ممکن ہے؟ یہ امکان صرف اس شکل میں صادق ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے چھ پوتوں میں ہر ایک کے ایک بیٹا سو سال بعد پیدا ہوا ہو اور سو سال سے کچھ زیادہ زندہ رہا ہو تاریخ کسی ایسے عجوبہ کی تصدیق نہیں کرتی۔

دوم یہ "کس طرح ممکن ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتویں پوتے کی نماز جنازہ ان کے سولہویں پشت کے ایک فرد نے پڑھائی ہو چونکہ مطیع اللہ خرسوار حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سولہویں پوتے تھے اور ان کے سولہویں پوتے ہونے کی تصدیق اس نسبت سے بھی ہوتی ہے کہ وہ حضرت علی کرم کے سولہویں پوتے سید اعزالدین مکی لاہوری کے خلیفہ اور مرید تھے۔

تیسری بات یہ کہ حضرت عبداللہ مکی کی تدفین میں مطا خرسوار کا حافظ محمد یعقوب کو "برخوردار" کہہ کر مخاطب کرنا کس طرح ممکن ہے جبکہ ازروئے نسب نامہ حضرت شیخ یعقوب ابن شیخ عبداللہ قریشی شیخ مطا خرسوار کے ساتویں دادا یعنی پردادا کے پردادا کے دادا تھے۔

ان تمام حقائق کو سامنے رکھ کر خیال یہ ہوتا ہے کہ عبدالرحمن ثانی کے بیٹے عبداللہ قریشی مکی جو خود عبداللہ ثانی تھے ملا عبداللہ مکی نہیں ہیں بلکہ ان کی ساتویں آٹھویں نسل میں کوئی تیسرے عبداللہ گزرے ہیں جو اپنا توطن مکہ سے منسوب کرتے ہوں گے اور ملا عبداللہ مکی کہلاتے تھے ان کے بیٹے حافظ محمد یعقوب ہیں شیخ

احمد عرف شیخ یعقوب نہیں ہیں۔ (۲) ان حقائق کا تقاضہ ہے کہ متولیان بدایوں جو اپنے شجرہ نسب کو بہت معتبر قرار دے کر اس پر ناز کرتے ہیں نظر ثانی کریں اور ناموں کی مماثلت سے پیدا ہونے والی اغلاط کی تصحیح کے لئے اپنے شجرہ نسب میں تحقیق کریں یا اوپر ذکر کردہ حقائق کے خلاف اگر کوئی شہادت رکھتے ہوں تو پیش کریں۔ ورنہ یہ ثابت کریں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ایک سلسلہ نسب میں سولہویں پشت کے ساتھ اسی سلسلہ نسب کی ساتویں پشت بھی موجود ہو سکتی ہے جبکہ اسی عہد میں حضرت علیؓ کی بھی سولہویں پشت موجود ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(محمد فائق صدیقی بدایونی)

صراحت صفحہ نمبر ا

کلمتہ باقیہ میں لکھا گیا ہے جس وقت (عبداللہ مکی کا) انتقال ہوا جنازہ تیار ہو کر گورستان پہنچا۔ "بالین حضرت احمد خیاط رکھا گیا" اس بیان سے تاثر یہ ملتا ہے کہ گویا حضرت احمد خیاط کا وصال عبداللہ مکی سے پہلے ہوا تھا اور ان کا مزار شریف موجود تھا۔ جبکہ حضرت احمد خیاط کی تاریخ وصال ۸ رمضان ۶۶۲ھ ہے اور عبداللہ مکی کی تاریخ وصال ۱۷ رجب ۶۲۷ھ ہے یعنی عبداللہ مکی کا وصال شیخ احمد خیاط سے ۳۵ سال قبل ہوا ہے تو جنازہ کس طرح بالیں احمد خیاط رکھا جا سکتا ہے؟ تو اس بیان سے مراد یہ ہے کہ عبداللہ مکی کا جنازہ اسی جگہ رکھا گیا جو اب احمد خیاط کے مزار کا بالیں ہے وہیں شیخ مطیع اللہ خرسوار نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور وہیں ۶۳۴ھ یعنی عبداللہ مکی کے ۷ سال بعد مطیع اللہ شروانی کا مزار بھی عبداللہ مکی کے مزار کے ساتھ بنا یہ دونوں مزارات اب شیخ احمد خیاط کے مزار کے بالیں پر ہیں۔

صراحت صفحہ نمبر ۲

ازروئے شجرہ یہ ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کے پوتے عبداللہ ابن عبدالرحمٰن ہیں پھر ان کی چوتھی پشت میں ایک اور عبداللہ ابن عبدالرحمٰن ہیں یہ عبدالرحمٰن بھی ثانی ہیں اور عبداللہ بھی ثانی ہیں جنہیں عبداللہ قریشی مکی لکھا گیا ہے اور ان کے بیٹے شیخ احمد عرف شیخ یعقوب ہیں ہو سکتا ہے چھ سات پشت کے بعد پھر یہ نام دہرائے گئے ہوں اور وہ عبداللہ مکی و ابنہ حافظ محمد یعقوب ہوں۔ بہرحال یہ امر تحقیق طلب نظر آتا ہے۔

اشاریہ اسماء

اس کتاب میں استعمال ہونے والے ناموں کو حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دے کر یہ فہرست مرتب کی گئی ہے۔ ہر نام کے ساتھ درج شدہ صفحات نمبر پر اس نام کا حوالہ یا تفصیلات درج ہیں۔ اگر کچھ نام اس میں شمولیت سے رہ گئے ہیں تو یہ سہو ہو سکتی ہے۔ دانستہ کوئی نام ترک نہیں کیا گیا ہے۔

امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیقؓ ۷، ۱۷، ۲۸، ۳۰

اباجی۔ سیدی حضرت غلام محمدؒ ۷، ۲۰۴، ۲۳۵

پروفیسر سید باسط علی جعفری ۷، ۲۱۵

الف

ابرار احمد (ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ اسکول بدایوں ۲۰۷

ابرار الحسن سید ۸، ۱۶۲

ابرار علی صدیقی ۱۳، ۴۶، ۵۱، ۱۲۵

ابرار فاطمہ ۶۷

ابراہیم بن مقصود ۶۲

ابراہیم حسن ڈپٹی ۵۴، ۵۹، ۱۴۶

ابراہیم حسن شہید ۷۵

ابراہیم الرشید ۱۷۹

ابن خلدون ۱۴

ابوالحسن انصاری نوابزادہ ۱۸۵

ابوالحسنین قاضی ۶۵

ابوالخیر کشفی ۲۹۰

ابوالفضل انصاری نوابزادہ ۱۸۵

ابوالفضل صدیقی چودہری ۱۲

ابوالقاسم ۷۹

ابواللیث صدیقی ڈاکٹر ۱۲، ۳۶، ۵۳

ابوالمظفر فرشوری ۳۰۶

اثنا ندیم ۱۸۱

احتشام الدین خواجہ ۱۳۱

احمد حسن نوابزادہ ۱۸۰

احمد حسنین قاضی ۷۲

احمد شارق ۱۳۸

احمد حسین/ماسٹر ۲۰۶

احمد علی وکیل ۷۵

احمد خیاط ۱۸، ۲۷

احمد سعید قادری پروفیسر ڈاکٹر ۲۷۰

احمد رضا (کین) ۷۸

احمد ہارون ۱۲۶

احمد محمد (محمد احمد ابن خالد ظفر انصاری) ۱۷۸

احرار علی صدیقی ۱۲۵

احمر افسر ۱۲۷

احمر علی حمیدی ۱۵۳

احسان رضا ۱۱۵، ۱۱۸

احمر فراز کنور ۲۰۰

اختر جمال ۱۸۷

اختر دہلوی مولانا ۱۶۰

اخلاق اختر حمیدی ۱۳، ۳۶

ارج فاطمہ ۱۲۶

ارسلان امتیاز ۱۱۵

ارسلان جیلسی ۷۳

ارشد (بن قاضی ضمیر الحسنین) ۶۸

ارم آشکار ۱۵۲

ارم بخش ۱۱۵
ارم رشید ۱۸۰
ارمہ مظہر ۱۵۷
اریبہ بنت حارث ۶۲
اریبہ قسیم ۱۱۵
اسامہ نعیم ۱۰۵
اسحاق جلیسی ۷۳
اسد داور ۱۵۳
اسد محمد (ابن خالد ظفر انصاری) ۱۷۸
اسد وحید ۱۲۶
اسرار حسن ۱۸
اسرار علی صدیقی مولوی ۴۶، ۱۲۵
اسلم ڈاکٹر ۶۸
اسلم ۱۳۲
اسلم فرخی ڈاکٹر ۲۹۲
اسلم قاضی محمد پروفیسر ۲۱۱، ۲۲۳
اسماعیل جلیسی ۷۳
اسماء ۱۲۷
اسماء عتیق ۶۵
اسید محمد صدیقی ۲۳، ۱۱۵، ۱۶۲
اشعر علی حمیدی ۱۵۳
اشرف سلیم ۱۲۶
اشفاق محمد صدیقی ۲۳، ۳، ۱۱۵، ۱۴۷، ۱۶۰، ۱۶۴
آشکار داور حمیدی ۱۵۲

آشکار حسین وفا پروفیسر خواجہ ۱۷۲، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۲۳
اشہد حسین ۶۴
اصغر ڈاکٹر ہومیوپیتھ ۲۹۴
اصغر علی ۳۴
اصغر (ابن عبدالواحد) ۳۴
آصف داور حمیدی ۱۵۳
آصف محمد صدیقی ۱۴۶، ۱۵۹، ۱۶۰
اصفیہ محمود ۱۵۲
آصف طارق ۶۳
اصلح محمد مولوی ۱۳، ۱۸، ۱۹، ۲۱، ۲۳، ۳۸، ۸۷
اطہر حسن ۷۸
اطہر شاہ محمد احسن ۱۵۷
اطہر افسر ۱۲۷
اطہر اقبال ۲۶
اظہار حسن ۱۸
اظہر حسین صدیقی (سلیم) ۱۵۹
اعجاز احمد ماسٹر ۲۰۸
اعجاز فاطمہ ۷۷
اعزالدین سید مکی لاہوریؒ ۲۴، ۱۹۴
اعظم محمد ۲۱۸
آفاق محمد صدیقی ۳۰
آفتاب ظفر ۱۲۶
آفتاب حسن میجر ۲۹۳

ترینہ سلمان رضا ۱۵۶
تصدق حسین ۱۹
تجلی حسین ۷۶
تقویت الریاض ۱۰۵
تصویر حسین حمیدی ۵۳، ۶۴
تہمینہ امجد قادری ۹، ۶۲، ۱۳۱
تصویر فاطمہ ۱۰۵، ۱۰۷
تطہیر بانو ۱۰۴
تنویر حسین ۱۴۵
توقیر الاسلام ہاشمی ۱۲۶

ث

ثاقب علی خاں ۲، ۹
ثریا ۱۶۷
ثمر محمد نعمان رضا ۳۰، ۱۰۵، ۱۱۷
ثمینہ ڈاکٹر ۲۹۵
ثمینہ سعید ۱۵۵
ثمنیہ صفدر ۶۳
ثمینہ فائق ۸، ۱۶۹
ثناءاللہ صوفی ۱۶۰
ثنا خالد انصاری ۱۷۸
ثنا قسیم احمد ۱۱۵
ثناء رضا الحق ۱۳۵

ج

جام نوائی بدایونی ۶۷، ۱۲۶، ۱۶۹
جامی بدایونی (عبد الجامع حاجی) ۱۹
جامی مبین ۱۳۲
جاوید ابو عمار ۲۹۹
جگدیش سہائے ۲۰۸
جلاالدین ۶۳
جلیس قاضی محمد ۲۰، ۶۵
جلیل الدین ۶۳
جلیل الرحمٰن بخاری ۱۸۷
جمال الدین ۶۳
جمال ۹۳۲
جمال مختیار ۱۲۰
جمیل الرحمٰن بخاری ۱۸۷
جمال رضا ۷۸
جنید سہیل ۱۵۳
جعفر حسین ۶۳
جعفر حسین صدیقی ۱۵۹
جمیل احمد عباسی ۱۰۵
جمشید ۶۴
جمی ۵۳
جنید حامد ۳۴
جمیل الدین ڈپٹی ۳۵
جنید محمد قادری ۱۳۱
جواد حسنین ۶۵

جواد احمد قادری ۱۳۱
جویریہ جنید قادری ۱۳۱

چ

چمنہ (چمنا) ۱۱۳

ح

حارث بن مقصود ۶۲
حارث غفران ۱۰۷
حامد رئیس الاسلام محمد قاضی ۱۲۱
حامد محمد ۱۹۹
حبیب اللہ شیخ ۲۱
حبیب اللہ ۲۱۸
حبیب اصغر مولوی ۱۸، ۱۰۲
حبیب اللہ غضنفر پروفیسر ۲۰۹
حرا امتیاز ۱۱۵
حرا سہیل ۱۵۳
حسام الدین مولانا ۲۰
حسان جلیسی ۶۸
حسان رضا ۱۱۸
حسن شیخ شاہی سلطانجی ۸۵، ۸۶، ۱۹۵
حسن جلیسی (ابن ڈاکٹر طارق) ۶۸
حسن جلیسی (ابن۔ایم۔ایچ جلیسی) ۷۲
حسن عباس ۷۹
حسن عادل پروفیسر ۲۰۹
حسن علی حافظ ۲۳، ۸۷
حسنہ سرور ۹، ۱۵۶
حسنین احمد مورخ ۵۳
حسنین محمد قاضی ۲۰، ۶۵
حسین احمد مفتی ۴۰، ۵۳
سینن الدین زبیری ڈاکٹر ۲۰۹
حسنین شاہ ۱۳۱
حسام ہارون ۱۲۶
حفیظ الرحمٰن پروفیسر ڈاکٹر ۲۷۰
حفیظ جالندھری ابوالاثر ۹۱
حفیظہ بیگم ۱۲۹
حلیم ۱۳۸
حلیمہ خاتون ۲۳، ۱۳۵
حمزہ جلیسی ۶۸
حمزہ مسعود سہروردی ۱۹۶
حمزہ مسعود ۱۰۵
حمود احمد جاپان والا ۲۱۸
حمید الدین (دادے حمید) ۷۴
حمیرہ خالد عثمانی ۱۸۳
حنا جلیسی ۶۸
حنفی پروفیسر ریاضی ۲۰۹
حمیدہ خاتون ۱۲۹
حضور الحسنین قاضی ۶۸، ۷۳

حفیظ الدین ۶۳
حنیف محمد ۲۱
حنیف حسین ۶۳
حیا زہرہ حیدر ۷۳
حیدر جلیسی ۶۸
حیرت علامہ بدایونی ۵۹

خ

خالد جمیل کموڈور ۱۲، ۳۵، ۳۶
خالدہ جمیل بخاری ۱۸۷
خالد حسنین جلیسی ڈاکٹر ۶۸
خالد رحمٰن ۱۲۷
خالد سعید ۷۵
خالد ظفر صدیقی ۱۲۵
خالد میجر (ریٹائرڈ) ۱۸۶
خالد ظفر انصاری نوابزادہ ۱۷۷
خالد مظہر حسین صدیقی ۱۰۴
خالدہ شریف (امتہ) ۱۳۱
خالد یوسف بٹ ۱۵۷
خرسواران شجرہ ۲۸
خرم اعجاز احمد ۱۳۲
خلیل اللہ محمد پروفیسر ۲۲۵
خلیل الرحمٰن بخاری ۱۸۷
خضرہ فیروز احمد ۲۰۲
خضر مسعود ۱۰۵
خورشید جمال ۱۸۳
خوش بخت شجاعت ۲۹۳
خورشید زہرہ ۶۸
خلیل احمد ۱۰۵
خورشید الاسلام ۱۰۵

د

دانش آصف ۱۶۰
دانش رضا ۷۸
دانیہ ساجد ۲۰۰، ۲۰۲
داؤد احمد جاپان والا ڈاکٹر 218
داور رضا ۷۸
داور حسین حمیدی ۱۴۹
درخشاں ہمایوں ۵۹
دردانہ ہارون ۱۲۶
درصدف عثمانی ۱۸۳
دوست محمد فیضی ۲۷۰
دلاور فگار ۱۲، ۵۳، ۵۹، ۶۷
دیدار علی قاضی ۲۱۷

ذ

ذاکر حسین صدیقی ۱۵۹
ذکی الدین ۱۵۵
ذکی رفیع ۱۹۷
ذکیہ عرف ذکو ۷۷

ذاکر حسین ۶۳
ذوالفقار الاسلام احسن ۱۲۷
ذی جاہ ۶۷
ذیشان ۶۷
ذیشان فاطمہ ۷۸
ذکیہ خاتون ۱۲۵

ر

رابعہ حمیدی ۷۶
رابعہ مسعود سہروردی (فیصل) ۱۹۶
راس مسز ۲۱۷
راشد الخیری علامہ ۱۸۶
رافعہ سلمان ۱۵۸
رائے زادہ ڈاکٹر ۵۶
رامس اطہر شاہ ۱۵۷
ربیعہ امتیاز ۱۱۵
ربیعہ نثار ۱۲۶
رحمن فرشوری ۱۰۴
رخسانہ طاہر ۱۹۷
رخسانہ وحید الدین ۱۲۶
روا محمود نخش ۱۵۲
رشید اثر ۲۱۴
رشید احمد صدیقی پروفیسر ۴۱
رضا حسنین قاضی ۷۲
رضا حسین منشی ۱۸
رضا مولوی محمد خر سوار ۲۳، ۳۸
رضا (امام احمد رضا خان) (اعلیٰ حضرت) ۹۱
رضائے پنجتن عارف ۷۲
رضوان احمد قادری سید ۱۹۳
رضوان رضا ۲۳، ۳۴
رضی اختر شوق ۲۹۱، ۲۹۲
رضی الدین سعید ۱۵۵
رضی الدین خواجہ ۱۲۹
رضیہ سلطانہ ۱۲۷
رعنا سعید ۱۲۷
رعنا سید ۱۶۷
رفعت جہاں ۷۸
رفعت جہاں (زوجہ اطہر حسن) ۸۷
رفیع عالم پروفیسر ۲۲۱
رفیع الدین شیخ ۲۰
رفیعہ مسرور ۶۳
رقیہ (زوجہ مصور حسین) ۹، ۶۴
رقیہ (زوجہ مولوی عبدالستار) ۳۴
رمانہ اویس صدیقی ۱۹۰
ریما عارف ۱۳۸
رمشا آشکار ۱۵۲
ریشا قمر ۱۰۵
روبینہ داور ۱۵۳
روبینہ جلیل ۶۳
روبینہ طارق انصاری ۱۷۷

روحی ۶۸
رونقہ ۲۳، ۱۲۸
رومی مبین ۱۳۲
روہیل مصطفیٰ حیدر ۷۳
ریاض باقر مولوی ۱۸، ۱۰۴
ریاض حسین ۶۳
ریاضت النساء قاضی ۶۸
ریاض فاطمہ ۷۸
ریاض فرشوری ۱۲، ۱۰۴، ۱۰۸، ۱۹۱
ریحان حسنین جلیسی ۷۳
ریحان فاطمہ ۷۸
ریحان رضا مولوی ۱۸، ۲۳، ۳۲

ز

زاہد حسین صدیقی ۱۵۹
زبیر فرشوری ۱۰۴
زرک ندیم محمد ۱۰۵
زعیم ہارون ۱۲۶
زلیخاء اکبر الدین ۶۴
زوار حسین ۵۳
زوہا سلمان (ضحیٰ سلمان) ۱۸۰
زہرہ جبیں ۷۳
زہرہ سلطانہ ۱۲۶
زیبا مسعود ۱۲۶
زینت جہاں ۱۱۵
زریں مسعود ۱۲۷
زیب علیم ۱۱۵
زید محمد صدیقی ۲۱، ۱۱۵، ۱۹۲، ۱۹۷
زین الاسلام شہاب ۱۲۶
زینب ظفر ۱۱۸

س

ساجد بخاری ۱۸۷
ساجد علی ۷۹
ساجد محمد ۱۹۹
ساجدہ خاتون ۵۹
سارا خورشید ۱۸۴
سبط نبی نقوی ۳۶، ۴۶
سبطین قاضی غلام ۲۰
سبک ناز ۱۱۹
ستارہ یونس ۱۱۰
سرن مولوی ۳۹
سخاوت حسین ۱۸
سراج الاسلام قاضی ہاشمی ۱۲۵
سراج الدین ظفر ۲۹۱
سرفراز احمد ۱۱۵
سرفراز زہرہ ۷۳
سرور حسین ۸، ۶۳

سرور شاہ محمد ۱۵۶
سعد حسن انصاری ۱۸۰
سعدیہ سرور ۱۵۸
سعدیہ انجم (شیریں) ۱۱۱،۱۱۵
سعدیہ بخاری ۱۸۷
سعدیہ طارق جلیسی ۶۸
سعدیہ منصور ۶۲
سعید مفتاح الاسلام ۱۲۶
سعود احمد جاپان والا ڈاکٹر ۲۱۸
سعید محمد میاں ۱۹۷
سعید الدین عباسی ۳۰۶
سعید الرحمن بخاری ۱۸۷
سعید محمد (ابن محمد اکمل) ۱۸
سعیدہ بیگم ۱۸۶
سعید احمد صدیقی ۱۳۵، ۱۳۷
سعیدہ مسعود عالم سہروردی ۱۹۷
سعید الدین ۱۵۵
سعیدہ ۳۴
سلام اللہ (سلیم اللہ ولی محمد) ۵۳، ۸۹
سلمان رشید ڈاکٹر ۱۸۰
سلمان عثمانی ۱۸۳
سلمان محمد ۱۵۸
سلمان رضا محمد مولوی ۸، ۳۰، ۳۳، ۵۴
۱۱۸
سلمہ حسن ڈاکٹر ۱۹۰
سلمان شارق ۱۳۸
سکندر علی شیخ ۲۱۷
سلمہ ۱۵۳
سلیم ۱۸۶
سلیم احمد ۱۱۵
سلیم اللہ ۱۸
سلیم حیدر ڈاکٹر ۱۲، ۳۷
سلیمان مولوی محمد ۳۵، ۵۶
سلیمہ داور ۹، ۱۴۹، ۱۵۱
سمیعہ جنید ۱۳۱
سمیر الدین سعید ۱۵۵
سمیرہ یعقوب ۶۲
سنبل سید ۱۱۵
سنیان جلیسی ۶۸
سوداگر محمد حسین ڈاکٹر ۲۹۵
سہانہ صدیقی قادری ۱۲۰، ۱۲۱
سہیل مولانا سید محمد ۱۶۰
سہیل ابرار ۱۶۳
سہیل حمیدی ۱۵۳
سہیل رضا زیدی سید ۱۶۷
سہیلہ انجم حسن ۱۱۵
سید حسن ۱۱۵
سید حسنین قاضی ۲۰، ۶۵

سید احمد مولوی ۱۸، ۱۰۲، ۱۱۱
سیدہ خاتون ۷۵
سمیع رضا ۷۸
سیماناز صدیقی ۱۲۰

ش

شاداب رضا زیدی ۱۶۷
شاد بدایونی ۵۳
شاذیہ حامد ۲۰۰
شاذیہ دلور ۱۵۳
شاذیہ علی ۱۸۰
شارق جلیسی ۶۸
شارق ظفر صدیقی ۱۳۷
شاکر احمد خان نوابزادہ ۱۷۴
شاکر حسین ماسٹر ۶۷، ۱۴۹
شانزل اشفاق ۱۶۷
شاہد ماجد ۳۴
شاہد احمد انصاری نوابزادہ ۱۷۸
شاہد حسین ۶۴
شاہد حسین صدیقی ۱۴۶، ۱۵۹
شاہد قمر الاسلام ۱۲۷
شاہدہ شیخ ۱۵۹
شاہ حسن جیلانی سید ۲۱۲، ۲۱۳
شاہ رخ صدیقی ۲۳، ۱۱۵، ۱۶۷
شاہ رخ جلیسی ۷۲
شاہ ولایتؒ (بدایونی) ۸۵، ۸۶، ۱۹۵
شاہینہ انصاری ۱۷۲، ۱۸۱
شاہینہ طارق ۱۵۵
شائستہ محمود ۱۵۱
شائستہ زیدی پروفیسر ۲۹۰
شائق محمد صدیقی ۸، ۳۰، ۱۱۵، ۱۶۰
شایان محمد ۱۵۲
شباب بدایونی ۶۷
شباہت مفتی ۲۱۸
شبنم طاہر ۱۹۷
شبیہ رضا ۷۸
شبنم ۱۳۲
شجاع احمد سید ۷۹
شجرے ۲۲، ۲۸، ۲۹، ۶۰، ۶۱، ۶۶، ۶۹،
۷۱، ۸۰، ۸۱، ۱۰۳، ۱۰۶، ۱۰۹،
۱۱۴، ۱۱۶، ۱۱۹، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۳۱،
۱۳۴، ۱۳۶، ۱۳۶، ۲۱۵،
شریف احمد ۱۳۱
شریف محمد (ابن عبدالحمید) ۲۱
ش۔ ضحیٰ ۲۰۶
شعیب احمد سید ۷۹
شعیب علی خاں ۱۸۰
شعیب منصور ۶۲

شفیع الدین وکیل ۴۰، ۵۴
شفقت اللہ قادری ۳۵
شفیق الاسلام ۱۰۵
شفقت لکھنوی ڈاکٹر ۱۶۱
شفق قادری ۱۳۱
شکیل واحد ۳۴
شکیل احمد سید ۷۹
شکیل بدایونی ۵۹
شگفتہ انجم ہارون ۱۱۵
شگفتہ فیروز ۲۰۲
شمس الدین التمش ۳۱
شمس الاسلام ۱۲۷
شمس الحسن ۷۵
شمسہ جمال الدین ۱۳۲
شمیم الدین الحاج ۱۲
شمیم رضا ۷۸
شمیم صدیقی ۳۵
شمع شوکت ۱۹۷
شمس الدین شیخ عرف بہاالدین ۲۰
شمسی مسعود ۱۲۷
شہاب الدین شیخ ۲۰
شہاب احمد سید ۷۹
شہاب حامد غیور الاسلام ہاشمی ۱۲۶
شہاب ہمایوں ۵۹
شہروز بلد محمد ۱۵۸
شہزاد رضا ۷۸
شہلا غفران ۱۰۷
شہناز حمیدی ۷۶
شہناز احتشام الدین ۱۳۲
شہناز ۱۵۲
شہنشاہ رضا ۷۸
شہناز مجیب عثمانی ۱۸۱
شہید حسین شہید سید ۴۵
شیر افگن سید عزیز الرحمن بخاری ۱۸۶
شیزہ سلمان ۱۸۰
شہاب قدرت اللہ ۳۶

ص

صاحب جان/صائب جان ۷۹
صالح مولوی محمد ۱۸، ۲۱، ۲۳، ۳۷
صالحہ خاتون بٹ ۱۵۷
صائمہ افسر ۱۲۷
صائمہ منصور ۶۲
صباحت بنت مقصود ۶۲
صبا سید ۱۱۵
صبا عثمانی (صباحت عثمانی) ۱۸۳
صبغت اللہ قادری ۳۵، ۲۰۸

صدف تاتاری فیصل ۱۸۱
صدیق چودہری محمد ۱۶۰
صدیق حسین ۶۳
صدیق محی الدین قادری ۱۳۲
صغیر احمد صدیقی ۲۰۷
صفی اللہ شیخ ۲۰، ۲۴
صفی اللہ صدیقی ۱۲۰
صغیر حسن ۷۸
صفدر حسین ۶۳
صفیہ کاظم ۲۹۳
صہبا یاسین ۱۲۷
صمیم ہارون ۱۲۶
صہیب احمد انصاری نوابزادہ ۱۸۵
صہیب مسعود ۱۲۷

ض

ضحیٰ سلمان (ذوہا سلمان) ۱۸۰
ضیا علی خاں اشرفی ۲۴، ۲۵
ضیا احمد صدیقی پروفیسر ۱۳۵، ۱۳۷
ضیا الدین خواجہ ۱۲۷، ۱۲۹
ضیا محمد ۸۲
ضیا الاسلام ہاشمی ۱۲۷
ضیا الحسن مولوی ۱۸، ۲۳
ضیا الحق شہید جنرل ۱۷۴
ضیا القادری مولانا ۱۹۵
ضمیر الحسنین ضمیر بدایونی ۱۱، ۱۳، ۶۷
ضمیر علی ۲۹۲

ط

طارق باری ۳۴
طارق جمیل ۵۵
طارق حسین ۶۲
طارق حسنین جلیسی ۶۸
طارق مقصود ۸۲
طارق ظفر انصاری نوابزادہ ۱۷۷
طارق محمد ظل حسن ۱۰۴
طاہر اقبال ۶۲
طاہر شاہ ۲۹۲
طاہر محمود ۱۹۷
طفیل احمد ۵۳
طفیل احمد جمالی ۲۲۰
طلحہ جلیسی (ابن حیدر جلیسی) ۶۸
طلحہ جلیسی (ابن خالد جلیسی) ۶۸
طلحہ محمد قادری ۶۲، ۱۳۱
طلعت ۱۸۵
طہیر حسن نفسی سید ۲۷۰
طیبہ ۳۴
طلعت سعید (سرور) ۱۳۵

طیب ہاشمی ضیغ الاسلام ۸، ۴۶، ۵۱، ۱۲۴، ۱۴۶
طٰہٰ جلیسی ۶۸

ظ

ظفر صدیقی ۴۶
ظفر احمد انصاری نوابزادہ ۱۷۳، ۱۷۵
ظفر احمد صدیقی پروفیسر ۱۳۵، ۱۳۷
ظفر حسین حمیدی ۱۴۹
ظفر حسن بدایونی ۱۴
ظفر حسنین جلیسی ۷۳
ظہور احمد شیخ ۱۴۵
ظہور حسنین قاضی ۷۲
ظہور الحسن سید ۶۳، ۶۴
ظہور حسن مولوی ۶۵
ظہیر حسن ۷۸

ع

عابد مختاری ۱۸۷
عابد حسین مفتی ۵۴
عابد حسین شہید ڈاکٹر ہومیوپیتھ ۷۴
عابد خاں شروانی ۲۱۴
عابدہ (پھپھی) ۷۷
عادل پروفیسر ۳۶
عادل غفران ۱۰۷
عارف حسین صدیقی ۱۵۹
عارف مختاری ۱۸۷
عارف ۳۴
عارف ظفر صدیقی ۱۳۷
عارفہ عرفان ۱۵۸
عارف محمد صدیقی ۱۶۰
عاشی حسن ۱۱۵
عاصم واحد ۳۴
عائشہ آشکار ۱۵۲
عائشہ خان ۲۹۳
عاطف داور ۱۵۳
عاطف خورشید ۱۸۴
عظیم مظفر انصاری ۱۷۷
عافیہ فراز احمر ۱۹۹، ۲۰۰
عاشق حسین حاجی ۲۷
عائشہ ردا ۱۵۲
عباسی میراثی ۴۷
عبدالواحد انصاری ۱۷۸
عبدالباری ۳۴
عبدالباسط مولوی ۷۶
عبدالحامد بدایونی مولانا ۱۲
عبدالحامد ۳۴
عبدالحسیب ۳۴
عبدالحق بابائے اردو ۲۰۹

عبدالحمید سالم میاں ۱۲۹
عبدالحمید شملوی ۱۶۱
عبدالحمید شیخ ۲۱
عبدالخالق ۳۴
عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ ۱۷، ۲۰
عبدالرحمٰن ثانی (ابن صفی اللہ) ۲۰
عبدالرحیم (ابن محمد شریف) ۳۰۷
عبدالرشید مولوی ۲۰۶
عبدالرشید فاضل مولانا ۲۰۹
عبدالرشید قاضی (ابن عبدالقدیر) ۳۰۷
عبدالرشید قاضی ۱۹
عبدالستار حافظ (بن محمد اکمل) ۲۰، ۲۳، ۳۰۶
عبدالسلام ہاشمی قاضی ۱۲۵
عبدالعزیز قیصر ۱۸۶
عبدالقدیر مولانا (عاشق رسول) ۶۲، ۱۲۹
عبداللہ خواجہ ۱۲۸
عبدالغفور مولوی ۲۰۶
عبدالغفور عثمانی حافظ ۳۰۶
عبدالغنی حمیدی ۷۳
عبدالصمد ۹۴
عبدالقادر مولانا ۱۲۹
عبدالقادر ملا ۲۴
عبدالقادر قاضی پروفیسر ۲۷۰
عبدالکریم ۳۰۷
عبداللطیف ۲۱، ۳۰۷
عبداللہ (ابن عبدالرحمٰن ثانی) ۲۰
عبداللہ مکی ملا ۱۷، ۲۴
عبدالماجد ۳۴
عبدالماجد صدیقی ۸، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۹۴
عبدالمجیب عثمانی ۱۸۲، ۱۸۳
عبدالمجید قادری اقبال میاں ۱۲۹
عبدالمقتدر مولانا ۱۲۷
عبدالمطلب قادری (ماجد) ۱۳۱
عبدالواحد ۳۴
عبدالواسع ۳۴
عبداولی مولوی ۷۶
عبدالوہاب قادری (آفتاب) ۶۲، ۱۲۹
عبدالہادی قادری (محمد میاں) ۱۲۹
عبدالوہاب حمیدی ۷۵
عبیرہ خاور خورشید ۱۸۳
عبدالہادی ۳۴
عبید توصیف الحق ۱۳۵
عثمان رضا مولوی ۱۸، ۲۰، ۲۳، ۱۱۷
عبیداللہ ۱۳۷
عثمان رشید ۱۸۰
عبدالرب شجیع ۲۹۲
عثمان سروردیؒ خواجہ ۱۹۵

عثمان مرتضی (عتیق) ۸، ۱۹، ۶۴، ۹۴
عثمان وحید ۱۲۶
عدنان حیدر ۷۳
عدیل محمد آصف صدیقی ۱۶۰
عدیلہ ندیم ۱۸۱
عذرا سجاد ۷۸
عذرا محئی الدین ۱۳۲، ۱۳۷
عذرا قمر ۱۸۷
عرشی مبین ۱۳۱
عرفان حامد صوفی ۴۱، ۲۱۴
عرفان رضا مولوی ۱۱۸
عرفان حیدر نقوی سید ۱۹۳
عرفہ جلیسی ۶۸
عرفی مبین ۱۳۲
عروسہ فائق ۱۹۹
عزم اکبر آبادی ۱۲
عزیر محمد ۲۱۸
عزیر محمد صدیقی ۲۳، ۱۱۵، ۱۶۲
عزیر واحد ۳۴
عزیز جان عزیز بدایونی ۷۹
عزیز الحسن سید ۱۹۰، ۲۱۲، ۲۱۷
عزیز میاں قوال ۴۱
عزیزہ خاتون ۴۰، ۵۴
عطا حسنین قاضی ۴۹، ۷۲
عطاالرحیم کرنل ۲۱۱، ۲۲۴
عطا محمد ممتاز الشعرا ۳۱، ۷۹
عظمیٰ سلمان رضا ۱۵۶
عظمیٰ فرقان رضا ۱۱۸
عظمیٰ حسن انصاری ۱۸۰
عظیم زماں ۷۹
عظیم محمد حمیدی ۲۰۸
عظیم مظفر انصاری ۱۷۷
عفان رضا ۱۵۵
عفت ۱۳۸
عکسہ بخش ۱۱۵
علمی جی (پیش امام جامع مسجد شمسی بدایوں) ۲۰۶
علویہ ۶۷
علی محمد آصف صدیقی ۱۵۹
علی احمد قاضی ۹۴
علی احمد ۲۱۸
علی اکرم ۱۲۰
علی حاتم بدایوں ۵۳، ۵۴، ۱۱۸
علی حاکم ۵۹، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۴۶
علی حیدر ۷۳
علی جان ۳۱
علی رضا ماسٹر ۲۰۸
علی رضا شاہ ۲۱۷
علی صدیقی ۶۳

علی عاصم ۱۲۰
علی عباس مولوی محمد ۱۳، ۱۸، ۲۱
علی عباس قاضی ۷۸
علی مقصود ۸۲
علی ناظم ۵۹، ۱۱۸
علیزہ سلمان ۱۵۸
علیم الحق سید ۸، ۱۹۰
علیم احمد صدیقی ۱۱۵
علینہ سلمان ۱۵۸
عمر محمد ۶۴
عمر افسر ۱۲۷
عمران الرشید ۱۷۸
عمران رضا (قمر) ۳۰، ۱۰۵، ۱۱۷
عمر خالد محمد ۱۵۸
عمر رشید ۱۸۰
عمر وحید ۱۲۶
عمید محمود ۱۵۲
عمیر قمر (محمد عمیر) ۱۰۵
عمیر خورشید ۱۸۴
عمیمہ بنت حارث ۶۲
عیشا اطہر شاہ ۱۵۷
عین الاسلام قاضی ۱۸،
عین السلام قاضی ہاشمی ۱۲۵
عیش بدایونی ۱۹، ۵۳
عیشا عارف ۱۳۸

غ

غزالہ ۶۸
غزالہ احتشام الدین ۱۳۱
غزالہ اشفاق ۱۶۶، ۱۶۷
غزالہ رفیق ۲۹۳
غفار دلاور ۱۵۲
غلام اسحاق ۶۵
غلام جیلانی حافظ ۳۰۷
غلام جیلانی شیخ ۱۸
غلام حیدر ۷۳
غلام زین العابدین ۶۸
غلام سبطین قاضی ۲۰، ۶۵، ۶۷، ۷۶
غلام شبر ۸، ۶۴
غلام قاسم ۶۸
غلام حسنین قاضی ۶۸
غلام الرحمن ۱۲۷
غلام قنبر مولوی ۸، ۶۴
غلام محی الدین (ابن محمد مکمل شہید) ۲۱
غلام محی الدین ۳۰۶
غلام مصطفی خاں ڈاکٹر ۲۰۹
غفران حسن ۱۰۷
غفران رضا مولوی ۳۰، ۱۱۷
غلام صدیق ۲۱۷

غفورہ ۲۳، ۱۳۲

ف

فاروق محمد ۳۰
فاطمہ ۶۷
فاطمہ اجمل واحد ۱۹۶
فاطمہ ثریا بجیا ۸۲
فاطمہ سہیل حمیدی ۱۵۳
فانی بدایونی ۵۹
فائزہ حمیدی ۱۵۳
فائق محمد صدیقی ۵، ۱۲، ۲۱، ۳۰
فائزہ ہاشمی ۱۲۷
فخر الدین (ابن سلیم اللہ) ۳۰۷
فدائے پنجتن قاضی ۷۲
فدا حسنین قاضی ۶۹
فراز احسن ۱۲۷
فراست اللہ قادری ۳۵، ۲۰۸
فرحان رضا ۱۵۵
فرحانہ نثار ۱۲۶
فرحانہ خالد ۱۷۸
فرحت مقصود ۵۴، ۶۲
فرح حیدر ۷۲
فرحینہ یعقوب ۶۲
فرحین جاوداں ۲۰۰
فرحین مسعود ۱۲۷
فرخ جلیسی ۷۳
فرخ جمال ۱۸۷
فرید صابری قوال ۴۱
فرخ رضا زیدی سید ۸، ۱۶۷
فرخ زیڈ احمد ڈاکٹر (آنسہ) ۲۱۷، ۲۹۰
فرزند حسن مولوی حافظ ۱۸، ۲۳
فرزانہ احمد رضا ۹، ۷۹
فرزانہ افسر ۱۲۷
فرزانہ ۶۵
فرقان رضا مولوی ۳۰، ۱۱۸
فرمان فتح پوری ۲۹۰
فرناز دلور ۱۵۳
فرید نقش ۲۰۸
فرید قادری ۱۳۲
فصاحت حسین منشی ۱۸
فصیح الاسلام ۱۲۶
فصیح الدین ڈپٹی ۳۱، ۶۳
فضل احمد مفتی ۴۰، ۵۴
فصیح اللہ صدیقی ۸، ۱۲۰
فضل علی (وکیل) ۵۷، ۵۹
فضل الرحمن پروفیسر ۲۱۷
فضہ مبین ۱۳۲
فلزہ ندیم ۱۰۵
فواد حسین ۶۳

فوزی احتشام الدین ۱۳۲
فوزیہ بنت مقصود ۶۲
فہد احمد شاہ ۱۵۷
فہد علی حمیدی ۱۵۳
فہد مسعود ۱۰۵
فہمیدہ بیگم ۱۸۶
فہیم خالق ۳۴
فہیم احمد ۱۱۵
فہیمہ یعقوب ۶۲
فہیمہ آصف صدیقی ۹، ۱۴۹، ۱۵۸
فیروز احمد ڈاکٹر ۲۰۱
فیصل ۱۹۶
فیصل انصاری ۱۸۱
فیصل نثار ۱۹۳
فیضان حیدر ۷۳
فیضان رضا ۱۱۸
فیض علی ۱۸۰
فیصل حیدر ۷۳

ق

قاسم حسن ۶۳
قاسم حسن ۷۸
قاسم حسین صدیقی ۱۵۹
قاسم محمد غیاث الحق ۱۰۴
قدسیہ خالد ۱۵۸
قدوس فاطمہ ۱۰۴
قدسیہ نعیم ۱۰۵، ۱۳۱
قدیر الدین جسٹس ۲۹۰
قراۃ العین اشفاق ۱۶۷
قسام جلیسی ۶۸
قسیم احمد ۱۱۱، ۱۱۵،
قسیم محمد فاضلی ۲۱۹
قمر احرار صدیقی ۴۶
قمر الاسلام قاضی ہاشمی ۱۲۵، ۱۲۷
قمر جمال ۱۸۷
قمر جمیل ۲۹۲
قمر جہاں ۷۶
قمر رضا زیدی سید ۱۶۷
قمر سلطانہ ابراہیم الرشید ۹، ۱۷۹
قمر عباس ابراہیم ۷۸
قمر عمران رضا ۳۰، ۱۰۵، ۱۱۷
قمر فرشوری ۱۰۴
قوی بخش ۱۱۱
قیس رامپوری ۱۶۰
قمر الحسن ۷۸
قمر بدایونی ۱۰۷
قیصر حسین صدیقی ۱۵۹
قیوم حسن ۷۵
قیومہ نہال الدین ۶۳

ک

کاشان طارق ۱۵۵

کاشف دلور ۱۵۳

کاظمی خاتون ۵۹

کامران رضا ۱۵۵

کامل محمد ۳۰۶

کبیر الدین شیخ محمد گھڑی ساز ۱۹

کبیر محمد (ابن عبد الحمید) ۳۰۷

کرم احمد عثمانی (بریلوی) ۳۰۶

کرم احمد میخوار بدایونی ۴۰

کفیل احمد ۵۳

کلیسی آر۔ اے ۲۹۵

کاشف طارق ۶۳

کمال مختیار صدیقی ۵۵

کمال حیدر ۷۳

کنیز حسن ۶۷

کہکشاں ہمایوں ۵۹

گ

گاملی ۱۷۷

گگا ۵۲

ل

لبنیٰ خالد ۱۸۲

لبنیٰ ڈاکٹر ۱۸۵

لطافت ہاشمی ۵۵، ۵۷

لطف بدایونی مفتی ۳۹، ۵۴

لطیف ہادی ۳۴

لئیق مرزا ڈاکٹر ۲۹۱

م

ماجد بخاری ۱۸۷

ماجد منصور ۶۲

ماہا سلمان ۱۸۰

ماہر القادری ۹۱

ماہرہ امتیاز 115

مبارک حسنین قاضی ۶۸

مبشرہ خاتون ۵۹، ۱۱۸، ۱۲۰

مبین ۱۳۲

متن خر سوار۔ شیخ متن۔ متاخر سوار ۳، ۱۷،

مطاخر سوار۔ شیخ مطیع اللہ شروانی ۱۹، ۲۱،

۲۴، ۲۶

مجتبیٰ ندیم ۱۰۵

مجیب ظفر ۱۵۳

مجید ۳۴

محبوب الٰہیؒ (حضرت نظام الدین اولیا) ۲۶

محمود حیدر ۷۳

محمود الاسلام عباسی ۱۰۵

محبوب رضا سبطین ۷۵

محبوب فاطمہ ۲۳، ۱۲۱
محبوب عالم سہروردی ۱۹۶
محسن علی مولوی ۲۱، ۲۳، ۲۴، ۵۳، ۸۷
محشر بدایونی ۱۲، ۳۲، ۶۳
محفوظ الحسنین جلیسی سرجن ۱۲، ۷۲
محفوظ علی میر ۳۶
محمد شیخ بن شیخ احمد ۲۰
محمد شیخ بن متاخر سوار ۲۱
محمد علی (ابن عبد المطلب قادری) ۷۸، ۱۳۱
محمد علی اشرفی ۲۰۸
محمد علی ماسٹر ۲۰۸
محمود حسین منیر ۶۳
محفوظ علی سید پروفیسر ۲۷۰
محمود الرحمٰن ڈاکٹر پروفیسر ۲۲۸
محمد احمد جاپان والا ۲۱۸
محمد شارق ۱۳۸
محمود احمد جاپان والا ۲۱۸
محمود رضا ۷۸
محمود شیخ ۱۵۲
محمود عالم سہروردی ۱۹۴
محمود مکی مولانا ۲۰۱
محمودہ ۱۸۷
محی الدین صدیق خواجہ ۱۳۲
مختار سہارنپوری ۱۶۰
مدثر ۱۸۶
مدیحہ مسعود ۱۹۶
مذاق بدایونی (والد ار علی مذاق میاں) ۴۵، ۴۷، ۹۴
مرتضیٰ احمد برکاتی ۶۵
مرتضےٰ حق سید ۱۹۱
مرتضیٰ شفیع پروفیسر ۲۴۰
مرتضیٰ نعیم محمد ۱۰۵
مرغوب عالم سہروردی ۱۹۶
مرسلہ عرفہ صدیقی ۱۹۰
مریم جنید ۱۳۱
مزمل حسین ۵۴، ۶۲، ۱۴۶
مزمل حسین فرشوری ۶۴
مستعصر باللہ خلیفہ ۲۱
مسرور حسین ۶۲، ۶۳
مسعود افتخار علی ۴۶
مسعود حسن ۱۲۷
مسعود حسین ۶۴
مسعود رضا ۷۸
مسعود عالم ۱۰۵
مسعود عالم سہروردی میاں ۸، ۱۹۶
مسعود نقوی (ابن سبط نبی نقوی) ۱۲، ۳۵
مسعود نقوی ۳۶
مسعودہ ۱۸۷

مسلم ضیائی ۱۷۳
مسلمہ خاتون سلمان رضا ۹، ۱۵۳
مشاہد حسین صدیقی ۱۵۹
مشتاق احمد انصاری نوابزادہ ۱۷۴
مشرف علی حیدری ۷۹
مشکور احمد میاں ۱۹۷
مشکور احمد انصاری نوابزادہ ۱۷۴، ۱۸۵
مشیر حسنین ۶۷
مصطفےٰ حسین ۶۴
مصطفےٰ حق سید ۱۹۱
مصور حسین ۶۳، ۱۴۷
مطاخر سوار (شیخ مطیع اللہ شروانی) ۸۳، ۸۵، ۸۶
مظفر احمد انصاری نوابزادہ ۱۷۶
مظفر اقبال ۲۰۵
مظفر حسین حمیدی ۱۵۳
مظفر عباس ۲۰۵
مظہر حسین صدیقی حافظ ۲۰، ۱۰۴
مظہر شاہ، سید مستحسن ۱۵۷
مظہر علی کامل مولانا ۲۰۹
محاذ احمر ۲۰۰
عروف حسین ۱۰۴
معراج فاطمہ ۶۳
معراج محمد خان ۱۶۳
معظم حسین ۷۸
معیز حسین صدیقی ۱۵۹
معین الاسلام قاضی ہاشمی ۱۲۵
مقبول فاطمہ ۱۰۵
مقدس حسین ۱۸
مقصود حسین ۸، ۵۴، ۶۲
مقصود رضا ریاض ۷۸
مقصود علی ۸۲
مقوی الاسلام عباسی ۲۰، ۴۵
مکمل شہید حافظ محمد ۱۸، ۲۱، ۸۷
مسٹر مل ۲۰۷
ملیحہ احسن ۱۲۷
ممتاز احمد خاں انصاری نوابزادہ ۱۷۴
ممتاز احمد خاں نوابزادہ (ابن طارق ظفر انصاری) ۱۷۷
ممتاز ہمایوں ۵۹
ممتاز (مقصود رضا) ۷۸
متمن بدایونی (پیڑے والے) ۵۳، ۸۸، ۹۱
منتخب الحق قادری مولانا ۲۰۹
منصور احمد میاں ۱۹۷
منصور احمد انصاری نوابزادہ ۱۷۴، ۱۸۴
منصور حسین ۶۲
منظر ایوبی بدایونی ۱۳
منظر حسین حمیدی ۱۵۳
منظور احمد میاں ۱۹۷

منظور حسین (بیرسٹر) ۱۲،۵۹
منور بدایونی (ثقلین احمد) ۷،۱۲،۱۷،۵۳
منور جمال ۱۸۷
منیبہ جلیسی ۷۳
منیبہ منیر ۶۳
منیر حسین ۶۲
منہاج الاسلام عثمانی ۱۸۲
مودود عالم سہروردی ۱۹۶
مومنہ خاتون ۵۴
مہر بن ابراہیم ۶۲
مہدی علی صدیقی ۲۹۰
مہ جبین حمیدی ۶۳
مہر پیلی بھیتی ۱۶۱
مہوش مسعود ۱۹۶
مہوش علیم ۱۱۵
میشا طارق ۱۷۷
میرانجی صاحب (بدایونی) ۹۸

ن

نادعلی مولوی ۳۱،۵۹
نازیہ سید ۱۱۵
نازش طارق ۶۳
ناظم علی (علی ناظم) ۱۱۸
ناہید ابرار ۱۶۳
نایاب زہرہ ۷۳
نبی رضا مولوی ۳۱،۷۷،۷۸
نبیلہ قسیم ۱۱۵
نتاشہ علی ۱۸۰
نتھو قوال ۴۱،۴۲
نثار علی ۱۲۶
نجم الحسنین نجمی ۲۹۲
نجم السحر
نجم اقبال نوابزادہ انصاری ۱۷۵
نجمہ خاتون بیگم عبدالوہاب ۹،۶۲،۱۳۱
نجیب اللہ ۱۸
ندا قمر ۱۰۵
ندیم اختر ۱۰۵
ندیم الدین قریشی ۱۱۸
ندیم ۱۳۸
ندیم رضا ۷۸
نذر حسین صدیقی ۲۰،۵۲،۸۷
نذیر حامد ۳۴
نزہت ۱۳۷
نزہت عباسی علی ۱۹۶
نسرین سلطانہ ۱۲۷
نشاط رضا الحق ۱۳۵
نشاط نسرین ۱۸۷

نصیر الدین غلام خواجہ ۱۳۱
نظام القادری ۱۶۰
نظیر صدیقی پروفیسر ۲۷۰
نعمان رشید ۱۸۰
نعمان رضا (ثمر) ۳۰، ۱۰۵، ۱۱۷
نعمہ رشید ۱۸۰
نعیم خالق ۳۴
نعیم اختر ۱۰۵
نعیم اللہ ۱۸
نعیم حسن قاضی ۷۲
نعیمہ یعقوب ۶۲، ۶۳
نعیم زماں ۷۹
نفیسہ خاتون ۱۰۴
نقی محمد (محمد نقی) ۲۹۴
نکہت جہاں ۱۱۵
نگار توصیف الحق ۱۳۵
نکہت خالد زماں ۱۹۶
نمرہ نعیم ۱۰۵
نواز ڈاکٹر ہومیوپیتھ ۲۹۵
نوازش حسین منشی ۱۸
نور الحسنین قاضی ۱۸، ۶۸
نور العارفین جسٹس ۲۹۰
نور احمد شیخ ۲۱۷
نوید آصف صدیقی ۱۶۰
نظام الدین اولیا محبوب الٰہی ۴، ۲۶
نظام الدین قادری خواجہ غلام ۶۲، ۹۳،
نظام الدین شیخ ۹۴، ۱۲۸،
۲۰۶، ۲۱۷
نوید رضا الحق ۱۳۵
نوید ظفر حمیدی ۱۵۴
نہال الدین مولوی (وکیل) ۶۲، ۶۳
نیاز احمد شیخ ۱۴۵
نیاز بدایونی ۵۴
نیلوفر عباسی ۲۹۳
نیلوفر ہمایوں ۶۲
نیومین مسز ۲۱۷

و

واٹسن مسز ۲۱۷
واجد حسین ۳۴، ۶۴
واجد علی شاہ فقیر ۲۰۶
واجد یار خاں ۲۱۴
واحد باری ۳۴
واحد بخش قادری ۳۴، ۵۴
واصف حسین صدیقی ۱۵۹
واصل محمد (والد محمد مکمل شہید) ۲۱
وامق بدایونی ۵۴۔۶۵
وجاہت جلیسی ۷۳
وجیہہ الدین صدیقی (کمال) ۱۲۰
وجیہہ حامد ۲۰۰

وجیہہ محمود ۱۵۲
وحیداللہ مولوی ۲۰۷
وحیدالدین قادری پروفیسر ۳۴، ۳۶
وحیدالدین ۱۲۶
وحید نقش ۱۱۱
ودود رضا ۷۸
وسیم خالق ۳۴
وسیم زماں ۷۹
وزیرالدین ۱۹
وسیم احمد ۱۱۵
وصی الدین احمد ۴۰، ۵۴
وقار زبیری ڈاکٹر ۲۷۰
وقار حسنین قاضی ۶۵
وقاص محمود ۱۵۲
ولید حیدر ۷۳
ولی محمد پروفیسر ۲۰۹
وقار حسین حمیدی ۷۳

ہ

ہاجرہ خاتون ۹، ۱۰۵
ہادیہ طارق جلیسی ۶۸
ہادیہ جواد ۱۳۱
ہارون احمد ۱۲۶
ہارون نقش ۱۱۵
ہاشم ۱۲۷
ہمایوں منظور ۵۹
ہری پرپن سہائے ۲۰۷
ہلال مختیار ۱۲۰
ہما مسعود ۱۰۵
ہمت علی کھوڑو ۲۱۷

ی

یاسمین ذکی ۱۹۷
یاسمین ۱۳۲
یاور مہدی ۲۹۲
یعقوب حافظ محمد ۱۸
یعقوب حسین ۶۲، ۶۳
یعقوب شیخ احمد ۳۰
یعقوب علی ۳۴
یمنہ النعم ۱۵۲
یوسف ۵۷
یوسف جمال ۱۳۱
یوسف محمد شیخ ۳۰
یوسف جہاں ۷۸
یوریل مسٹر ۲۰۷
یونس محمد نقش ۸، ۳۴
یونس علی حضرت مولانا ۳۱، ۲۰۵
یونس محمد (عرف انو) ۱۸، ۹۱، ۱۰۸
یونس محمد ۱۳۲

اندراجات برائے تکمیل شجرہ

صفحہ نمبر ________________________________

سطر نمبر ________________________________

اندراج کنندہ کا نام ______________________

اندراجات برائے تکمیل شجرہ

صفحہ نمبر ________________________________

سطر نمبر ________________________________

اندراج کنندہ کا نام ________________________

اندراجات برائے تکمیل شجرہ

صفحہ نمبر ______________________

سطر نمبر ______________________

اندراج کنندہ کا نام ______________________

رابطہ و مراسلت

پروفیسر محمد فائق صدیقی

بی۔۳۰۶۔بلاک نمبر۱۰فیڈرل بی ایریا کراچی

فون ۶۳۶۵۲۵۵

ای ۔ میل

Bilsid@attglobal.net

Bilal m@hotmail.com

مصنف کی دیگر کتب

- ☆ نفسیات
- ☆ مسائل نفسیات
- ☆ انگریزی ترجمہ EXPERIMENTAL PSYCHOLOGY translated by F r Augustine Fernandes
- ☆ اختباری نفسیات
- ☆ انگریزی ترجمہ PROBLEMS OF PSYCHOLOGY translated by F r Augustine Fernandes
- ☆ ابتدائی شماریات
- ☆ سماجی نفسیات
- ☆ نفسیات کے اختباری مسائل
- ☆ عملی نفسیات (حصہ اول ودوئم)
- ☆ عملی نفسیات (حصہ سوئم)
- ☆ عملی نفسیات (حصہ چہارم)
- ☆ تعلیمی تحقیق
- ☆ نفسیات اور تعلیم

آفتاب زہرہ ۹،۶۹،۷۳
آفتاب حسن ۷۵
افتخار احمد انصاری نوابزادہ ۱۷۴،۱۸۵
افتخار احمد عدنی ۲۹۰
افتخار حسن ۷۵
افتخار علی صدیقی (مسعود) ۱۲۵
اعظم احمد سید ۷۹
افروز ۷۶
آصف احمد ڈاکٹر ۷۵
افسر حسین ۱۲۷
افشین داور ۱۵۳
افضال احمد شروانی ۳۶
افضال الدین ۶۳
افضال حسنین ۶۵
افضال قادری ڈاکٹر ۱۲،۳۶،۵۹
افضل (فوٹوگرافر) ۲۹۰
اقبال الدین ۶۳
اقبال حسنین قاضی ۷۲
اقبال سلطانہ ۱۲۴، ۱۲۷
اکبر علی ڈاکٹر ہومیوپیتھ ۲۹۵
اکرام اللہ مولی ۱۴۵
اکمل مولوی محمد ۱۸،۲۱،۲۳
اکبر ۳۴
اکبر وارثی ۹۱
التفات حسین ۱۸
آل حسن حافظ ۱۸، ۱۹، ۲۳، ۸۷
آل حسنین ۶۵
آل علی نقوی سید ۴۶
آل محمد نقوی سید ۴۶
آل نبی نقوی سید ۴۶
الیاس رشید قاضی ۲۷
اے۔ایم۔ قریشی ۲۰۹
امتیاز الحسن ۱۱۵
امجد علی مولوی ۳۴
امجد محمود قادری ۶۲، ۱۳۱
امداد نظامی ۲۹۲
آمنہ خاتون (زوجہ احمد علی وکیل) ۷۵
آمنہ خاتون (بنت حامد شہاب) ۱۲۶
آمنہ مظفر انصاری ۱۷۷
امیر الاسلام ہاشمی ۱۲۶
امیر حسن صدیقی ڈاکٹر ۱۲، ۳۶
الطاف گوہر ۳۷
ام ہانی ۱۳۷
امیر حسنین جلیسی ۶۷
انجلا ساجد ۲۰۰،۲۰۲
انجم شائق ۱۶۲
انجم آعظمی پروفیسر ۲۹۰
انس علیم ۱۱۵
انشاء اللہ حافظ ۱۸
انعام صدیقی ۲۹۲

انعم بخش ۱۱۵

انوار حسین حمیدی ۱۵۳

انوار فاطمہ ۶۵

انور جمال ۱۸۷

انور کمال ۱۳۱

انور مقصود ۱۲، ۸۲

انوشہ آشکار ۱۵۲

انیس الرحمن ۲۱۸

اویس عارف ۱۳۸

اویس احمد خان کنور ۲۰۰

اویس صدیقی محمد ۲۱، ۱۱۵، ۱۸۸

اویس زیدی سید ۱۶۷

ایثار علی صدیقی مولوی ۴۶

ایمن مظفر انصاری ۱۷۷

ایناس ندیم ۱۸۱

ایوب خان محمد فیلڈ مارشل ۳۶

ایوب علی کوکب شادانی ۱۶۷

ایوب قادری ڈاکٹر ۱۳

ایم۔ بی۔ احمد ۲۹۰

ب

بابو رام ماسٹر ۲۰۷

باقر حسین ۶۳، ۲۰۸

بدر الدین محمد ۱۰۵

بدر الحسن شہید ۷۳

بدر جہاں ۷۶

بدر عالم ۲۹۲

بدر عالم سہروردی ۱۹۶

برجیس فاطمہ ۲۳، ۵۹، ۱۱۸

بشرہ انوار حسین ۱۵۳

بشیر احمد پروفیسر ۱۷۲، ۲۱۸

بلال محمد صدیقی ۲۱، ۱۱۵، ۱۹۱

بلقیس سلیم ۱۸۶

بلقیس فاطمہ ۲۳، ۳۴، ۱۱۵

برہان شیخ ۲۰

پ

پروین مدثر ۱۸۶

پنو سید ۱۱۵

پیارے میاں ۱۰۰

پیکر جمال ۱۳۲

ت

تابش محمد صدیقی ۱۶۰

تابش ۱۳۸

تاجدار حسنین قاضی ۷۲

تانیہ علی ۱۸۰

تبسم محی الدین قادری ۱۳۲

تبسم خورشید ۱۸۴

تجمل حسین ۳۰۶

امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

عبدالرحمٰن — عبداللہ — عبیداللہ — صفی اللہ — عبدالرحمٰن — عبداللہ قریشی مکی — شیخ احمد عرف شیخ یعقوب — شیخ محمد — شیخ برہان — شیخ شمس الدین (عرف بہاؤ الدین)

شیخ شہاب الدین — شیخ محمد یوسف — شیخ رفیع الدین — مولانا حسام الدین — شیخ مطیع اللہ (عرف مطافر سوار) — شیخ محمد — شیخ حبیب اللہ — شیخ عبدالحمید

- محمد کبیر
  - محمد منیر
    - محمد امیر
      - عبدالقدیر
        - قاضی عبدالرشید
- حسام الدین
- نظام الدین
- محمد شریف
  - عبداللطیف
    - محمد حنیف
      - محمد واصل
        - محمد مکمل شہید
          - زوجہ اول عباسی خاندان (لاولد)
          - زوجہ ثانی عثمانی خاندان (چار بیٹے)
            - محمد اکمل
              - عبدالستار
              - محمد سعید
            - غلام محی الدین
            - حافظ حسن علی
              - حافظ فرزند حسن
              - حافظ آل حسن
                - ضیاء الحسن
            - مولوی محسن علی
              - محمد صالح
                - محمد اصلح
                  - حبیب اصغر
                  - ریاض باقر
                    - محمد آفاق
                    - محمد فاروق
                  - علی عباس
                    - محمد فائق
                      - محمد اویس
                      - محمد بلال
                      - محمد زید
                    - محمد شائق
                      - محمد عزیر
                      - محمد اسید
                    - محمد اشفاق
                      - شاہ رخ
                  - محمد یونس
                  - سید احمد
                    - قسیم احمد
                    - علیم احمد
                      - انس علیم
                    - فہیم احمد
                    - سرفراز احمد
                    - سلیم احمد
                    - وسیم احمد
              - محمد رضا
                - رضوان رضا
                - ریحان رضا
                  - محمد عثمان رضا
                    - محمد غفران رضا
                      - محمد عمران رضا
                        - محمد عمیر
                      - محمد نعمان رضا
                    - محمد عرفان رضا
                    - محمد سلمان رضا
                      - محمد کامران رضا
                        - محمد شایان
                      - محمد فرحان رضا
                      - محمد عفان رضا
                    - محمد فرقان رضا
                      - محمد حسان رضا
                      - محمد فیضان رضا
                    - محمد احسان رضا
        - محمد کامل
  - عبدالرحیم
    - عبدالکریم
      - سلیم اللہ
        - محی الدین
- معین الدین
- جان محمد

ترتیب: حافظ عبدالستار — تکمیل: پروفیسر محمد فائق — تاریخ: ۵، مئی ۱۹۹۹ء

ملنے کا پتہ

فریدی بک سینٹر ۳۶۔اردو بازار کراچی